مخدرات

حصۂ دویم

جس میں

چند نامور و ممتاز خواتین خاندان تیموریہ وغیرہ کے

مفصل و مشرح حالات زندگی درج کیئے گئے ہیں

جن میں چند رانیاں اور زیادہ تر شہزادیاں ہیں

مرتبۂ

سید ظہور الحسن صاحب مالک قومی پریس دہلی و کارخانہ

احسن التجارت کٹرہ نظام الملک۔ زیر جامع مسجد

حسب فرمائش حافظ سید ابوالحسن صاحب

سنہ ۱۹۱۴ء

دہلی پرنٹنگ ورکس میں مولوی فضل حسین کے اہتمام سے طبع ہو

تاریخ دربار دہلی ۱۹۱۱ء

اس میں اول سے آخر تک دربار کے تمام حالات چشم دید قلمبند کئے گئے ہیں اور ساتھ آٹھ نقشے
سب موقع لگائے گئے ہیں یہ تاریخ قابل دید ہے اسکی مقبولیت و شہرت اس سے ثابت ہے کہ علیاحضرت
حضور بیگم صاحبہ والیہ بھوپال نے اسکی سرپرستی فرمائی اور مسودہ طلب فرماکر خود ملاحظہ فرمایا اور اپنے مبارک
نام کیساتھ معنون کرنیکی اجازت مرحمت فرمائی اور حضور والا سے بہادر گنج متیمں بھی شرف باریابی حاصل کی
اس سے زیادہ تعریف فضول ہے ضخامت ۲۵۰ صفحہ کے قریب قیمت فیجلد مجلد ۱۲؍ علاوہ محصول ڈاک

مخدّرات

جدید تصنیف ہندوستان کے مشہور مورخ حضرت مولانا مولوی عبدالحلیم صاحب شرر
لکھنوی نے حال میں یہ عجیب غریب تصنیف فرمائی ہے جسمیں چند نامور اور ممتاز خاتونان ارض
کے مشرح و مفصل حالات زندگی (جن میں بعض اسلام سے پیشتر کی خاتونین ہین
اور کچھ اسلام کے بعد کی) لکھے ہین اب یہ زمانہ انہین کتابون کے پڑھنے کا ہی حضور
سرکار عالیہ بھوپال نے اسکی بھی ۲۰۰ جلدین خرید فرماکر مشتہر کی حوصلہ افزائی کی ہے اسی طرح
جناب کی ذات پر بھی امید ہے کہ ضرور ملاحظہ فرمائیے گا حسب ذیل خواتین کی سوانح عمریاں
درج ہین قیمت مجلد مع محصولڈاک ۸؍

سمی رامس ملکہ بابل	ہند بنت نعمان	لیلائے اخلیہ	شہدہ کاتبہ	زلیخا ملکہ مصر
ملکہ سجاح	ام سلمہ زوجہ سفاح	قطر الندے	بلقیس ملکہ سبا	اونغا ملکہ روس
علیہ بنت مہدی	خدیجہ بنت القیم	ملکہ ایستھر سرائیلیہ	کتھرائن ملکہ روس اول	زبیدہ خاتون
ام ہانی مریم	قلو پطرہ کلوپیٹرا	میڈم ڈی اسٹائل	ام الخیر رابعہ بصریہ	فاطمہ فقیہہ
ملکہ زباعرب میں	ام ابان	رابعہ شامیہ	فاطمہ منشاپوریہ	ملکہ زنوبیہ
لواز زوجہ فرزوق	مضنہ مخہ زبدہ	ہلینہ والدہ قسطنطین اعظم	جون آف ارک	ام علی تقیہ

فہرست مضامین مخدرات حصہ دوم

دستک درِ سلطانی پر

یہ کاغذی ہاتھ جن کی لکیروں میں خدائے تعالیٰ کی اُس مخلوق
کے احوالی نوشتے ہیں جنھوں نے نوعِ انسان کے مکمل کرنے
میں حصہ لیا اور اپنی علمیت ذہانت و قابلیت سے طبقۂ نسواں
کی مفروضہ ظلمت میں چار چاند لگا کر دکھائے۔ اُس حرمِ اعلےٰ
کے دروازے پر دستک دیتا ہے۔ اُس سراپردہ ہمایوں کے
دامنِ عاطفت کو تلاش کرتا ہے جو اس زمانے میں علم نوازوں
کی دنیا میں نیّرِ درخشاں ہے یعنی ظلِ سبحانی ہر ہائینس حضور
عالیہ حضرت **بیگم صاحبہ** اقلیم لازوال **بھوپال**۔
توقع ہے کہ سلطانی دروازے پر یہ دستک مقبول ہوگی اور
دستِ فیض پرور اس علمی یادگار کو اپنے حمایت میں منسوب
ہونے کی عزت مرحمت فرمائے گا۔

مقام — امیدوارِ قبولیت

صوبہ دھلی — احقر الزمن سید ظہور الحسن مؤلف تاریخ بلدہ دہلی

حالی پریس دہلی میں چھپا۔

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ

مخدّرات

جلد دوم

رضیّہ سُلطانہ

یوں تو ہندوستان کے مسلمان فرمانرواؤں میں سے شاید ہی ایسا کوئی خوش نصیب ہو جس کا دورِ حکومت بیداغ نظر آئے۔ مگر جن بیگناہوں پر تاریخ مروجہ نے دل کھولکر حملے کئے ہیں اُنمیں سے ایک سلطانہ رضیہ بھی ہے اور ایسے لوگ بہت کم ہونگے جو اِس بیگم کے نام سے آشنا تو ہوں مگر نہ جانتے ہوں کہ ایک حبشی غلام بغل میں ہاتھ دیکر اُسکو گھوڑے پر بٹھاتا تھا لیکن سلطانہ رضیہ جیسی مدبر انصاف پسند اور بیدار مغز ملکہ پر ایسا الزام لگانا نہ صرف مورخ کی بد دیانتی سمجھی جا سکتی ہے بلکہ ایک ایسا راز ہے جسکی تہ میں تعصب صاف طور پر جھلک رہا ہے زیادہ تر افسوس اس امر کا ہے کہ رضیہ پر اس قسم کا الزام قایم کرنے والے لوگ وہ ہیں جنکا طرز تمدن ایسی باتوں کو مذموم یا معیوب نہیں بلکہ جزوِ حیات سمجھ رہا ہے اور جہاں علی الاعلان اس سے بدرجہا بڑھے

چڑھے تماشے دنرات دکھائی دے رہی ہیں مگر ہم اس سے پہلے کہ سلطانہ رضیہ کے دامن عصمت کو اس گناہ سے پاک ثابت کرنے کی کوشش کریں۔ اسکی زندگی کے ابتدائی حالات پر نظر ڈالتے ہیں۔

رضیہ بیگم کی ہردلعزیزی کا ثبوت اس سے زیادہ اور کیا ہوگا کہ سلطان شمس الدین کے بعد جس نے گیارہ بیٹے چھوڑے باوجود رکن الدین کے ولیعہد ہونے کے رعیت نے بالاتفاق سلطانہ کو اپنا حکمران بنانا چاہا اور اپنی جانیں قربان کرکے ایک خونریز معرکہ کے بعد رکن الدین کو قید کیا اور رضیہ بیگم کو ۶۲۹ھ میں تخت پر بٹھادیا۔

رضیہ درحقیقت تخت حکومت کی مستحق تھی ایک مسلمان بادشاہ میں جو صنعات ہونی چاہئیں اسکی ذات میں وہ سب موجود تھیں۔ وہ باپ کے زمانہ حیات ہی میں کاروبار سلطنت میں متوجہ رہتی اور بہت سے مراحل اس خوبصورتی اور دانشمندی سے طے کردیتی کہ خود شمس الدین متحیر ہو جاتا اس ہی قابلیت اور محنت کا نتیجہ تھا کہ جب شمس الدین نے گوالیار پر حملہ کیا تو باوجود اسکے گیارہ لڑکوں کی موجودگی کے ان سے اپنی عدم موجودگی میں رضیہ کو قائم مقام بنایا اور رضیہ سلطانہ نے اس فرض کو ایسی خوش اسلوبی سے انجام دیا کہ واپسی پر شمس نے سلطانہ رضیہ کی ولیعہدی کے احکام جاری کردیئے۔

سلطانہ رضیہ نے سب سے پہلا کام جو حکمران ہونے کے بعد کیا وہ قوانین قطبی و شمسی اور احکام شرعی کی ترویج تھی جسکو عیاش رکن الدین نظرانداز کرچکا تھا۔ مردانہ لباس پہنکر وہ باہر نکلنے لگی تاکہ تمام نظم ونسق سے باخبر رہے۔ اسکے محل کا دروازہ فریادی کے واسطے ہر وقت کھلا ہوا تھا۔ اور دن ہو یا رات فریاد سننے کے واسطے ہر لمحہ تیار رہتی تھی۔

رکن الدین کی گرفتاری اور باقی تمام بھائیوں کی شرارت سے آپس کی خانہ جنگیوں نے رضیہ کو چین نہ لینے دیا یہانتک کہ لاہور اور ملتان وغیرہ کے حاکم اور وزیر اعظم نظام الملک جنیدی پر بغاوت کا جادو چلگیا۔ اور لوگ اسکی مخالفت پر آمادہ ہوگئے سلطانہ کے واسطے یہ وقت نہایت نازک تھا مگر وہ مطلق نہ گھبرائی اور ایک جرار فوج لیکر مقابلہ پرآئی باغیوں کو قتل کیا

حاکموں کو شکست دی۔ اور جس وقت بھائی عفو تقصیر کے طالب ہوئے تو آنکھوں میں آنسو بھر لائی اور اُن کے قصور معاف کر دیئے۔

اب وہ وقت آیا جسکو مورخ سلطانہ کی شان کے خلاف سمجھ کر اسپر بزدلانہ حملے کرتے ہیں یعنی ایک شخص یاقوت حبشی میر اخور رضیہ کے مزاج میں اس قدر دخیل ہوا اور اسکا تقرب اتنا بڑھ گیا کہ جب سلطانہ گھوڑے پر سوار ہوتی تو وہ ہاتھوں سے سہارا دیکر سلطانہ کو سوار کراتا۔

اسموقعہ پر انصاف کو ہاتھ سے نہ دینے والے غور کر سکتے ہیں کہ ایک معمولی آدمی کے تھوڑے سے صاحب اختیار ہو جانے پر خوشامدیوں کا کس قدر زرغہ ہو جاتا ہے۔ دانت کریدنے کے واسطے تنکا اٹھانے کی بھی ضرورت ہوتی ہے تو خدام لپک کر اس خدمت کو انجام دیتے ہیں۔ چہ جائیکہ ایک عظیم الشان ملک کے دربار میں ایک شخص کو اسقدر رسوخ حاصل ہوئے کہ امور سلطنت میں بھی اُس سے مشورہ لیا جائے۔ تو وہ اسموقعہ پر خوشامد میں اپنی جان تک نثار کر دیتا تو اُسکے واسطے فخر تھا۔ نہ یہ کہ گھوڑے کی سواری میں رضیہ کو سہارا دینا اسکے تعلق ناجائز کی ایک تنہا شہادت ہوگئی۔

سلطانہ رضیہ باعتبار تدبیر اپنے زمانہ کی بہترین حکمران تھی۔ اگر حقیقت نفس الامر یہ ہوتی تو وہ ضرور رعیت کے مشتبہ ہو جانے کی احتیاط کرتی مگر وہ بالکل آزاد منش عورت تھی پرواہ مطلق نہ کرتی تھی کھلم کھلا پھرتی اور میدان کارزار میں وردی پہنکر شریک ہوتی۔

افسوس یہ ہے کہ الفنسٹن جیسا شخص جسنے یورپ کی سرزمین میں پرورش پائی اور جب لی گھٹی میں آزادی نسوان پڑی ہو حبشی غلام کے سہارے پر سلطانہ کے چال چلن کو مشکوک سمجھے۔ اگر اسکی ذرہ بھر بھی اصلیت ہوتی تو وہ مورخین جنھوں نے ایمان کو کسی موقع پر ہاتھ سے نہ دیا۔ بالاجماع یہ نہ کہتے کہ سلطانہ میر اخور پر مہربانی کرتی تھی۔ باغیوں کی سازش کا شکار اکثر حکمران ہوئے ہیں۔ اور آپس کی خانہ جنگیوں نے بڑے بڑے فساد برپا کیئے ہیں۔ رضیہ کا معزول ہونا انہی وجوہ سے تھا۔ جسکو تاریخ مروجہ نے

اسکے چال چلن کی خرابی سے تعبیر کیا۔ وہ اصل میں نسل کی ترک تھی۔ اور چہل کانی غلام ترک شروع سے اسکی مخالفت پر کمر بستہ تھے۔ اور باوجود سخت کوشش کے اُنکا خوش رہنا سلطانہ کے اختیار سے باہر تھا۔ نوبت یہانتک پہونچی کہ التونیہ بھٹنڈے کا حاکم باغی ہوگیا۔ امرا اسکے ساتھ تھے اور سلطانہ کی طاقت کمزور ہو چکی تھی اِسوقت سوا اسکے اور کوئی چارہ نہ تھا کہ سلطانہ نے التونیہ سے نکاح کیا اور اسطرح اپنی پاکدامنی کو اچھی طرح ثابت کر دیا۔ مگر اصلیت کچھ اور ہی تھی چہل کانی غلام ترک اس فعل پر اور بھی برافروختہ ہوئے اور کیتھل پر ۱۲۳۶ء میں ایک خونریز جنگ ہوئی جس میں سلطانہ کو شکست ہوئی +

ترک اسکے خون کے پیاسے تھے رضیہ کے پاؤں اکھڑنے کی دیر تھی چاروں طرف سے ٹوٹ پڑے اور بدنصیب رضیہ نے ایک گاؤں میں جاکر پناہ لی۔ ابن بطوطہ سلطانہ رضیہ کے قتل کی واردات اِن الفاظ میں بیان کرتا ہے کہ شکست کھانے کے بعد رضیہ نے اپنا لباس تبدیل کیا۔ دن بھر گاؤں میں پھرتی رہی شام کے وقت جب بھوک سے بہت تنگ ہوئی تو زمینداروں سے سوال کیا۔ ایک کسان نے اسکی حالت پر رحم کھاکر آدھی روٹی اسکے حوالے کی۔ دن بھر کی تھکی ہاری ملکہ کو وہ سوکھی روٹی پلاؤ کی رکابی سے بہتر تھی۔ سیر ہوکر کھائی اور تھوڑا سا پانی پیکر وہیں ایک کونے میں ڈھیر ہوگئی۔ لباس مردانہ تھا۔ کسان کی نظر جو پڑی تو کیا دیکھتا ہے کہ فقیرنی کے لباس کے نیچے قبائے مرصع کا تکمہ جگمگا رہا ہے قریب آکر دیکھا تو معلوم ہوا کہ عورت ہے اور بیش قیمت لباس زیور سے مزین ہے کمبخت نے لالچ میں آکر مصیبت ماری ملکہ کو جو اسکے ہاں مہمان اور پناہگزین تھی قتل کر دیا لباس اور زیور اُتار کر لاش ایک کھیت میں دفن کی اور زیور لیکر جوہریوں کے پاس گیا۔ ایک گرانبہا انگشتری جسمیں ہیرا جڑا ہوا تھا منحوس کسان کے پاس دیکھ کر سب دنگ رہ گئے پولس کو خبر ہوئی اور کوتوال نے اسکو گرفتار کر کے تحقیقات شروع کی اور لاش کو کفن دیکر قطب صاحب کے کھنڈروں میں دفن کیا اور ایک گنبد بنا دیا +

ابن بطوطہ کا یہ واقعہ بھی بجائے خود زیادہ صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ اسلئے نہیں کہ قطب صاحب کے کھنڈروں میں رضیہ بیگم کے مقبرہ کا صحیح پتہ نہیں چلتا بلکہ اسلئے کہ دہلی میں اس واقعہ کا علم بادشاہ وقت کو مطلق نہ ہوا۔ فیاس یہ کہتا ہے کہ سلطانہ گرفتار ہو کر معزالدین شاہ کے حکم سے معہ اپنے شوہر کے قتل کی گئی۔

ان تمام واقعات سے جو بیان کئے گئے یہ اچھی طرح معلوم ہوگیا کہ تفریق مذہب کیسی مذموم شے ہے۔ ایک ایسی ملکہ جس نے تمام عمر اپنی پاکدامنی سے بسر کر دی اور تا دم واپسیں عصمت کو ملحوظ رکھا متعصب مورخوں کی نگاہ میں بدچلن سمجھی گئی۔ حالانکہ تاریخ اس سے بہت زیادہ آزاد حکمران عورتیں ہمارے سامنے پیش کر رہی ہے اور مورخ اُن کی عفت و عصمت کے گیت گا رہے ہیں ؀

بدرالنسا بیگم

بدرالنسا بیگم شہنشاہ عالمگیر کی پانچویں لڑکی تھیں جس کی پیدائش ۱۰۵۶ھ میں ہوئی۔ اُن کی والدہ کا نام نواب بائی بیگم تھا۔ یہ شہزادی شروع ہی سے نہایت ذہین اور طباع تھی بچپن ہی میں بہت پیاری پیاری باتیں کرتی تھی۔ اسکی باتوں نے عالمگیر جیسے سنجیدہ بادشاہ کو اپنا گرویدہ کر لیا تھا۔ اور تمام قلعہ کی بیگمات بھی اسکی بے انتہا پیار کرتی تھیں جب بدرالنسا بیگم کی عمر پانچسال کی ہوئی تو بادشاہ نے جو مذہب کا بہت بڑا پابند اور قرآن شریف کا عاشق تھا۔ ایک شریف معلمہ کو شہزادی کی تعلیم کے واسطے مقرر فرمایا جو مذہبی علوم سے خوب واقف تھی بدرالنسا بیگم کو کسی باعث سے قرآن مجید حفظ کرنے کا شوق ہوا۔ اور فوراً اُسنے یاد کرنا شروع کر دیا اور یہ بہت حیرت کی بات ہے کہ شہزادی نے صرف دو سال کے عرصے میں قرآن شریف حفظ یاد کر لیا۔ عالمگیر کو اپنی ہونہار لڑکی

کی ذہانت پر بہت حیرت ہوئی اور بیحد خوش ہوکر اُسنے اس تقریب پر بہت بڑا جشن کیا اور تمام فوجکو سلطنت کیطرف سے دعوت دیگئی اور اہلکارون کو بڑے بڑے انعامات تقسیم ہوئے۔

بدرالنسا بیگم نہایت خوش آواز تھی اور اُن کی آواز میں ایسا دلکش مقناطیسی اثر تھا جو دم بھر میں سننے والے کو محو حیرت کر دیتا تھا ایکروز بدرالنسا بیگم صبح کی نماز کے بعد صحن چمن میں بیٹھی ہوئی نہایت خوش الحانی سے قرآن شریف کی تلاوت میں مشغول تھی۔ صبح کبھی کی ہوچکی تھی۔ مشرق کیطرف آسمان پر آفتاب کی نیلی آمیز سُرخ شعاعیں پھیلی ہوئی تھیں نسیم سحر کے ہلکے ہلکے جھونکے چل رہے تھے اور جانورون نے چہچہا کر عالم سکوت اور خاموشی کو دور کر دیا تھا۔ یہ وقت مصلحتاً نہایت ہی دلکش پیدا کیا گیا ہے اسکی کیفیتیں عجیب ہی اثر کرتی ہیں۔ اور ہر شخص کو میٹھی نیند سے جگاکر اپنی طرف مائل کرتی ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ اگر انسان کے دل میں ذرا بھی صلاحیت ہو تو اسوقت کی دلکش کیفیتیں دیکھ کر فطرت کا تقاضہ ہوتا ہے کہ اس خداوند عالم کی بے بہا نعمتوں کا ایک مرتبہ تو شکریہ ادا کر لے) ایسے دلفریب اور سہانے وقت مین بدرالنسا جیسی حسین بیگم کا اپنی موسیقی خیز آواز میں کلام مجید پڑھنا عجیب ہی لطف دے رہا تھا۔ اتفاق سے عالمگیر بھی نماز صبح پڑھ کر چمن میں ادھر آنکلا۔ بدرالنسا بیگم کی آواز سُنی۔ چونکہ بدرالنسا بیگم نہایت ہی خوش الحان تھی اور اصُول قرآن کے مطابق قرآن پڑہتی تھیں اور اتفاق سے آیتیں بھی بڑی پرمضمون تھیں اس لیئے شہنشاہ عالمگیر جو قدرتاً کلام الٰہی کا شیدا تھا بالکل مدہوش ہوگیا۔ نصف گھنٹہ کے بعد بدرالنسا بیگم اپنی معمولی تلاوت سے فارغ ہوئی تو بادشاہ اپنی اسی وجد کی حالت میں اسکے پاس آیا۔ اور ایک بے انتہا مسرت کے ساتھ اسکی پیشانی پر بوسہ دیا اور پیار کرکے بہت دعائیں دیں اسکے بعد بدرالنسا بیگم کو مذہبی تعلیم دلائی گئی اور اس نے عربی پڑھنی شروع کی اُسکی تیز طبیعت اور ذہن رسا نے اس علم میں بھی بہت حیرت خیز ترقی کی اور چار سال کے عرصہ میں عربی پر پوری دستگاہ حاصل ہوگئی عالمگیر

وقتاً فوقتاً امتحان کے طور پر سوال کرتا جنکا شہزادی بہت ہی معقول جواب دیتی جس سے بادشاہ
خوش ہوکر معلمہ کی تنخواہ میں بھی اضافہ کرتا اور بدرالنسا بیگم کے خوش کرنے اور حوصلہ بڑھانے
میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ بدرالنسا بیگم کو جب عربی میں پوری دستگاہ حاصل ہو گئی
تو اُسنے دیگر علوم اور فنون کیطرف توجہ کی مگر چونکہ اُس کے سلامتی پسند ذہن کو سوائے
علوم مذہبی کے اور کسی علم میں دلچسپی نظر نہیں آئی۔ اسی لیئے بدرالنسا بیگم نے تمام دیگر علوم
فنون سے یکلخت اپنی نظر ہٹالی اور اب اپنا تمام وقت قرآن شریف اور حدیث فقہ کی کتابوں
کے مطالعہ میں صرف کرنے لگی۔ یہ ہوشیار شہزادی قرآن شریف کی نہ صرف عالم تھی۔ بلکہ
اسپر پوری عامل بھی تھی۔ قرآن مجید اور حدیث کی تلاوت اسکا روزانہ کام تھا اور عبادت
کا اسے بڑا شوق تھا۔ عالمگیر مذہبی اصُول کا سخت پابند تھا بدرالنسا بیگم کے زہد
اور عبادت اور ریاضت سے بہت خوش تھا۔ اور اسکی عالمانہ تقریروں پر عش عش کرتا تھا یہ
عجیب اتفاق ہے کہ عالمگیر کی تمام اولاد میں صرف بدرالنسا بیگم اور اسکے دونوں حقیقی بھائی
حافظ قرآن تھے گو عالمگیر کے اور لڑکے لڑکیاں بھی مختلف علوم و فنون میں بہت بڑا درک
رکھتے تھے اور علمی فیاضیوں میں مشہور اور لاجواب تھے مگر خدا کی قدرت کہ اس بزرگ
اور عظیم ترین فضیلت سے محروم رہے اور کسی کو یہ عزت نصیب نہ ہوئی +
بدرالنسا بیگم کا منجلا بھائی محمد معظم شاہ عالم بہادر شیعہ مذہب رکھتا تھا اور شاہی محل
اور عالمگیر کے دربار میں ارکین سلطنت اور بیگمات زیادہ تر اہل سنت تھیں اور صرف دے
چند شیعہ اس اختلافِ عقاید پر اکثر گفتگو رہتی تھی۔ اور اندر باہر دونوں جگہ بڑے زور
شور سے مناظرے ہوتے تھے اور نہایت دھوم دھام سے مباحثہ کی مجلسیں گرم
رہتی تھیں آخر کار یہانتک نوبت پہونچی کہ باہمی تنازعہ کا اندیشہ ہوا جسپر فریقین کی
رائے سے بدرالنسا بیگم اس اختلاف کو رفع کرنے کے لیئے حکمران مقرر کیگئی اس شہزادی نے
اپنی خداداد عقل سے نہایت معقول اور شافی فیصلہ دیا اور اس جھگڑے کا خاتمہ کر دیا۔

بدرالنسا بیگم کی زندگی میں یہ عجیب پُرلطف بات پائی جاتی ہے کہ وہ جیسی حلیم الطبع خلیق اور نرم دل تھی۔ اور جسطرح اسکے لیئے اپنے مصاحبوں کو ذرا سی بات پر انعام سے مالامال کرنا کوئی بات نہ تھی۔ اسیطرح ذرا سی رنجش یا بگاڑ کیوجہ سے وہ اُنہیں خون کے آنسو بھی رلادیتی تھی۔ اسکی وجہ یہ تھی کہ بدرالنسا بیگم اپنے باپ کی پیاری اور ماں کی لاڈلی تھی۔ افسوس ہے کہ بدرالنسا بیگم جیسی لائق اور عقلمند شہزادی نے عین شباب کے عالم میں انتقال کیا۔ اسکی عمر کل ۲۲ برس کی ہوئی ۱۰۸۱ھ میں اسے اپنے سب عزیزوں سے جُدا ہونا پڑا +

جانان بیگم

یہ حسین و پریچہرہ اور انتہا سے زیادہ پرمغز اور عقلمند خاتون میرزا عبدالرحیم خان المخاطب خانخانان وزیرالملک ہندوستان کی ہردلعزیز اور پیاری لڑکی تھی جسکے حسن و جمال اور علم و فضل کا عالمگیر شہرہ سارے ہندوستان میں بڑی نیکنامی اور اولوالعزمی کے ساتھ پھیلا ہوا تھا۔ اور عالی حوصلگی و بلند دماغی کی پرلطف اور نشاط انگیز حکایتیں بڑی دلچسپی کے ساتھ جستہ جستہ لوگوں کی زبان پر جاری تھیں میرزا عبدالرحیم خان بیرم خان وزیرالسلطنۃ کا نامور اور نہایت مشہور فرزند تھا جسنے اکبری دربار میں وہ وقعت و عزت حاصل کی تھی جس کی وجہ سے نہ صرف اراکین دولت اور امراء سلطنت میں امتیازانہ نظروں سے دیکھا جاتا تھا بلکہ خود شہنشاہ اکبر حد سے زیادہ عزت کرتا تھا۔ اسنے دکن کی عظیم الشان مہموں اور چیتوڑ کی نہایت دشوار اور سنگین معرکہ آرائیوں میں اپنی فطری شجاعت اور جانبازیوں کیوجہ سے فتوحات کا فخر حاصل کیا تھا۔ اور اپنی بیدار مغزی سے ملک و قوم میں نیکی و بہبودی کی عام تحریک پھیلادی تھی۔ جانان بیگم اپنے ماں باپ کی اکلوتی بیٹی تھی اور حُسن و خوبصورتی کے علاوہ علم و فضل کا کافی حصہ رکھتی تھی۔ اسکے لاثانی اور بے مثال حسن کی داستانیں اور علم و فضل کا چرچا

سارے ہندوستان میں پھیلا ہوا تھا۔ اُسے فطرتاً علوم دینیہ سے دلچسپی تھی اور وہ اسی شغلہ میں اپنی زندگی بسر کرنا پسند کرتی تھی گویا قدرت کے نازک ہاتھوں نے اس کی سرشت اور طبیعت میں مادۂ علم کوٹ کوٹ کر بھر دیا تھا اور وہ ہمیشہ علمی باریکیوں اور موشگافیوں میں مصروف رہتی تھی اسنے اپنی معلومات اور قابلیت کا گرانبہا جوہر ظاہر کرنے کے لیئے قرآن مجید کی ایک عجیب و غریب اور نہایت مفید لاجواب تفسیر لکھی جو خوبی مضامین اور زور تقریر کے علاوہ مقبولیت عام کا دلچسپ پیرایہ رکھتی تھی اور اکثر علوم مروجہ کو مشتمل تھی شہنشاہ اکبر نے بڑے شکریے کیساتھ اس تفسیر کو لیا اور جانان بیگم کی قدردانی کے اظہار کے لیئے اس کارنمایاں کے صلے میں اُسے پچاس ہزار دینار عطا فرمائے اور نہایت خواہش اور آرزومندی کیساتھ تفسیر کو اپنے کتب خانہ میں جگہ دی +

سخنوری اور طباعی کے لحاظ سے جانان بیگم ایک نہایت بلند رتبہ کی شاعرہ تھی اسکا حرف و شعر زبان سے نکلتے ہی مجلس کو مہکا دیتا اور سامعین کے دلوں پر گہرا اثر کرتا اسکے ہر ہر فقرے شستہ بیانی اور زور طبیعت کی شہادت ملتی تھی۔ اور نازک خیالی اور جادو بیانی میں کوئی اسکی ہمسری کا دعویدار نہیں بن سکتا تھا۔ چونکہ وہ ہر موقع و محل پر تیغ زبان کا جوہر دکھاتی اور اپنی خداداد قابلیت اور حسن لیاقت کے عمدہ نمونے ظاہر کرتی تھی اور جو کچھ کہتی زبانی اور برمحل کہتی تھی اسلیئے فن شاعری میں مشہور استادوں میں تسلیم کی گئی۔ اسکی ایک غزل کا پہلا شعر جس سے اُس کی نازک خیالی اور مضامین کی خوبی کا کسی قدر اندازہ ہو سکتا ہے ہدیۂ ناظرین ہوتا ہے شعر

عاشق ز حلق عشق تو پنہاں چساں کند ہا پیداست از دو چشم ترش خون گریستن

اس شعر سے جو برجستگی اور شیوا بیانی اور شاعرہ کی قادر الکلامی اور زود بیان معلوم ہوتا ہے۔ وہ اہل ذوق پر مخفی نہیں +

جانان بیگم سن بلوغ کو پہونچی تو شہنشاہ اکبر نے شہزادہ دانیال کے ساتھ اسکی شادی کا خیال ظاہر کیا۔ اور اس مبارک تقریب کا انعقاد سنہ ہجری میں پایا جو

نہایت تزک و احتشام کیساتھ انجام پذیر ہوا۔ اُس روز کے ساز و سامان اور حشمت و شوکت کی کیفیت جو نوشہ کے دولہن کے مکان پر جانے کا دن تھا قابل دید اور یادگار زمانہ تھا شہر کے تمام بڑے بڑے بازار عام طور پر آراستہ تھے اور انکی زیب و زینت میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا گیا تھا۔

الغرض جانان بیگم کی اس شادی کی تقریب جس شان و شوکت سے ادا ہوئی وہ اُس عہد کی مسرفانہ فیاضی اور حشمت و دولت کا سب سے بڑھا ہوا نمونہ تھا ۔

خوش قسمت دُلہن جانان بیگم جسکی شہزادہ دانیال کے ساتھ شادی ہوئی اور نہایت تزک و احتشام کے ساتھ ہوئی۔ چونکہ نہایت قابلہ اور تعلیم یافتہ تھی اسلیئے اسنے بہت سی اُن فضول رسموں کو جو ان دنوں محلات کی مستورات میں رائج تھیں موقوف رکھا اور اُن شان و نمود کی بیجا اور اخلاق سے گری ہوئی رسومات میں جو شاہی خاندان میں برتی جاتی تھیں اور جو مسرفانہ فیاضیوں کے بہت بڑے نمونے دکھلائے جاتے تھے بہت کچھ کمی کر دی۔ مگر پھر بھی جو ساز و سامان مستورات محل کیجانب سے کیا گیا۔ قابل بیان نہیں شہزادہ دانیال مع خاندان شاہی اور ارکان دولت اور تمام افسران فوجی و ملکی میرزا عبدالرحیم خان کا مہمان ہوا اور برابر آٹھ روز تک نہایت حوصلے اور فراخدلی سے مہمانوں کی مدارات کی گئی۔ اور اس تقریب کے تمام مصارف کا تخمینہ دو کروڑ پچاس لاکھ روپیہ کیا گیا۔

جانان بیگم کی یادگار و پاکدامنی کا ایک خاص واقعہ جو اسکی تاریخ زندگی میں بڑی نمود اور شان کا واقعہ کہا جا سکتا ہے۔ قابل یادگار ہے وہ یہ کہ جب شہزادہ دانیال کا انتقال ہوگیا اور نورالدین محمد جہانگیر تخت ہند کا وارث قرار دیا گیا تو اُسنے جانان بیگم کے حسن صوری اور فضائل معنوی کا شہرہ سُنکر اسکی خواستگاری میں چند معتمد علیہ اور نامور ارکین دولت کو بھیجا جنہوں نے بڑی منت سماجت سے جانان بیگم کو اسکے درخواست قبول کرنے پر مجبور کیا۔ جانان بیگم نے جہانگیر کی اس درخواست کو نہایت حقارت کی نظر سے دیکھا۔ اور جب اُسنے ارکین دولت کا اصرار دیکھا تو دوسرے روز

بادشاہ کے پاس حاضر ہونے کا وعدہ کیا۔ صبح ہوئی تو اُسنے اپنی عصمت اور شوہر کے ننگ و ناموس محفوظ رکھنے کی غرض سے نہایت جرأت و دلیری کے ساتھ اپنے تمام دانت اکھڑوا ڈالے جو نزاکت و صفائی میں آبدار موتیوں کی ہمسری کا دعویٰ کرتے تھے اور سر کے سارے بال بڑی بے دردی کے ساتھ کٹوا دیئے۔ اس صورت کیساتھ جہانگیر کے حضور میں پہونچی تو اُسنے اُسکی اس حرکت کو دلیل عفت و پارسائی خیال کر کے نہایت عظمت و توقیر سے بٹھایا اور بہت سا نقد دیکر رخصت کیا۔ الغرض عفت مآب اور عصمت کی دیوی جانان بیگم شوہر کے انتقال کے بعد بہت روز زندہ رہی۔ اور بڑی نیکنامی اور عزت کیساتھ زندہ رہی آخرکار سنہ ہجری میں انتقال کر گئی۔ اور اپنے پس ماندگوں سے ہمیشہ کے لیئے مفارقت کر کے جدائی کا دردناک داغ دے گئی +

جانی بیگم

یہ پاکدامن اور مردانہ سیرت خاتون شہزادہ محمد اعظم ابن شہنشاہ عالمگیر کی چہیتی بیگم ہے جو حسن و خوبصورتی کے علاوہ شجاعت و بہادری میں بے نظیر تسلیم کیگئی ہے اور جس نے دکن کے بہت سے معرکوں میں اپنے شوہر کے ساتھ شجاعت و جانبازی کے جوہر دکھاکر ہندی مورخوں سے اپنے حق میں تعریفی الفاظ منتخب کرلیئے ہیں جن معرکوں میں جانی بیگم نے اپنی فطری شجاعت کے نمونے دکھا کر فتوحات کا فخر حاصل کیا ہے اُن میں سب سے بڑا اور عظیم الشان واقعہ بیجاپور کا معرکہ ہے۔ جسے میں یہاں مختصراً ذکر کرتا ہوں +

۱۰۹۵ھ ہجری میں جب شہنشاہ عالمگیر کو خبر ہوئی کہ باوجود عرصہ دراز کے قلعہ بیجاپور فتح نہیں ہوا۔ اگرچہ شاہی فوج ایک عرصے سے اسکا محاصرہ کیئے پڑی ہے لیکن

والی بیجاپور قابو میں نہیں آتا تو اُسنے خود اُسطرف متوجہ ہونے کا عزم کر لیا اور ماہ شعبان المعظم کی چوتھی تاریخ کو عالمگیری جھنڈے بڑی شان و شوکت اور جاہ و جلال کے ساتھ قلعہ بیجاپور کی جانب روانہ ہوئے۔ فوج نہایت ترتیب وارآراستگی کیساتھ شہر سے نکلکر ایک وسیع میدان میں کھڑی ہوئی۔ اور شہنشاہ عالمگیر سب کے پیچھے امرار دولت کے جم غفیر کے ساتھ مستقر حکومت سے برآمد ہوا اسی اثنا میں یہ خبر معرض خدمت ہوئی کہ ایک مفسد اور غدار جاٹ نے اطراف آگرہ میں فساد و بغاوت کی آگ بھڑکا رکھی اور پیشہ کے طور پر چاروں طرف غارتگری کا ہاتھ کھول رکھا ہے۔ گدّھی بستی پر قبضہ کر لیا ہے اور تاخت و تاراج میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا۔ عالمگیر یہ سنکر غصہ سے بیتاب ہو گیا اور خانجہاں بہادر کو جاٹ کے استیصال اور گدھی بستی کے مسمار کرنے پر مامور فرمایا اُدھر سکندر والی بیجاپور کی تنبیہ کے لئے محمد اعظم شاہ کو نہایت آراستہ و شایستہ فوج کے ساتھ تسخیر بیجاپور کے لیئے رخصت کیا۔ شہزادہ بیجاپور کے متصل پہونچا تو عبدالروف اور شرزہ خان دکنی فوجکو لیکر شہزادے کے مقابلہ میں بڑھا اور دونوں فوجیں صف آرا ہوئیں +

اس سال خشک سالی کیوجہ سے دکن کے تمام شہروں میں غلہ گران تھا اور گھاس دانہ بڑی مشکل سے دستیاب ہوتا تھا دکنیوں نے ہر طرف سے ہجوم کر کے راہ رسد بند کر دی اور شاہی لشکر میں کمیابی سے یہ نوبت پہونچی کہ خود محمد اعظم شاہ اور تمام فوجی افسرون کے دل لڑائی سے اکتا گئے۔ اور بد دل ہو کر واپس آنے کا ارادہ کیا۔ لیکن بہادر جانی بیگم نے اس تجویز کو نہایت حقارت کی نظروں سے دیکھا اور خود ایک بڑے ہاتھی پر سوار ہو کر لشکر غنیم کیطرف بڑھی۔ جانی بیگم تیر اندازی پر قادر تھی اور اس فن خاص میں اُسے کمال تھا کہ اوسکا کوئی نشانہ کبھی خطا نہ کرتا تھا۔ فوج دشمن کے مقابل ہوتے ہی اُس نے تیروں کا مینہ برسانا شروع کر دیا اور ادھر سے اپنے باڈی گارڈ کے جانباز

سواروں کو دفعتہً پل پڑنے کا حکم دیا جس سے حریف کے لشکر میں ابتری اور بے ترتیبی پھیل گئی اور انتہا سے زیادہ جانوں کا نقصان ہوا +

شہنشاہ عالمگیر کو دکن کی خشک سالی اور رسد بند ہونے کی اطلاع ہوئی تو اسنے غازی الدین خان بہادر فیروز جنگ کی ماتحتی میں فوج کا ایک بڑا سفاک خونخوار دستہ دیکر شہزادہ محمد اعظم کیطرف روانہ کیا۔ اور مجاہد خان اور تیر انداز خان اور خنجر خان جو بڑے نامور اور مشہور افسر تھے۔ غازی الدین کی سرکردگی میں تعینات کرکے حکم دیا کہ جہانتک بن پڑے جلد لشکر میں پہونچیں اور رسد غلہ کے فراہم کرنے اور شاہی فوج تک پہونچانے میں نہایت سرگرمی اور مستعدی کے ساتھ کوشش کریں غازی الدین خان اپنے ہمراہیوں سمیت بڑی تیزی کے ساتھ بڑھا اور انیس ۱۹ بیس ۲۰ ہزار اونٹوں پر غلہ لاد کر لیچلا۔ پرگنہ اِبندی کے قریب پہونچا جو بیجاپور سے تخمیناً سولہ کوس ورے ہے تو سرداران بیجاپور نے کئی ہزار فوج شہزادہ محمد اعظم شاہ کے محاصرہ پر متعین کی اور پچاس ہزار سوار دو ۲ لاکھ کرناٹکی جنگی پیادے ساتھ لیکر غازی الدین خان بہادر کیطرف رخ کیا جانی بیگم لشکر سمیت اگرچہ محاصرہ میں آ پکی تھی مگر توبھی انتہا درجہ کی دلیری کے ساتھ حریف کی فوج کو کاٹ کاٹ جواب دینے میں کمی نہ کرتی تھی اور گاہ بیگاہ فوج مقابل پر چھاپہ مارتی۔ ایکدفعہ کا ذکر ہے کہ جانی بیگم دو ۲ ہزار سوار ساتھ لیکر شب کے دو بجے اپنے لشکر سے نکلی اور غنیم کی فوج پر اسوقت غفلت کی نیند میں پڑی سوتی تھی۔ بڑی دلیری سے چھاپہ مارا مقتولوں کی پر رعب اور دردناک آوازوں سے سارا لشکر بیدار ہوگیا اور مسلح ہوکر جانی بیگم کے مقابلہ میں آ کھڑا ہوا اگرچہ جانی بیگم کی فوج ان کے مقابلہ میں کچھ بھی نہ تھی۔ تاہم اُس نے بڑے استقلال کیسا مقابلہ کیا اور جس جانبازی کے ساتھ مقابلہ کیا اسکی نظیر تاریخ جنگ میں بہت مشکل سے ملسکتی ہے۔ الغرض سخت معرکہ ہوا اور ساری رات لڑائی رہی +

دکھنی فوج موروملخ کیطرح اُمنڈ کر غازی الدین خان کے مقابلہ میں پہونچی اور

دفعتہً طبل جنگ کی مہیب آواز نے سب کو چونکا دیا دونوں فوجیں صف بستہ ہوئیں اور جانبین سے آتشبار آلات داغے جانے لگے۔ پرگنہ اینڈی کے وسیع جنگل میں جہاں تک نظر کام کرتی تھی ہندوستان کی بجلیوں کی چمک اور سوار پیادوں کے ہجوم کے سوا اور کوئی چیز نظر نہیں آتی تھی اور تمام جنگل فوج سے بھرا ہوا تھا۔ اگرچہ دکھنی فوج کی کثرت کیوجہ سے جس کے مقابلہ میں فوج شاہی دسواں حصہ بھی نہ تھی لشکر شاہی میں اس وجہ تزلزل پڑا اکثر بہادروں کے حوصلے پست ہوگئے اور انہوں نے بالکل ہمت ہاردی مگر بہادر سپاہیوں یعنی غازی الدین خان فیروز جنگ اور مجاہد خان بہادر نے جو حقیقی برادر اور مشہور نامور شجاع تھے۔ دشمن کی کثرت فوج کی مطلقاً پروانہ کی اور خدا کا نام لیکر نہایت جرأت و دلیری کے ساتھ گھوڑوں کو اٹھایا لشکر کی تسلی و دلجوئی کر کے آگے بڑھے اور ایسا سخت معرکہ اور ایسا جانستان محاربہ کبھی دیکھا نہ ہوگا۔ جانبین سے آتش جنگ نہایت تیزی کے ساتھ مشتعل ہوئی اور پرگنہ اینڈی کی وسیع و فراخ صحرا بہادروں کے خون سے سرخ ہوگئی۔ بہادران مغلیہ کو بجز اسکے کوئی صورت مفر ہی نہ تھی کہ دشمنوں سے لڑیں اور جانیں دیں انہیں ابتدا ہی سے اس امر کا یقین کامل تھا کہ سوائے جانفشانی کے اس میدان سے جانبر ہونا نہایت دشوار اور سخت مشکل ہے ✤

غازی الدین احمد خان اور اسکا بھائی مجاہد خان اپنے ہمراہیوں کو ساتھ لیکر فوج غنیم میں بے دھڑک گھس گئے۔ اور اپنی فطری شجاعت کے خوب ہی جوہر دکھائے بہادروں کی تلواروں کی چمک سے آنکھوں میں خیرگی پیدا ہوگئی۔ اور کھیرے لکڑی کی طرح کٹنے لگے۔ ہر طرف سے خون کا دریا جاری تھا۔ اور دلاوروں کے سر ہر چہار طرف گرتے نظر آتے تھے

بلیت بر انگیخت رزمے چو بارندہ میغ ✤ تگرگ از پیکان و باران زتیغ ✤ آخرکار بہادروں کے متواتر اور پے در پے حملوں نے دکھنیوں کا حوصلہ پست کر دیا اور ان کی صفیں کی صفیں الٹ دیں خاصکر فیروز جنگ کے برادر مجاہد خان بہادر نے اس صف کارزار میں

شجاعت کے وہ جوہر دکھائے جو ابتک تاریخی صفحات میں جلی حرفون میں نظر آتے ہیں۔ اُسکے رستمانہ حملوں سے دشمنوں کی جماعت میں ایسی ابتری پھیلی کہ پھر ہزار کوشش کے بعد بھی نہ سنبھل سکی۔ اسمیں دکھنی فوج بہت قتل ہوگئی اور بقیۃ السیف کے قدم میدان جنگ سے اکھڑ گئے۔ غازی الدین خان اور مجاہد خان صف مقابل کو درہم برہم کرتے ہوئے بغیر کسی آفت کے شہزادہ محمد اعظم کے لشکر تک پہونچگئے اور جس قدر سامان رسد ساتھ لائے تے شہزادہ کے حوالہ کیا +

یہان عالی حوصلہ اور بہادر دل جانی بیگم کی قابل تعریف جانفشانیون اور حُسن تدبیر سے محاصرہ اُٹھ گیا اور اسنے فوج حریف کو وہ پے در پے زکین دین کہ پھر انھیں مقابلہ میں آنا نصیب نہیں ہوا۔ شہنشاہ عالمگیر کے عہد سلطنت کا یہ ایک نہایت مشہور اور یادگار واقعہ گنا جاتا ہے کہ اسکی جان نثاری اور بہی خواہ بہو جانی بیگم اور اسکے بہادر افسرون نے متعدد پرخطر لڑائیون اور جانکاہ معرکون کے بعد دکھنیون کو شکست فاش دی۔ اور قلعہ بیجاپور پر فتح کے پھریرے اُڑائے +

شہزادہ محمد اعظم شاہ نے ایسے خطرناک محاصرہ سے نجات پائی تو جانی بیگم کا نہایت زرین لفظوں میں شکریہ ادا کیا۔ اور اسکی فطری شجاعت ذاتی بہادری کی بہت کچھ تعریف کی۔ غازی الدین خان بہادر کو ایک بے اختیارانہ جوش کیساتھ سینہ سے لگالیا اور طرح طرح کی عنایت اور رعایت کیساتھ مفتخر کیا۔ لشکر کی خوشی و مبارکی کے پرجوش نعرون سے سارا میدان گونج اٹھا۔ فتح کے شادیانے جابجا بجنے لگے اور قلعہ بیجاپور میں تمام فوجی افسرون نے عام طور پر خوشی منائی شہنشاہ عالمگیر کو ہر واقعہ کی برابر خبر پہونچتی تھی اور وہ قلعہ بیجاپور کے معاملات متعلق ہر وقت کان لگائے ہوئے تہا۔ غازی الدین خان اور مجاہد خان کی اِن

جانفشانیون اور بے جگریون کی خبر پہونچی تو اُسنے ان کی مناصب اور عہدونمیں اضافہ کرکے اور دیگر عنایات شاہی سے مالا مال کرکے فرمایا کہ "جسطرح خدا تعالیٰ نے فیروز جنگ اور اسکے بھائی مجاہد خان کے ذریعہ سے اولاد تیموریہ کی شرم نگاہ رکھی اسیطرح اسکی اولاد کی آبرو و عزت زمانہ قیامت تک محفوظ رکھے"

اسکے بعد شہنشاہ عالمگیر نے اپنی چہیتی اور عزیز بہو کی قابل تعریف جانبازی کی داد دی۔ اور خوشنودی کا ایک خط تحریر فرمایا۔ جسکا مضمون یہ تھا۔

"برخوردار من! اتم نے جو جانفشانی اس مہم میں دکھائی ما بدولت پر مخفی نہیں میں اِس خط کے ذریعہ سے اپنی پوری خوشنودی کا اظہار نہیں کرسکتا۔ خدا تم کو مع الخیر واپس لائے اور تمہیں دیکھکر میری آنکھیں ٹھنڈی ہون فقط" +

رانی جودہ بائی

یہ نازک اندام پری تمثال رانی راجہ اودے سنگہ والئی جودہ پور کی لڑکی ہے جسکے حسن و خوبی کا بلند آوازہ بہت مشہور تھا۔ اور جسکی بذلہ سنجی اور لطیفہ گوئی کا چرچا لوگون کی زبان پر جاری تھا۔ اسکی دلفریب صورت اور جان آشوب حُسن نے اکثر حکمرانون کو اپنا گرویدہ کرلیا تھا۔ مگر چونکہ روز ازل سے اسکی قسمت میں ایک عظیم الشان اور باجاہ و جلال بادشاہ کی بیوی بننا لکھا تھا۔ اسلیئے اُسنے کسی راجہ اور بااختیار حکمران کو نظر انتخاب سے نہیں دیکھا اور بڑے سے بڑے باقتدار شخص کو بھی اپنا شوہر بنانا پسند نہیں کیا +

رانی جودہ بائی ہمیشہ آزادانہ زندگی بسر کیا کرتی تھی اور اکثر معرکون میں شریک ہوکر اپنی فطری شجاعت کے جوہر دکھایا کرتی تھی۔ اسکی آزاد پسند طبیعت دیگر رانیونکیطرح

زیب و زینت کے سازو سامان کیطرف کبھی مائل نہیں ہوئی اور گوشہ نشینی کی بیجا قید کو ہمیشہ نظر حقارت سے دیکھتی رہی یہی وجہ تھی کہ وہ اکثر اوقات گھوڑے پر سوار ہوکر باغون اور جنگلون مین تفریحاً گشت لگایا کرتی۔ اور جب کبھی موقع پڑتا تو مردون کی طرح مسلح ہوکر میدان کارزار مین اپنی فوجی جمعیت مین دلیرانہ صف آرا ہوتی۔ راجہ اودے سنگھ جو اسکو دل سے چاہتا تھا اور دنیا کی ہر چیز سے زیادہ عزیز رکھتا تھا۔ ہمیشہ اسکی دلجوئی مین مصروف رہتا تھا۔ اور کبھی کوئی ایسی بات منہ سے نکالنا یا کان سے سننا پسند نہین کرتا تھا۔ جو اسکے آزادانہ خیالات کی سدراہ ہو۔ بلکہ اسکی اِس بے قید زندگی اور مردانہ سیرتی سے بہت خوش ہوتا تھا اور محل کی رانیون کو عام حکم تھا کہ کوئی متنفس اسکے آزادانہ خیالات مین خلل انداز نہ ہو۔ اور جودہ کرے اسے نظر حقارت سے نہ دیکھا جائے +

رانی جودہ بائی بڑی دلیر اور شجاع عورت تھی۔ اسکی زندگی کے سبسے بڑے واقعات یہی شجاعت کے کارنامے ہین جو تاریخون مین مذکور ہین جس زمانہ مین نورالدین محمد جہانگیر بادشاہ کے متواتر اور پے در پے حملون نے جودہ پور مین تزلزل عام ڈال رکھا تھا رانی جودہ بائی ہی اپنی صائب تدبیرون سے اسکے زبردست حملونکو برابر روک رہی تھی۔ اِس نے اِن معرکون مین وہ کارنمایان دکھائے کہ اور تو اور خود شہنشاہ جہانگیر کو تعجب ہوگیا اور اسکی بے مثال شجاعت اور لاجواب دلیری کی بہت داد دی۔ انجام کار جودہ پور فتح ہوگیا۔ اور اسکے اونچے اونچے قلعون اور بلند مقامات کی چوٹیون پر اسلامی پھریرے اُڑنے لگے۔ راجہ اودے سنگھ نے اپنے خاندان کی ننگ و عزت محفوظ رکھنے کی غرض سے بادشاہ کی اطاعت پر سر تسلیم خم کردیا۔ اور ریاست سے دست کشی کرکے باجگذاری اختیار کی۔ رانی جودہ بائی کو بادشاہ کی خوشنودی کے لیئے ۔ ۔ ۔ نذر کردیا۔ اور خود ہاتھ باندہکر تخت شاہی کے سامنے آکھڑا ہوا۔ بادشاہ بعد فتح دہلی مین واپس آیا۔ اور رانی جودہ بائی کو حرم سرائے شاہی مین داخل کیا"

اگرچہ ابتدا میں چند روز تک رانی جودہ بائی اختلاف مذہب اور صحبت ناجنسی کی وجہ سے متوحش اور سخت پریشان رہی مگر پھر رفتہ رفتہ مانوس ہوگئی۔ بادشاہ اسکے حسن صورت پر پہلے ہی سے فریفتہ تھا۔ لیکن اب اسکی حسن لیاقت اور خداداد قابلیت پر اور بھی دیوانہ ہوگیا۔ اور رانی جودہ بائی نے اپنی قابلیت سے اسکے دل پر پورا قبضہ کرلیا۔ یہی وجہ تھی کہ بادشاہ اس کو بہت دوست رکھتا تھا اور اگرچہ اسکے محل مین چار بیگمیں اور بھی تھین جو حُسن صورت اور معنوی لیاقت مین لاجواب اور شہرۂ آفاق تھین۔ مگر بادشاہ کو جو دلی محبت اسکے ساتھ تھی وہ اورون سے نہ تھی۔ رانی جودہ بائی علاوہ حُسن عالمگیر کے شریفانہ اخلاق اور کریمانہ عادات رکھتی تھی اور یہی سبب تھا کہ محل کی تمام بیگمات اس سے خوش تھین۔ اور ہمیشہ اسکی دلجوئی اور خوشنودی مین مصروف رہتی تھیں۔ وہ ہر بیگم سے خواہ کسی رتبے کی ہوتی بمدارات پیش آتی اور ہمیشہ سب سے متواضعانہ اخلاق اور منکسر المزاجی برتتی تھی۔ لطیفہ گوئی اور حاضر جوابی میں اور بیگمات بھی مشہور تھیں۔ مگر اسکی بذلہ سنجی اور حاضر جوابی کو کوئی بیگم نہ پہونچ سکتی تھی۔ جو بات کہتی تھی مذاق سے خالی نہ ہوتی تھی۔ اور جو فقرہ منہ سے نکالتی تھی اُس سے ایک نیا لطف پیدا ہوتا تھا۔ جہانگیر جیسا طباع بادشاہ اسکی بات بات سے مزہ لیتا اور فقرے پر پھڑک اُٹھتا تھا۔

نورجہان بیگم جو جہانگیر کی بڑی چہیتی اور پیاری بیگم تھی۔ اگرچہ طباعی اور بذلہ سنجی مین شہرۂ آفاق تھی اور اسی وجہ سے اکثر رانی جودہ بائی سے اسکی نوک جھوک اور چھیڑ چھاڑ رہا کرتی تھی مگر اوسے کبھی ایسا موقع ہی نہین ملا جس مین اسنے رانی جودہ بائی کو زک دی ہو حالانکہ وہ اسپر انتہا سے زیادہ حریص تھی۔ چنانچہ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ نورجہان نے رانی جودہ بائی کو زک دینے۔ اور بادشاہ کی نظرون مین خفیف کرنے کی غرض سے بادشاہ سے کہا۔ کہ "آپ کے منہ مین تو بو آتی ہے"۔ بادشاہ نے رانی جودہ بائی سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ کیا یہ سچ ہے کہ میرے منہ مین سے بو آتی ہے"۔ جودہ بائی نے نہایت برجستہ لہجہ مین کہا "بھلا حضور! جس عورت نے صرف ایک ہی مرد کا منہ سونگھا ہو وہ بیچاری

خوشبو اور بدبو مین کسطرح تمیز کر سکتی ہے۔ اور کیونکر بتا سکتی ہے کہ اُس کے منہ میں بُو آتی ہے؟" نور جہان یہ برجستہ اور چبھتا ہوا فقرہ سُنکر اپنا سا منہ لیکر رہ گئی اور جہانگیر بات کی تہ کو پہونچکر بھڑک اُٹھا۔

ایک اور دفعہ کا ذکر ہے کہ جہانگیر محلسرائے مین رونق افروز تھا اور نورجہان اور جودہ بائی پاس موجود تھین۔ جہانگیر نے جودہ بائی سے پانی مانگا تو وہ ایک چھوٹے گلاس مین بھر کر لے گئی۔ اور جب نورجہان نے اسکا سبب دریافت کیا تو مسکرا کر بولی کہ حضرت کو چھوٹے ہی برتن پسند ہیں۔ اِس جواب پر بادشاہ ہنستے ہنستے لوٹنے لگا۔ اور نورجہان پانی پانی ہو گئی ایک مرتبہ نورجہان نے جودہ بائی پر طنز کرکے نہایت حقارت آمیز لہجہ مین جہانگیر سے کہا کہ "حضور یہ گنواری عورت رنگین کپڑے پہنے رہتی ہے۔ ہم نے سفید پوشاک جو شریفون کا عمدہ پہناوا ہے کبھی اسکے جسم پر نہیں دیکھی۔ جودہ بائی نے فوراً جواب دیا کہ" سہاگن عورت تو رنگین ہی کپڑے پہنا کرتی ہے بیوہ چاہے تو سفید پہنے"

یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دن جہانگیر بادشاہ جودہ بائی کی عقل و فہم کی تعریف کر رہا تھا اور اسکی طباعی کی مثالیں عمدہ پیرایہ مین ذکر کرتا تھا۔ اِس سے نورجہان اور نہ صرف نورجہان بلکہ سب بیگمون کے جسم مین آتش رشک بھڑک اُٹھی اور اونھون نے چین بجبیں ہو کر کہا کہ حضور کو ایک گنواری اور دہقانی عورت کی اس قدر تعریف کرنی زیبا نہین بادشاہ نے فرمایا کہ مین جھوٹی اور خوشامدی تعریف نہین کرتا۔ واقع مین وہ نہایت عقلمند اور محتاط اور ذیشعور ہے اگر تمہیں باور نہ ہو تو آج ہی اسکا امتحان کر لو۔ سب بیگمون نے ملکر عرض کیا کہ بیشک ہم اسکا امتحان کرنا چاہتے ہین۔ اور ساتھ ہی یہ بھی چاہتے ہین کہ اُسکے ساتھ ہمارا بھی امتحان ہو بادشاہ نے تھوڑے عرصہ کے بعد ایک ایک انار اور سات سات سو سپاریان ہر بیگم کو دین اور بیگمات تو لیکر خاموش ہو رہین مگر جودہ بائی بادشاہ کے کمرہ مین جاکر سو رہی اور بولی کہ واہ حضور نے کیا خوب ڈھنگ رچا دیا ہے

بادشاہ نے اور بیگمو نکیطرف آنکھ اٹھا کر دیکھا۔ اور انہون نے شرما کر آنکھین نیچی کرلین +

اسکے بعد پھر ایکدن نورجہان کو شرارت سوجھی اور اسنے جودہ بائی کو الزام دینے کیغرض سے بادشاہ سے کہا کہ جودہ بائی رسوئی خوب پکاتی ہے بادشاہ نے فوراً ارشاد کیا کہ جودہ بائی آج تم اپنے طریق سے رسوئی کا اہتمام کرو اور اپنے ہی ہاتھ سے پکاؤ تو ہم کھائین جودہ بائی نے عرض کیا کہ بہت اچھا۔ یہ کہکر رسوئی تیار کی۔ لیکن کھلانے سے پیشتر نمک مرچ کا ذائقہ چکھ لیا۔ نورجہان جو اس موقع کی منتظر بیٹھی تھی۔ اور اسی پر گرفت کرنے اور الزام دینے کے لیئے اس امر کی محرک تھی۔ بیساختہ بول اٹھی کہ اوہو اوسنے تو رسوئی جھوٹی کردی۔ ہندؤن مین یہ دستور کہان ہے کہ عورت شوہر کو کھانا کھلائے بغیر رسوئی جھوٹی کردے جودہ بائی نے نہایت دلیری کے ساتھ جواب دیا کہ جب شوہر کو جھوٹی ہی پسند ہو تو مین کیا کرون جہانگیر اس لطیفہ سے بے حد خوش ہوا۔ اور نورجہان عرق خجالت مین غرق ہوگئی +

یہ لطیفے اگرچہ مین نے ایک معتبر کتاب سے نقل کیئے ہین۔ مگر تاریخ کی کسی معتبر کتاب مین میری نظر سے نہیں گزرے۔ لہذا مین اپنے معزز ناظرین سے معذرت کرتا ہون کہ وہ مجھے غلط نویسی کا الزام نہ دین " +

حمیدہ بانو بیگم

حسن وجمال مین لاثانی اور عدیم المثال بیگم نصیر الدین محمد ہمایون بادشاہ ابن ظہیر الدین محمد بابر شاہ سلطان ہند کی عزیز و پیاری بی بی تھی۔ جو حسن و خوبصورتی کے علاوہ عقل و دانش کے زیور سے آراستہ و پیراستہ تھی جس زمانہ مین سلطنت دہلی کا انتقال خاندان افاغنہ مین ہوا۔ اور چند روز کے لیئے تخت دہلی ہمایون شاہ کے ہاتھ سے نکلکر فریدخان کے قبضہ مین گیا اسوقت حمیدہ بانو بیگم سے وہ کار نمایان ظہور مین آئے جو تاریخ مین ممتاز

حرفون سے لکھے نظر آتے ہین۔ یہ حمیدہ بانو بیگم ہی کے فکر صائب اور ذہانت رائے کا نتیجہ تھا جو ہمایون شاہ دوبارہ تخت ہند پر جلوہ فرما ہوا۔

اسکی مختصر کیفیت یہ ہے کہ جب بابر شاہ تخت دہلی کو زینت و رونق دیکر راہگزائے سفر آخرت ہوا تو اسکے بعد ہمایون شاہ سریر آرائے سلطنت ہوا۔ ابھی دس سال حکمرانی کرنے پایا تھا کہ فلک نیرنگ ساز نے ایک اور نیا رنگ جمایا۔ یعنے فرید خان جو قبیلۂ سور اور سہسرام جاگیردار کا بیٹا تھا۔ فوج عظیم لیکر دہلی پر چڑھ آیا۔ یہ شخص چونکہ فطری بہادر تھا اور مردانگی شجاعت کا بے مثل جوہر رکہتا تھا اسلیئے حکام بنگالہ مین امتیاز یہ نظرون سے دیکھا جاتا تھا۔ اسنے بوجہ مردانگی اور ذاتی لیاقت کے حکام بنگالہ کی خوب ہی خدمت کی اور بہت کچھ اعزاز حاصل کیا تھا۔ رفتہ رفتہ قوت بڑھا کر اڑیسہ اور بنگالہ کا حاکم بنگیا اور اپنی شجاعت و بہادری کے زور پر بنگالہ کے تمام حکمرانون اور صوبہ دارون کو مطیع کر لیا۔ جب فوجی قوت اطمینان کے قابل ہوگئی تو ہمایون پر حملہ آور ہوا۔ اور دو لڑائیون مین شکست پائی مگر چونکہ اقبال یاور اور بخت مددگار تھا ۹۴۷ھ ہجری مین تیسری بار صف آرا ہوا۔ اور بخت و اتفاق کی یاوری سے ہمایون پر فتح یاب ہو کر تخت دہلی پر جلوس کیا۔ اور اب بجائے فرید خان کے شیر شاہ کے لقب سے مشہور ہوا۔ اس خاندان مین سولہ برس سلطنت رہی اور چار بادشاہ یکے بعد دیگرے تخت نشین ہوئے۔ اس خاندان کا آخری بادشاہ سلطان محمد عادل خان ہوا جو شیر شاہ کا بھتیجا اور بڑا دلیر و جری آدمی تھا۔ اسکے عہد مین ہمایون شاہ نے دوبارہ ہندوستان پر قبضہ کیا۔ اور اپنی گئی ہوئی حکومت و عزت کو حاصل کیا۔ موفین کا بیان ہے کہ یہ سب کارنمایان حمیدہ بانو بیگم سے تھے۔ جسنے اپنی صائب تدبیرون اور قابل تعریف کوششون سے بادشاہ کو سولہ برس کے بعد ۹۶۲ھ ہجری مین تخت دہلی پر بٹھایا +

حمیدہ بانو بیگم جو بعد کو مریم مکانی کے خطاب سے مشہور ہوئی علاوہ اس کے کہ ایک بڑے مقتدر شہنشاہ کی ممتاز بیگم تھی شرافت و نجابت کے لحاظ سے اعلی درجہ

کی خاتون تھی۔ اسکا نسب شریف چند واسطون سے جناب ولایت مآب شیخ احمد جام ملقب بہ زندہ پیل تک پہونچتا ہے۔ اور اسکے نجیب الطرفین ہونے کا تمام موفین کو اعتراف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسکے شریفانہ اخلاق اور کریمانہ عادات کی نظیر خاندانِ تیموریہ کی مشاہیر بیگمات کے سلسلہ مین کہیں نہیں ملتی۔ اسکی نیکدلی اور عام فیاضی کی حکایتین بڑی دلچسپی کے ساتھ لوگون میں مشہور ہین۔ اور سخاوت و دریادلی کے خوش آیندہ اور مسرت کن ترانے مورخون کی زبان پر جاری ہیں۔ حمیدہ بانو بیگم دنیاوی جاہ وحشم کے لحاظ سے بڑی خوش قسمت اور نصیبہ ور خاتون تھی۔ اس سے بڑھکر خوش قسمتی اور کیا ہوگی کہ ایک طرف وہ شہنشاہ ہمایون کی عزیز دمساز بیگم اور دوسری طرف شہنشاہ جلال الدین محمد اکبر بادشاہ کی مان تھی +

جلال الدین محمد اکبر بادشاہ پانچوین رجب ۹۴۹ھ ہجری شب یکشنبہ کو محترم حمیدہ بانو بیگم کے بطن سے امرکوٹ کے قلعہ مین پیدا ہوا اور اُس مصیبت کے زمانہ مین پیدا ہوا جبکہ ہمایون شاہ امرکوٹ کے واقعہ مین شکست کھاکر اہل وعیال کو قلعہ مین چھوڑکر چلا گیا تھا پیچھے اکبر شاہ پیدا ہوا اور اس خوش قسمت لڑکے کے پیدا ہوتے ہی ہمایون کی شامِ عسرت صبح عشرت سے بدل گئی۔ گویا اس تاریخ سے ہمایون شاہ کے اقبال کا ستارہ اوج فلک پر چمکنا شروع ہوا۔ اور اسنے بہت تھوڑے عرصہ مین دشمنونکو مغلوب کرکے تخت دہلی کو زینت بخشی اس سے معززہ ومحترم حمیدہ بانو بیگم کی قدر وقعت اور بھی بڑھ گئی اور اب اُس نے بادشاہ کے دل پر قبضہ کرلیا۔

اکبر کے پیدا ہونے پر ہمایون شاہ نے عام خوشی منائی اور چونکہ طبیعت موزون رکھتا تھا۔ ذیل کے اشعار نہایت برجستگی کے لہجہ مین پڑھے جن سے اسکی تاریخ ولادت کیطرف بھی اشارہ ہوتا ہے ؎ للہ الحمد کہ آمد بوجود + آنکہ از کون ومکان منتخب است + بادشاہے کہ زشاہان جہان + اکبرش نام وجلالش لقب است + شب دروز دوسہ وسال میلاد +

شب یکشنبہ و پنج رجب است ۔ ہمایون شاہ جب اکبر کو دیکہتا تو بہت خوش ہوتا اور اس کی
فراخ اور نصیبہ ور پیشانی سے تفاول نیک لیکر کہتا کہ عنقریب ایک وہ زمانہ آنے والا ہے کہ یہی
ہلال نو فلک مین بدر کامل ہو کر چمکے گا ۔ اور دنیا کے تمام جاہ و حشم اسکے قدمون کو بوسہ دینگے
لیکن افسوس اسکی اس خوشی کا بہت جلد خاتمہ ہوگیا۔ اور ابہی اکبر نے عمر کے بارہ مرحلے طے
کرکے تیرہوین مین قدم رکہا تہا کہ ہمایون کی زندگی کا پیمانہ لبریز ہو کر چہلک گیا یعنی ۹۶۳ھ
ہجری مین اس سرائے فانی سے روضۂ جاودانی مین جلوہ آرا ہوا۔

حمیدہ بانو بیگم کی آنکھون مین اگرچہ شوہر کے انتقال سے دنیا اندھیر ہوگئی تہی مگر اس کی
تسلی اور دلجوئی کے لیئے اکبر جیسا بیٹا کافی تہا وہ بیشک اپنی بیوگی پر خون کے آنسو روتی۔
اگر اکبر سا فرزند اسکے آغوش محبت مین نہ ہوتا۔ اکبر نے تخت نشین ہوتے ہی ماں کی اس
درجہ خدمت و مدارات کی کہ وہ چند ہی روز مین شوہر کے غم کو بہول گئی اور نہایت فارغ
البالی اور آزادی کے ساتھ ایک عرصہ تک زندگی بسر کرتی رہی ۔

حمیدہ بانو بیگم کی طبیعت نہایت موزون واقع ہوئی تہی اور وہ فارسی مین بہت ہی برجستہ
اور عمدہ شعر کہتی تہی ۔ چنانچہ جس زمانہ مین ہمایون بادشاہ سے بیرم خان کو قلعہ قندھار کی حفاظت
و نگرانی پر تعینات کرنے کے بعد کابل پر دوبارہ چڑھائی کرکے فتح کیا تو ذیل کی چند بیتین حمیدہ
بانو بیگم نے بادشاہ کیطرف سے بیرم خان وزیر السلطنۃ کو لکہین جنسے اوسکی زور طبیعت اور
عالی دماغی کی شہادت بہت کچھ ملتی ہے ۔ ابیات باز فتح ز غیب روے نمود ۔ کہ
دل دوستاں ازاں بکشود ۔ شکر للہ کہ باز شادانیم ۔ بیرخ یار دو دست غندانیم ۔
دوستاں را بکام دل دیدم ۔ میوہ باغ فتح راچیدیم ۔ روز نوروز بیرم ست امروز ۔
دل احباب بیغم است امروز ۔ شاد بادا ہمیشہ خاطر یار ۔ غم نگر دد بجز دیار رو دیار ۔
ہمہ اسباب عیش آمادہ ست ۔ دل بفکر وصالت افتادہ ست ۔ گوش خرم شود ز گفتارت ۔
دیدہ روشن شود ز دیدارت ۔ بعد ازین فکر کار ہند کنیم ۔ عزم تسخیر ملک سند کنیم ۔

ان ابیات سے جس قسم کی برجستگی اور شیوا بیانی معلوم ہوتی ہے۔ وہ حمیدہ بانو بیگم کی حسن لیاقت وقابلیت کی صریح دلیل ہے۔ مگر بعض مورخون کا بیان ہے کہ یہ اشعار ہمایون بادشاہ کے زود قلم سے نکلے ہوئے ہین۔ کیونکہ اس سفر مین حمیدہ بانو بیگم بادشاہ کے ساتھ نہ تھی بلکہ ہندوستان کے مستقر الخلافۃ آگرہ مین موجود تھی۔

حمیدہ بانو بیگم شوہر کے انتقال کے بعد انسٹھہ برس تک زندہ رہی اور نہایت کامیابی اور نیکنامی کے ساتھ زندہ رہی آخر کار ۱۰۱۲ھ ہجری مین سفر آخرت کیا۔ اسوقت شہنشاہ جلال الدین محمد اکبر۔ جہانگیر کی اصلاح کیغرض سے الہ آباد روانہ ہوچکا تھا۔ نصف رستہ طے کیا تھا کہ مریم مکانی کے اشتداد مرض کی خبر پہونچی۔ شہنشاہ نے خود تو وہین قیام کیا اور شہزادۂ بلنداقبال سلطان خرم ابن جہانگیر کو جو اپنی بزرگوار اور محترم دادی کی استرضا اور دلجوئی مین انتہا سے زیادہ کوشش کیا کرتا تھا۔ حکم دیا کہ فوراً دارالخلافہ کی جانب لوٹ جائے۔ سلطان خرم جدہ بزرگوار کی مزید علالت کی خبر سُنکر بیتاب ہوگیا اور فوراً واپس آنے کا ارادہ کیا۔ شہنشاہ اکبر نے چلتے وقت فرزند ارجمند کو تاکید کی کہ جب تم اپنی بزرگ دادی کی سعادت عیادت حاصل کرچکو تو مرض کی واقعی کیفیت دریافت کرکے بہت جلد واپس آجاؤ تاکہ مجھے زیادہ انتظار نہ کرنا پڑے۔ سلطان خرم نہایت عجلت کے ساتھ آگرہ کی طرف بڑھا اور مریم مکانی کی خدمت مین پہونچکر احوال دریافت کرنے کے بعد جدۂ مکرمہ سے اجازت لیکر شہنشاہ کیخدمت مین حاضر ہوا اور عرض کیا کہ اگر حضور دیدار آخری کا ثواب حاصل کرنا چاہتے اور حضرت مریم مکانی کی خوشنودی کے طالب ہین تو صلاح نیک اور فلاح دارین اسین ہے کہ فوراً جناب واپس تشریف لیچلین اور والدہ محترمہ کے سرہانے حاضر ہون۔ شہنشاہ اکبر شہر مین واپس آیا۔ اور والدہ ماجدہ کے دیدار دم واپسین کی سعادت حاصل کی۔ اتفاق سے اسی روز اس مرحومہ کا واقعہ ہوگیا۔ بادشاہ نے انتہائے غم مین سر اور ڈاڑھی اور مونچھون کا صفایا کراڈالا اور ماتمی لباس پہنکر دو روز تک نوحہ وبکا مین مصروف رہا۔ تیسرے روز تبدیل لباس کیا

اور جن امرا رعایا نے اس رسم مین بادشاہ کی تقلید کی تھی سب کو ملے قدر مراتب خلعت فاخرہ سے سرفراز فرمایا۔ شہزادہ سلیم یعنے جہانگیر کو اس ہولناک خبر کے سننے سے سخت ملال ہوا۔ اور رسم تعزیت کی شہرت دیکر فوراً اکبرآباد مین حاضر ہوا +

حاجی بیگم

یہ حسینہ اور پر یجمال خاتون بھی ہمایون بادشاہ کی دوسری بیگم ہے جسکی جیتی جاگتی یادگار شہر دہلی سے ساڑھے تین میل کے فاصلے پر بجانب جنوب عرب سرائے کے متصل اب تک کھڑی ہے۔ اور اپنے بانی کی یادگار دے رہی ہے۔ اس اولوالعزم اور حوصلہ مند بیگم نے اپنے شوہر کے انتقال کے بعد ایک نہایت عالیشان اور خوبصورت عمارت بنائی جو مقبرہ ہمایون کے نام سے مشہور ہے۔ اس مقبرہ کی تیاری ۹۷۳ھ ہجری مین بیگم مذکور کی ہمت وسعی سے شروع ہوئی اور ۱۶ سولہ برس کے عرصہ مین شہنشاہ جلال الدین اکبر بادشاہ کی امداد سے پندرہ لاکھ روپیہ کی لاگت سے اختتام کو پہونچی +

اس مقبرہ کی عمارت ایسی دلفریب اور خوبصورت ہے کہ روئے زمین پر اپنا نظیر نہین رکھتی۔ سنگ سرخ اور سنگ مرمر سے ملاکر اسکی عمارت بنائی گئی ہے اسکا احاطہ جس کے گرد لمبی لمبی دیوارین ہین ۳۰۰ گز مربع سے اوپر ہے اور دو بڑے دروازے اندر جانیکے لیئے ہین۔ ایک جنوب کیطرف دوسرا مغرب کی جانب اسیطرف کے دروازے مین چند مکان بنے ہوئے جو لطافت و دلکشائی مین بے مثل ہین۔ دروازہ مین ہر مکان کے اندر جانے کا جداگانہ راستہ ہے اور نہایت خوبصورت سیڑھیان بنی ہوئی ہین جنوبی دروازہ مین اگرچہ مکانات نہین ہین۔ لیکن دروازے کے گرد دمدمون کے بنے اور چبوترہ کے ہونے سے عجیب نمود اور شان نکل آئی ہے۔ دروازے سنگ سرخ اور سنگ رخام

سے بنے ہوئے ہین لیکن سنگ رخام ایسا خوش رنگ دو دیا لگایا گیا ہے کہ دور سے بالکل ایسا نظر آتا ہے کہ سنگ سرخ مین سنگ مرمر بچھا کر دیا گیا ہے۔ مقبرہ کی فصیل چونہ اور پتھر سے بنی ہوئی ہے۔

مقبرہ کے گرد نہایت پر فضا اور وسیع باغ ہے جسکو اب بہت ترقی دیدیگئی ہے باہر سے یہ عمارت ہشت گوشہ نظر آتی ہے۔ جس کے چار اطراف تو طویل ہین اور چار چھوٹے مختصر والے ایک ایسا مربع کیئے جسکے چار گوشے کٹے ہوئے ہین۔ اسکا گنبد سنگ مرمر کا بنا ہوا ہے۔ اور ایسا خوبصورت اور عظمت وشان کا بنا ہوا ہے کہ جس کی نظیر دنیا مین بہت مشکل سے دستیاب ہوسکتی ہے۔ گنبد کے علاوہ باقی عمارت سنگ سرخ کی ہے اندر سے سنگ مرمر سے نقش ونگار بنے ہوئے ہین۔ چارون گوشون پر چار خوبصورت اور نازک مینار ہین اور چارون طرف سنگ مرمر کی ایک بارہ دری بنی ہوئی ہے۔ مقبرہ دو چبوترون کے اوپر کھڑا ہوا ہے سیڑھی ۲۰ فیٹ سے زیادہ بلند اور ۳۰ فیٹ سے زیادہ چوڑا۔ اس چبوترہ کے چارون طرف سنگ مرمر کا نہایت خوبصورت جالیدار جنگلہ لگا ہوا ہے۔ جو اب بہت جگہ سے ٹوٹ گیا ہے اگرچہ گورنمنٹ انگریزی نے جنگلہ کی مرمت کرادی ہے۔ مگر خوبصورتی اور نزاکت پہلے جنگلے سے نمایان ہوتی ہے اُسکا دسوان حصہ بھی اسمین نظر نہیں آتی۔ اسوقت تین طرف کا جنگلہ موجود ہے۔ اور چوتھی جانب کا ندارد۔ مقبرہ کا صحن دلکشا۔ اور مکانات جس قدر ہین سب دلربا ہین۔ سرخ سرخ پتھرون مین سفید سفید دھاریان عجیب حیرت انگیز سماں دیتی ہین۔ اور گرد کا باغ کسی زمانہ مین بہت ہی آراستہ ہوگا چارونطرف نہرین جاری تھین جابجا حوض بنے ہوئے تھے۔ پانی لہراتا تھا۔ فوارے چھوٹتے تھے۔ سرو کے لمبے لمبے ہرے ہرے درخت لگے ہوئے تھے۔ طرح طرح کے پھول کھل رہے تھے۔ غرضکہ اسکی زیب وزینت اور آراستگی مین کوئی دقیقہ اٹھا نہین رکھا گیا تھا۔ مگر اب وہ پہلی سی بات نہین ہے۔ تاہم گورنمنٹ نے اچھی رونق دیدی ہے۔ مقبرہ کی عمارت بدستور قائم ہے۔

شمال کیطرف چادر گرنے کا مکان اور حوض نہروں کے فواروں کا خزانہ بنا ہوا معلوم ہوتا ہے
غالباً اسکے بانیہ نے صرف اس غرض سے اسکی تعمیر کی تھی کہ شاہی خاندان کے لوگ یہاں دفن
ہوا کرین۔ چنانچہ مدت تک یہ دستور رہا کہ شاہی خاندان مین سے جو شخص مرتا تھا اس مقبرہ
مین دفن ہوتا تھا۔ لیکن اب یہ دستور موقوف ہوگیا۔ جتنے در اس مقبرہ کی کرسی مین ہین
سب مین شاہی خاندان کی قبرین موجود ہین۔ منجملہ اُن کے ایک قبر دارا شکوہ کی ہے جو
اورنگ زیب بادشاہ کا بڑا بھائی وارث تاج وتخت تھا۔ جسکو بادشاہ نے مروا ڈالا تھا
مقبرہ کے وسطی کمرہ مین جو سب سے بڑا کمرہ ہے۔ ہمایون بادشاہ کی قبر ہے۔ پھر مقبرہ کے ارد گرد
اور کئی کمرے ہین۔ انمین اس کمرہ مین جو شمال ومشرق کی جانب واقع ہے دو قبرین ہین
ایک حمیدہ بانو بیگم کی جو شہنشاہ اکبر کی حقیقی ماں تھی۔ اور دوسری حاجی بیگم کی جو اس
روضہ کی بانی اور شہنشاہ اکبر کی سوتیلی ماں تھی دوسرے حجرے مین جو اس طرف شمال
ومغرب مین واقع ہے۔ تین اولوالعزم اور مشہور بادشاہون کی قبریں ہین یعنی معزالدین
ایک۔ جہاندار شاہ۔ عالمگیر ثانی۔ فرخ سیر۔ تین اس کمرے کے مقابل مین جنوب مشرق
کیطرف اور قبریں ہین ایک اورنگ زیب کی بیگم کی دوسری دارا شکوہ کی بیگم کی تیسری
فرخ سیر کی بیگم کی۔ یہ تینون حقیقی بہنیں تھیں۔ جو تین مختلف شخصون کے نکاح مین موجود
تھین۔ اسی طرف ایک اور حجرہ بجانب جنوب ومغرب واقع ہے جسمیں شاہ عالم بادشاہ
اور اسکی بیگم کی قبرین ہین۔ ان دونون حجرون کے درمیان ایک بہت وسیع دالان ہے
جسمین خاندان مغلیہ کا آخری بادشاہ بہادر شاہ ۱۸۵۷ء کے غدر مین مخفی ہوگیا تھا۔
جسے انگریزون نے ایک جالیدار دروازہ توڑکر اپنی حراست مین کرلیا تھا۔ اب اس دروازہ
کی مرمت کردی گئی ہے۔ اور وہ ٹوٹا ہوا معلوم نہین ہوتا۔

اِس مقبرہ کے متصل ہی ایک سرا واقع ہے جو عرب کی سرا کے ساتھ مشہور اور
نامزد ہے۔ یہ سرا بھی حاجی بیگم کی بنائی ہوئی ہے۔ جب سرا بنکر تیار ہوگئی تو تین لاکھ اور

فیاض بیگم نے بڑی عالی ہمتی اور نیک نیتی سے بہت سے عربون کو حرمین شریفین سے لاکر آباد کیا۔ لوگ کہتے ہین کہ حاجی بیگم تین سو عرب حرمین سے لائی تھی منجملہ اون کے سو عرب سادات عالیات سے تھے۔ اور سو مشائخ کبار اور سو خدمت گزار اور عوام۔ لیکن اس زمانہ مین اون کے خاندان کے لوگ معاش کی تنگی کیوجہ سے متفرق اور پریشان ہو گئے۔ اور ان کی جگہ ہر قوم کے لوگ آباد ہوئے۔ عرب سرا جلوس اکبری کے چھٹے سال مطابق ۹۶۸ھ ہجری مین بنکر طیار ہوئی اسکے تین دروازے ہین۔ ڈو دروازے تو کچھ ایسے عمدہ اور خوبصورت نہین ہین۔ لیکن شمالی دروازہ کسی زمانہ مین بہت شاندار ہو گا"

خانہ زاد بیگم

یہ عصمت مآب اور پرجمال بیگم ظہیر الدین محمد بابر بادشاہ کی حقیقی ہمشیرہ ہے۔ جو حسن و جمال مین بے نظیر اور عدیم المثال ہونے کے علاوہ عقل و دانشمندی میں بے مثل شہرت رکھتی تھی چنانچہ بابر نامہ مین اس بیگم کے تجربے اور پختہ کاری کی مثالیں مذکور ہین ۹۰۶ھ ہجری میں جب محمد بابر بادشاہ قلعہ سمرقند مین محصور تھا تو خانہ زاد بیگم اپنی عقلمندی اور تجربکاری سے بھائی کے دشمن شیبانی خان کے پرزور حملے نہایت جرأت و دلیری سے روک رہی تھی۔ انجام کار محمد بابر شاہ شیبانی خاں کے ہاتھ گرفتار ہو گیا اور اُسے بجز اسکے اور کوئی صورت مفر ہی نہین رہی کہ خانہ زاد بیگم کو شیبانی خاں کے نکاح میں دیدے۔ چنانچہ اُسنے اپنے ننگ ناموس اور جان بچانے کے لیے خانہ زاد بیگم کو شیبانی خاں کے نکاح مین دیدیا۔

اس واقعہ کا قصہ طول طویل ہے مختصر یہ کہ جب ۹۱۰ھ ہجری مین میرزا عمر شیخ کبوتر خانہ کے کوٹھے سے گر کر انتقال کر گیا تو امرار دولت اور ارکین سلطنت نے

موضع فرغانہ میں میرزا محمد بابر کے سر پر تاج اقتدار و فرمانروائی رکھا۔ جو بعد کو ظہیرالدین محمد بابر بادشاہ کے لقب سے پکارا گیا۔ ماوراءالنہر اور سمرقند وغیرہ میں جب اس خبر نے اشاعت پائی تو وارثان ملک کی غیرت و حسد کی رگ حرکت میں آئی۔ اور بادشاہ کے چچا سلطان احمد میرزا نے حصار سے اور خالو سلطان محمود میرزا نے سمرقند سے لشکرکشی کی۔ مخالف فوج کے ہجوم نے سارے فرغانہ میں ایک عظیم الشان تہلکہ ڈالدیا۔ اور ہر طرف ہل چل سی پڑ گئی شاہی ملازموں اور نوکروں نے مرعوب ہو کر سلطان احمد میرزا سے سازباز کرلی۔ اور فتنہ انگیزوں کی جماعت نے بیوفائی کا طریقہ اختیار کیا۔ اس سے بادشاہ نہایت ہراسان ہوا۔ اور زمین باوجود وسعت و کشایش کے اُس پر تنگ ہوگئی آخرکار قاضی القضات اور دیگر اعیان دولت باہمی مشورہ سے بادشاہ کو فرغانہ سے نکالکر اندرجان میں لیگئے۔ اور چونکہ سامان جنگ فراہم نہ تھا محض تائید الٰہی پر محصور ہونا پڑا ظاہر میں قلعہ اور برجوں کی محافظت کرلی اور دشمنوں کی سدراہ میں کوشش کا کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ ادہر سلطنت کے دونوں مدعیوں نے دیگر مخالفوں کی نفاق انگیزی کی مدد سے اندرجان کا محاصرہ کرلیا۔ اور آتش فشان آلات سے محصورین کو تنگ کردیا۔

ایام محاصرہ میں ہر چند کہ جانبین سے پیغام صلح کے گھوڑے دوڑے مگر سلطان احمد میرزا کے امرا صلح پر راضی نہیں ہوئے۔ یہاں تک کہ بادشاہ کی خوش قسمتی اور یاوری اقبال سے سمرقندیوں کے لشکر میں طاعون پڑا جس نے بہت تھوڑے عرصہ میں تمام گھوڑے اور چارپائے ہضم کرلیے۔ یہ دیکھکر لشکر سمرقند بیتاب ہوگیا اور چند ضعیف شرطوں پر مصالحت کرکے مدعیان دولت نے محاصرہ سے دستکشی کرلی۔ اسے بادشاہ کی خوش قسمتی کہنا چاہیئے۔ کہ دعویداران سلطنت کے محاصرہ اُٹھاتے ہی سلطان احمد میرزا کا انتقال ہوگیا۔ اور بادشاہ فرصت وقت غنیمت جانکر علی دوست طغائی کو اندرجان کا قلعدار مقرر کرکے تسخیر سمرقند کے لیئے مستعد و آمادہ ہوگیا۔ اور سامان جنگ مہیا

کرکے سمرقند کیطرف روانہ ہوا سمرقندی بھی جنگ کے ارادے سے باہر نکلے اور ایک کھلے
میدان میں دونون لشکر صف آرا ہوئے۔ چند لڑائیون کے بعد سمرقندیون نے شکست
کھائی اور سخت شکست کھائی۔ محمد بابر اتفاق وبخت کی یاوری اور وفاکیش جان نثار
ہمراہیون کی کوشش سے بطریق مصالحہ فتحیاب ہوا اور سمرقند نے اُس کے آگے
سر تسلیم خم کر دیا۔

جن بہادر افسرون نے اس معرکہ مین جان نثاریون کا ثبوت دیا تہا اور داد شجاعت
دیکر فطری جوانمردی کے جوہر دکھائے تھے خلعت فاخرہ اور ممتاز عہدون سے سرفراز
ہوئے۔ اور سب نے بادشاہ کی تلوار کے آگے گردنین جھکا دین۔ لیکن قوم ازبک کے
بہت سے سردار قلعہ سمرقند کی فتح کے وقت غنائم اور تاراج سے محروم کر دئے گئے
تھے۔ اور یہی اُن کی ناخوشی اور بگاڑ کی وجہ تھی۔ پریشانی اور بے سروسامانی کا عذر کرکے
بادشاہ سے علیحدہ ہو گئے تھے کہ احمد تنبل جسکے بارہ مین سب سے زیادہ شاہی رعایت عمل مین
آئی تھی۔ اور ابراہیم بیگ اور جان علی بیگ جو نامی اور مشہور امرا مین شمار کیئے جاتے تھے
اور سلطنت کیطرف سے ان کی بڑی آؤ بھگت ہوتی تھی خدمت بادشاہ سے جدا ہوکر اوزن
حسن سے جا ملے۔ جو اس ضلع کے بعض تعلقات کا حاکم تھا۔ اور محمد بابر بادشاہ سے
موروثی نزاع رکھتا تھا اسکے ساتھ ہی جہانگیر میرزا کو جو بادشاہ کا بھائی تہا بہکا کر مدعی
سلطنت قرار دیا اور کھلے لفظون مین بادشاہ کو پیام دیا کہ جہانگیر میرزا بھی وارث
تخت و تاج اور شریک سلطنت ہی اگر تم سمرقند پر حکمرانی کرنا چاہتے ہو تو اندرجان جہانگیر میرزا
کے سپرد کر دو۔

اِس بیہودہ اور ناجائز سوال کا جواب اِن کے خلاف مدعا ملنا ہی تہا۔ جہانگیر میرزا
اپنے مدعا کے خلاف جواب پاکر غصہ سے بیتاب ہو گیا اور مدعی ملک و دولت ہو کر
کھلے بندون مخالفت کا طبل بجایا اور بے شمار فوج لیکر اندرجان پر چڑھ گیا۔ بادشاہ کو

خبر ہوئی تو اُسنے تونون خواجہ کو جو حضرت علیہ صبا اور جہانگیر میرزا کا بہت ہی خیر خواہ تھا باغی از بکیون بالخصوص جہانگیر میرزا کو سمجھانے اور معقول کرنے کی غرض سے روانہ کیا لیکن ظالم از بکیون نے اُسے فوراً قتل کر ڈالا اور لوگون کی عبرت کے لیئے اسکا سر منظر عام مین لٹکا دیا۔ علی دوست طغائی جو اندنون اندجان کا قلعدار تھا۔ باتفاق مولانا قاضی قلعہ کے استحکام مین مشغول ہوا۔ اور طلب کمک مین بادشاہ کو عریضہ روانہ کیا۔ اتفاق سے اندنون بادشاہ کی طبیعت علیل تھی۔ اور یہانتک علیل تھی کہ بولنے اور بات تک کرنے پر قادر نہ تھا لہذا نہ تو وہ خود ہی اسطرف متوجہ ہوسکا نہ کمک ہی روانہ کرنے کا انتظام کرسکا۔ کچھ کچھ صحت کے آثار نمایان ہوئے تو ایک جرار فوج لیکر سمرقند سے اندجان کیجانب متوجہ ہوا ابھی پہلی ہی منزل طے کر رہا تھا کہ لوگون نے خبر دی کہ قلعہ اندجان جہانگیر مرزا کے تصرف مین آگیا اور اسکی وجہ یہ ہوئی کہ ادہر تو بادشاہ کی طرف سے کمک پہونچنے مین دیر ہوئی اُدہر حضور کے عارضہ بدنی کی متواتر اور پے درپے اندیشناک خبرون نے لوگون کے قدم اکھیڑ دئے۔ انجام کار جہانگیر میرزا قلعہ پر غالب ہوگیا۔ مولانا قاضی شہید کر دیئے گیے اور خطبہ جہانگیر میرزا کے نام پر پڑھا گیا۔ علی دوست طغائی اظہار موافقت کے حیلہ سے جان بچاکر چلاگیا۔ اور قلعہ مرغاب مین کہ وہ بھی اسی کے تعلق مین تھا پہونچ گیا۔ اب بہ تقاضائے وقت وہان بھی جہانگیر میرزا ہی کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا اور اسی کا سکہ چلتا ہے۔

اِس وحشت انگیز خبر نے بابر بادشاہ کی جمعیت مین اِس قدر سنگ تفرقہ ڈالا کہ ساری فوج اُس سے برگشتہ ہوگئی۔ اور دو تین سو آدمیون سے زیادہ اسکے ہمراہی مین کوئی نہین رہا۔ اِس فتور مین سمرقند بھی اسکے ہاتھ سے نکل گیا۔ اور فوج کیطرف سے نہتا ہوگیا سو الگ تا چاخجند کی طرف متوجہ ہوا۔ اور محمد حسین گورگانی کاشغری کی صلاح و موافقت کیوجہ سے چند روز حوالی خجند مین بہزار مایوسی و ناکامی زندگی بسر کی۔ جاڑے کا موسم نکلگیا۔

تو کچھ جمعیت فراہم کر کے موضع ایلاق مین پہونچا۔ اور اپنے زور بازو اور حسن تدبیر اور محمد حسین کی
رفاقت سے دو قلعہ فتح کر لیئے اگرچہ اسوقت بظاہر تھوڑی سی جمعیت فراہم ہو گئی تھی
جس سے بادشاہ کو فی الجملہ تسلی ہوتی تھی۔ لیکن چونکہ ضروری خرچ آمدنی سے زائد تھا
اور لشکر کی تنخواہ کو بالکل ناکافی تھا۔ اسلیئے باطنی جمعیت و اطمینان حاصل نہ تھا۔ فوج روز
بروز گھٹتی جاتی تھی۔ اور دشمنون کا غلبہ ترقی افزون تھا۔

اسی اثنا مین علی دوست طغائی کا ایک عریضہ قلعہ مرغاب سے پہونچا جس کا مضمون یہ
تھا کہ "مین قلعہ آندجان کے ہاتھ سے نکل جانے پر سخت ندامت و افسوس کرتا ہون اور
تکلیف دیتا ہوں کہ پادشاہ قلعہ مرغاب میں تشریف لاکر اُسے اپنے سپردگی مین لیلیں"
محمد بابر بادشاہ شکر عطیہ غیبی بجالایا۔ اور متوجہ قلعہ مرغاب ہوا۔ قلعہ کے متصل پہونچا
تو علی دوست نے جو بادشاہ کی تشریف آوری کا ہر وقت منتظر تھا۔ نہایت جوش مسرت
کے ساتھ استقبال کیا قلعہ کی کنجی خدام بادشاہ کے حوالہ کی اور اعزاز تمام کے ساتھ قلع
مین لے گیا۔ چند روز مہمانی کی طیاریاں ہوتی رہین۔ اور علی دوست طغائی غلامونکی طرح
خدمت بادشاہ مین گذارا رہا۔ ابھی زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ بعض ہواخواہون اور جان نثارون
کے اتفاق و ہمدردی سے قلعہ مرغاب کے اطراف و جوانب بھی فتح ہو گئے اور
چند چھوٹے چھوٹے مقامات پر بادشاہ کا قبضہ ہو گیا اور نہایت سہولت کے ساتھ
ہو گیا۔ جہانگیر میرزا نے خبر پائی تو اوزن حسن اور احمد تنبل اور دیگر امرائے نامدار اور بہت سے
سوارون کو ساتھ لیکر قلعہ مرغاب کی تسخیر کے لیئے چڑھائی کی۔ اور آتے ہی قلعہ کا
محاصرہ کر لیا۔

جہانگیر میرزا نے کچھ فوج بطریق طلیعہ قلعہ کے اردگرد کچھ فاصلہ پر تعینات کر رکھی
تھی۔ کیونکہ اسے معلوم ہو گیا تھا کہ باہر سے ایک جرار فوج بادشاہی کمک پر آنے والی ہے
اسے بادشاہ کی خوش قسمتی اور یاوری اقبال کہنا زیبا ہو گا کہ سلطان محمود میرزا نے خبر سنکر

بادشاہ قلعہ مرغاب مین محصور ہے سخت طیش مین آیا۔ بادشاہ کے حقوق قدیم پر نظر کرکے
اسکی رگِ حمیت حرکت مین آئی اور ایک مسلح و خونریز فوج کا دستہ ساتھ لیکر بادشاہ کی مدد کو
روانہ ہوا۔ راہ مین جہانگیر میرزا کی فوج سے مڈ بھیڑ ہوئی اور تقریباً دو گھنٹے تک سخت
معرکہ ہوا۔ انجام کار جہانگیر میرزا کی فوج نے شکست کھائی اور تخمیناً آٹھ سات آدمیون کے
سب نے ساغر موت منہ سے لگایا۔ لشکر مین اس خبر نے انتشار پایا تو جہانگیر میرزا کے بعض
فوجی افسر اپنے دوستون کو ساتھ لیکر شاہی فوج مین جا ملے۔ اور یہ روز افزون جہانگیر میرزا
کی باقی فوج کے لیے باعث تفرقہ ہوئی۔ چنانچہ اسنے فوراً محاصرہ سے دست کشی کرلی۔
اور بہ عجلت تمام قلعہ اندجان کیطرف متوجہ ہوا۔ ناصر بیگ جو قلعہ اندجان کا محافظ اور قلعدار
تھا اُسنے جہانگیر میرزا کے واپس آنے اور ناکامی و نامرادی کے ساتھ واپس آنے کی
خبر سنی تو قلعہ کا دروازہ بند کردیا۔ اور جہانگیر میرزا کو کہلا بھیجا کہ تیرا منہ قلعہ مین آنے اور
حکمرانی کرنے کے قابل نہین رہا۔ اور ساتھ ہی محمد بابر بادشاہ کی خدمت مین عریضہ عاجزانہ
کیا جسکا مضمون یہ تھا "مین نے حضور کے دشمن جہانگیر میرزا کے تصرف و حکومت
سے قلعہ اندجان کو نکال لیا ہے۔ اگر جناب یہان جلوہ آرا ہون تو قلعہ اور اسکا تمام سامان
خدام والا کے سپرد کردون" بادشاہ اِس عریضہ کے پہونچتے ہی قلعہ مرغاب سے برآمد
ہوا اور نہایت سرعت کے ساتھ قلعہ اندجان کی طرف بڑھا۔ قلعہ کے نیچے پہونچا تو
ناصر بیگ نے نہایت گرمجوشی کے ساتھ خیر مقدم ادا کیا اور بادشاہ بلا مزاحمت و ممانعت
فتح و فیروزی کے ساتھ داخل قلعہ ہوا +

ناعاقبت اندیش اور بدانجام مدعیون نے بادشاہ کا اقبال مشاہدہ کیا تو کوہستانی صحراؤن
مین بھاگ گئے اور مدتون تک جنگلون پہاڑون مین بھٹکتے پھرے +

ناصر بیگ اور دیگر بہی خواہان سلطنت جو ناصر بیگ کی معیت مین تھے مورد عنایات
خسروانہ ہوئے۔ اور ہر ایک شخص علی حسب المراتب ممتاز عہدہ سے معزز و سرفراز ہوا اور

مخالفون کی جمعیت مین تفرقہ پڑنا تہا کہ بادشاہ کو متواتر کامیابیان اور پے درپے فتوحات حاصل ہوتی گئین۔ چنانچہ بہت تہوڑے عرصہ مین دارالسلطنت فرغانہ بادشاہ کے تصرف مین آگیا۔ اور اب فتوحات کا سلسلہ دور دور تک پہیلتا چلا گیا۔ فرغانہ پر فتح پاتے ہی دریادل اور حوصلہ مند بادشاہ نے اوزن حسن کیطرف رُخ کیا۔ اور چند روز کے محاصرہ کے بعد اوزن حسن امان جان کا خواہان ہوکر آوارۂ دشت ادبار ہوگیا۔ لیکن اُسکے ہمراہیون نے بادشاہ کے حضور مین معذرت کی اور اسباب وعیال سمیت شرف اندوز ملازمت ہوئے رحمدل بادشاہ نے انکے قصور اور خطاؤن کو بخشدیا۔ اور دفتر جرائم کو درگذر کے پانی سے دہودیا ✦

ان ہی ایام مین اکثر امرا اور بہی خواہان سلطنت نے جو غدار اور باغی جماعت کی بیدادی اور غارتگری کی زد مین آئے ہوئے تہے۔ حضور شاہی مین عرض کیا کہ تسخیر قلعہ اندجان اور قتل قاضی کے بعد ہمارے تمام مال واسباب پر ان لوگون نے غارت گری کے ہاتھ کھولے تہے اور لوٹ کہسوٹ کر ہمین ننگا کردیا تہا۔ چنانچہ ابہی تک ہمارے بہت سے مال واسباب اُن کے تصرف مین ہین۔ بادشاہ کا حکم ہمین تسلیم ہے اور بدل تسلیم ہے جب حضور نے انہین امان جان دی ہے اور ان کی خطائین معاف فرمائی ہین ہمنے بہی اپنے مطالبات سے درگذر کی۔ لیکن جس قدر ہمارا اسباب اُن کے ہاتہون مین بالفعل موجود ہے اسکے واپس دینے مین انہین کیا عذر ہوسکتا ہے۔ حکم ہوا کہ جو شخص اپنا مال پہچان لے بشرط اثبات شرعی وعرفی اپنے قبضہ مین کرلے۔ مغلون کے کانون تک یہ خبر پہونچی تو وہ از سرنو آزردہ ہوئے۔ اور بادشاہ کی اطاعت سے منحرف ہوکر باتفاق احمد تنبل جہانگیر میرزا سے جا ملے۔ اور دوبارہ علم بغاوت اونچا کرکے متوجہ تسخیر اندجان ہوئے ✦

محمد بابر بادشاہ نے قاسم خان قوچین کو جو بڑا بہادر اور جانباز افسر تہا فوج کا

ایک عظیم الشان دستہ دیکر باغیوں کی سرکوبی کے لیئے مقرر کیا۔ اور تاکیدی حکم دیا کہ جہانتک بن پڑے غدار جماعت کی بغاوت کے بھڑکتے ہوئے شعلون کو آبِ شمشیر سے بجھایا جائے اور انکی استیصال و بیخکنی مین کوشش کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا جائے چنانچہ قاسمخان فوجین اپنی فوجکو ساتھ لیکر حملہ آور فوجکی طرف بڑھا۔ اور اس تیزی سے حملہ کیا کہ علم بردارون کی صفین الٹ دین۔ مگر بعد کو قاسم خان کی فوج مین کچھ ایسی ابتری اور بدنظمی پھیلی کہ اسکے سنبھالے نہ سنبھل سکی حملہ آور فوج نے عقب سے حملہ کیا اور شاہی فوج کھیرے ککڑی کیطرح دہڑا دہڑ کٹنے لگی۔ قاسم خان نے شکست کہائی اور اکثر امراء دولت اور اقرباء بادشاہ نے اپنی عزیز اور قیمتی جانین بادشاہ کے قدمون مین نثار کردین اور کچھ لوگ مجروح ہوکر دشمنون کے ہاتھون مین گرفتار ہو گئے۔

احمد تنبل کے حق مین اگرچہ اس فتح کا نتیجہ برا ثابت ہوا مگر وہ اس فتحیابی پر مغرور ہوکر بادشاہ کے مقابلہ پر آمادہ ہو گیا۔ اور قلعہ آندجان کی تسخیر میں ساری کوشش صرف کر دی پورے ایک مہینے تک قلعہ کا محاصرہ کیئے رہا۔ لیکن کوئی فائدہ مرتب نہین ہوا۔ اور جب آدمی اور جانور کثرت سے ضایع اور تلف ہو گئے تو مایوس ہوکر واپس ہوا۔ مگر پھر بھی اطمینان سے نہ بیٹھا۔ اور تہوڑے عرصہ کے بعد فوجی قوت بڑھا کر اور سامانِ جنگ درست کرکے مقابلہ مین آموجود ہوا۔ دونون فوجین صف آرا ہوئین۔ اور چند مرتبے سخت معرکہ ہوا اسی اثناء مین بادشاہ کو خبر پہونچی کہ سلطان محمد میرزا سات ہزار مسلح اور جرّار سوارون کے ساتھ جہانگیر مرزا کی کمک کو آپہونچا ہے اور قلعہ کاشان کا محاصرہ کرلیا ہے۔ اگرچہ جاڑا بڑے زورون پر تہا۔ اور تمام جنگل و کوہستان برف باری کی کثرت سے برفستان بنا ہوا تہا تاہم بادشاہ اس خبر کے سنتے ہی بیچین ہو گیا اور محصورین کی کمک پر بڑی تیزی کے ساتھ روانہ ہوا۔ قلعہ کاشان کے قریب پہونچتے ہی فوج غنیم پر حملہ کیا اور ایک ہی حملے مین انکی لشکر کو ہزیمت دی۔ علی دوست اور قنبر علی جو دل سے بادشاہ کے خیرخواہ نہ تھے

اور انکی زبانیں دلوں سے موافقت نہ رکھتی تھیں۔ آپس میں پڑکر صلح کے درپے ہوئے اور مادہ صلح یہ امر قرار پایا کہ ولایت اندجان اور اُسکے تعلقات و حضور بادشاہ سے تعلق رکھیں اسدرِیائے خجند سے اخسی تک جس قدر زمین ہے جہانگیر میرزا کو عنایت کیجائے۔ بادشاہ اس صلح پر راضی ہوگیا اور فرمایا کہ اگر یہ لوگ اقرار کرین کہ ہم اپنے عہدوپیمان سے تجاوز نہ کرینگے۔ تو مجھے یہ شرط منظور ہے۔ اور مین ان شہرون کے دینے پر بدل راضی ہون۔ چنانچہ احمد تنبل اور جہانگیر میرزا نے اس مصالحت پر رضامندی ظاہر کی اور جانبین سے عہدوپیمان ہو گئے۔ احمد تنبل اور جہانگیر میرزا دونون بادشاہ کے حضور مین حاضر ہوئے اور دونون طرف کے قیدی آزاد کر دیے گئے +

علی دوست بادشاہ کی عنایتون اور قرب پر اس قدر مغرور تھا کہ عموماً امرائے اور ارباب اور اپنے معاصرین کو بے وقعت سمجھتا تھا۔ اور اون سے اچھا برتاو نہ کرتا تھا اسوجہ سے اکثر ارکین سلطنت اُس سے علیحدہ اور رنجیدہ رہتے تھے اور قریب تھا کہ اس باہمی کشمکش سے بادشاہ کی جمعیت ظاہر و باطن مین خلل عظیم پڑجائے بادشاہ کو علی دوست کا نفاق باطنی ظاہر ہوا۔ تو اُس نے اسکے ساتھ اس قدر رعایت پھر بھی برتی کہ از راہ خطا بخشی بغیر ضرر جانی ومالی اوسے رخصت کر دیا۔ ناحق شناس برہنیا دعلی دوست احمد تنبل کے پاس پہونچا۔ اور جہانگیر میرزا کی خدمت مین زیادہ رسوخ بڑھا کر از سر نو باعث مادہ فساد و عناد ہوا۔

جہانگیر میرزا اور احمد تنبل کی شورشون اور بغاوتون کا خاتمہ نہین ہوا تھا۔ این گل دیگر شگفت یعنے شیبانی خان جو بادشاہ کا چچازاد بھائی اور مدعی سلطنت تھا۔ اور ایک زمانہ مین بادشاہ کے جد محترم کے نوکرون کے سلسلہ مین داخل تھا۔ اور اب ایک عرصہ سے توران کے بعض حصون پر حکومت کررہا تھا۔ بخارا کو فتح کر کے سمرقند پر حملہ آور ہوا۔ اور سلطان علی کی ماں کی تحریک سے سمرقند کو تصرف میں لے آیا۔ بادشاہ کے دلمیں فوراً یہ بات بیٹھ گئی کہ ہنوز شیبانی خان کا سلسلۂ انتظام سمرقند مین پھیلا نہین ہے۔ اور وہان کے باشندون کے

دل اس سے مالوف و مانوس نہیں ہوئے اگر ایسے موقع پر یورش کیجائے گی تو نہایت آسانی سے سمرقند پر قبضہ ہو سکے گا۔ یہ سوچکر وہ بے دھڑک اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور اس مردانہ عزیمت پر کمر ہمت باندھ کر وفادار رفقا اور جان نثار ملازمون مین سے ایک بھاری جماعت کو چن لیا جو اس سر بستہ راز میں اسکی ہمدم و محرم تھی اور رات کے آخیر حصہ مین چپ چپاتے شہر سے نکل کھڑا ہوا غیر مشہور اور دشوار گزار راہین طے کرتا ہوا حصار سمرقند کے نیچے پہونچ گیا۔ اِس خطرناک سفر میں بیشمار گھوڑے اور بہت سے آدمی ضائع ہوئے۔ چنانچہ دو تو دو چالیس نامور مشہور افسرون کے علاوہ اور کوئی ہمرکاب بادشاہ نہ تھا۔ فردوس مکانی یعنے محمد بابر بادشاہ قلعہ سمرقند کے قریب پہونچا تو نہایت احتیاط و ہوشیاری کے ساتھ اندھیری رات کے پچھلے حصے میں قلعہ کے دروازے پر پہونچگیا۔ اور قابوئے وقت پاکر اسی سوارون کو جو شجاعت و بہادری مین بے نظیر اور بے مثل تھے۔ زینے اور کمند کی مدد سے فصیل شہر پر چڑھا دیا اور دروازہ فیروزہ کھلے کر کے فتح و فیروزی کیساتھ داخل شہر ہوا۔ قاصد ترخان جو دروازے کا پاسبان تھا اپنے ہمراہیون بمعیت مست خواب تھا بادشاہ کے حق مین یہ موقع بہت ہی اچھا تھا وہ سب کو خون مین نہلاتا اور رستہ صاف کرتا ہوا برابر بڑھے چلا گیا۔ شہر میں داخل ہوا تو اجل رسیدہ اور غافل و بیخبر ازبکون کو یہانتک قتل کیا کہ مقتولون کی لاشون سے سمرقند کے وسیع بازار پٹ گئے۔ اب شہر مین عام ہل چل پڑگئی۔ اور باشندگان شہر اس ناگہانی راحت افزا خوشخبری سے بے حد خوش ہوئے۔ ہوا خواہان و جان نثار جو اس روح پرور مژدے کے منتظر تھے۔ ہر کوچہ و بازار سے گروہ گروہ اور جوق جوق بادشاہ کی خدمت مین پہونچے اور مخالفانِ دولت کے قتل و قید کرنے مین شریک ہوئے +

خانِ وفا میرزا قلعدار اس آسمانی آفت اور ناگہانی بلا سے خبردار ہوا تو ازبکیون کی ایک کثیر جماعت ساتھ لیکر قلعہ سے نکلا اور مرحلہ پیمائے دشت ناکامی ہو شیبانیخان

کے پاس پہونچا جو شہر سے باہر تین میل کے فاصلہ پر خیمہ زن تہا - یہ وحشت انگیز
اور دل کی دہلانے والی خبر سُنکر شیبانی خان آٹھ ہزار جرار فوج ہمراہ لیکر قلعہ سمرقند
کی تسخیر و محاصرہ کیغرض سے بڑھا - مگر یہان پہونچکر جب یہ معلوم ہوا کہ اب موقع ہاتھ
سے نکل گیا اور تمام کوششیں ضائع و رائگان گئیں تو محاصرہ اُٹھا کر واپس ہو گیا -
سمرقند کے تمام معززو اعیان بادشاہ کے سلسلۂ ملازمت مین آگئے اور سب نے
بے چون و چرا گردن تسلیم خم کر دی +
اسکے بعد شیبانی خان نے فراہمی سپاہ مین کوشش کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا -
جب کثرت سے لشکر جمع ہو گیا تو وہ تلافی کی فکر میں ہر طرف تگ و دو کرتا پھرا - مگر
تدارک کا کوئی موقع نہ پایا - اِدہر فردوس مکانی بہی اسی فکر و تدبیر مین رات دن مصروف
تہا کہ جہانتک ممکن ہو دشمن کو ماورالنہر اور اسکے مضافات سے نکال باہر کرنا
چاہیئے - چنانچہ شروع موسم سرما مین بادشاہ نے اپنا متفرق لشکر جمع کیا اور
اطراف جوانب سے کومکیون کی ایک جماعت کثیر فراہم کر لی - شیبانی خان لشکر
عظیم لیکر نواحی سمرقند مین آدہمکا اور جانبین سے سخت معرکہ ہوا - چونکہ کومکی فوج
پہلے ہی بیدل ہو گئی تہی عین معرکہ مین قدم اکھڑ گئے اور مغلون نے اپنے طریقۂ
قدیم پر کاربند ہو کر نامردی کی اسوجہ سے لشکر شاہی مین تفرقہ پڑ گیا اور ایسا عظیم الشان
تفرقہ پڑ گیا کہ جب بادشاہ معرکۂ جنگ سے واپس ہو کر دروازۂ قلعہ تک پہونچا ہے تو اس کی
ہمراہی میں پندرہ سولہ آدمیون سے زیادہ نہ تہے - شیبانی خان تعاقب کرتا ہوا قلعہ
کے دروازے تک آپہونچا - اور فوراً محاصرہ کر لیا +
اس محاصرہ نے چار مہینے تک برابر طول کہینچا اور اہل قلعہ کو مطلق غلہ نہ پہونچا جس سے
بادشاہ اور اسکے ہمراہی سخت پریشان ہوئے - ذخیرہ کی تنگی کی یہانتک نوبت پہونچی کہ
گہاس کا ایک گٹھا ہموزن زعفران کے میسر نہ تہا - اور روٹی کی ٹکیہ جان کے بدلے

ملنی مشکل تھی۔ بہت سے گھوڑے ذبح کیئے گئے اور اُن سے قوت لا یموت کی گئی۔ فردوس مکانی نے ہرچند کہ طلب کومک مین خراسان و قندھار اور مغلستان کے سلاطین کو لکھا مگر کوئی فائدہ مترتب نہیں ہوا۔ آخر کار مجبور ہوکر بادشاہ صلح پر آمادہ ہوا اور مخلوق خدا کی جان بچانے کیغرض سے صلحنامہ کی ایک بڑی بھاری شرط یعنے اپنی ہمشیرہ خانزاد بیگم کو شیبانی خان کے نکاح مین دینے پر راضی ہوگیا۔ چنانچہ جانبین سے صلح کی تدبیر پیش ہوئیں اور دونون فریق میں مصالحت ہوگئی +

چونکہ اِس سے پیشتر خانزاد بیگم کی خالہ اور خالہ بھی حقیقی خالہ شیبانی خان کے نکاح مین تھی اسلیئے اس جدید تعلق کے وقت اُسے خانزاد بیگم کی خالہ سے قطع تعلق کرنا ضرور تھا اور اُسے طلاق دینی ہی تھی۔ چنانچہ شیبانی خان نے اسے فوراً طلاق دیدی اور خانزاد بیگم کو نکاح میں لے آیا۔ مگر افسوس کہ آخر کار اِس سے بھی نباہ نہ کرسکا اور تھوڑے ہی عرصہ بعد طلاق دیدی۔ چنانچہ صاحب منتخب اللباب بحوالہ تاریخ رشیدی بیان کرتا ہے کہ جب خانزاد بیگم شیبانی خان کے نکاح مین آئی تو بھائی کی طرفداری کے باعث شیبانی خان کا تعشق جو خانزاد بیگم کے ساتھ تھا رنج سے بدل گیا اور اُسنے بایں لحاظ کہ وہ اپنے بھائی کی خیر خواہی اور جانبداری کا دم بھرتی ہے ایک فرزند کے تولد کے بعد اُسے طلاق دیدی +

الغرض محمد بابر بادشاہ نے اس ذریعہ سے شیبانی خان کے پنجۂ ظلم سے رہائی پائی اور ۹۰۶ھ ہجری کے اوائل مین آدھی رات کے وقت برفاقت خواجہ ابوالمکارم اور چند جان نثار ہمراہیون کے جو شمار مین سو سے زیادہ نہ تھے قلعہ کے باہر آیا اور بدرقۂ توکل الٰہی کی امداد پر بادیہ پیمائے راہ تاشقند ہوا۔ خانزاد بیگم اور اسکے ساتھ چند مستورات شاہی کو جنکا نگہبان بجز خدا کے اور کوئی نہ تھا ہمراہ نہ لے سکا۔ اور وہ سب کی سب ظالم شیبانی خان کے تصرف مین رہین۔ جہانگیر میرزا اس موقع پر مطلع ہوا تو نہایت

حسرت وافسوس سے بھرا ہوا ایک معذرت نامہ بھائی کی خدمت مین روانہ کیا اور حضرت فردوس مکانی تاشقند مین پہونچکر سلطان محمود خان کے مہمان ہوئے۔ میزبان نے اپنے محترم و بزرگ مہمان کا بڑی گرمجوشی سے استقبال کیا اور تقدیم ضیافت کے بعد ایک نہایت وسیع اور پرفضا وخوشنما مکان مین نہایت عزت واحترام سے اُتارا اور دست بستہ عرض کیا کہ حضور موسم سرما کے منقضی ہونے تک یہین رونق افروز رہین۔ کمترین و وفادار غلام سے جناب کی خدمت مین کوتاہی نہوگی اور جہانتک بس چلے گا حضور کے مدعا بر لانے مین کوشش وسعی کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا جائے گا۔ بادشاہ نے بتقاضائے وقت ایک مدت وہان بسر کی۔ اور جب خالی بیٹھے بیٹھے دل اُکتا گیا اور طبیعت بہت ہی اچاٹ ہو گئی تو اُسنے استمداد کی درخواست کی سلطان محمود خان نے اپنے سپہسالار فوج کو بلاکر حکم دیا کہ لشکر کے سامان کی درستی مین نہایت تیزی سے کام لے۔ اور جب لشکر اپنے سازوسامان سے تیار ہوگیا تو سلطان محمود خان بھائی کو ساتھ لیکر فرغانہ کی تسخیر کے قصد سے روانہ ہوا جو ان دنون احمد تنبل کے تصرف مین تھا۔ یہان پہونچتے ہی چارون طرف سے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ اور غلہ وغیرہ کی رسد کی راہ بالکل بند کردی۔ احمد تنبل بھی اطاعت شاہی سے منہ موڑکر مدافعہ و مقابل مین مشغول ہوا اور کمک کیلئے شیبانی خان کو طلب کیا وہ فوراً سمرقند سے روانہ ہوا۔ فرغانہ مین آپہونچا۔ ایک وسیع اور کھلے میدان میں جانبین سے صف آرائی ہوئی۔ اور نہایت سخت اور عظیم الشان معرکہ ہوا +

محمد بابر بادشاہ کے افسران فوج مین سے ابوالمکارم جو ایک نہایت نامور اور مشہور افسر تھا اور جس نے ازبکیون کی پرزور بغاوتون کا خاتمہ کردیا تھا بڑے سازوسامان سے دشمنونکے مقابلہ کو بڑھا۔ شیبانی خان نے پہلے سے کچھ فوج کمینگا ہونمین بٹھا رکھی تھی۔ ابوالمکارم اپنی فوج کو لیئے ہوئے قریباً دو میل تک بڑھا چلا گیا۔ شیبانی خان کا صدر مقام

بالکل قریب آگیا تھا کہ دفعتہً اسکی مخفی فوج کمینگاہ سے نکلکر ابو المکارم کے لشکر پر ٹوٹ پڑی۔ اُدھر خود شیبانی خاں فوج عظیم لیکر بڑھا ابو المکارم کی فوج دونوں جانب سے بیچ میں آگھری۔ اور نہایت بدنظمی وابتری پھیل گئی۔ ابو المکارم نے فوج کو بہت کچھ سنبھالا مگر وہ سنبھل نہ سکی۔ انجام کار شیبانی خان کی فوج بڑے زور سے دفعتہً پل پڑی اور لشکر شاہی شکست کھاکر بھاگا۔ ابو المکارم تنہا رہ گیا اور چونکہ معرکہ جنگ سے بہت دور جا پڑا تھا۔ چاہا کہ خود بھی جان بچاکر کسیطرف نکلجائے اس عزم سے چند قدم اٹھائے تھے۔ کہ سامنے شاہی فوج نظر پڑی جسے شیبانی خاں اور احمد تنبل کی فوجیں پامال کئے دیتی تھیں ابو المکارم اپنی فطری شجاعت ضبط نہ کرسکا اور الٹا پھر کر غنیم کی فوج پر حملہ آور ہوا۔ اور قریباً دو گھنٹہ تک بڑے گھمسان کی لڑائی ہوئی +

اِس لڑائی کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ سلطان محمود خان اور سلطان احمد خان دونوں بھائی دشمن کے ہاتھوں میں گرفتار ہوگئے۔ اور شاہی ملازمان کو شکست ہوئی۔ اور اب تاشقند بھی مع اسباب اور ساز و سامان کے شیبانی خان کے سلسلۂ فتوحات میں داخل ہوگیا۔ بادشاہ نے نہایت بے سر و سامانی اور مشوش حالت میں مغلستان جا پہونچا۔ اور شیبانی خان نے سلطان محمود خان اور سلطان احمد خان کو باین لحاظ قید سے رہائی دیکر رخصت کیا کہ کسی وقت اِن کے باپ کا محکوم اور نمک خوار تھا اور نہ صرف قید سے رہائی دی بلکہ انکا ملک بھی انہیں واپس کر دیا۔ بادشاہ نے ناسازگاری بخت و زمانہ سے اسموقع پر جس قسم کے صدمے اُٹھائے اور مصیبتیں جھیلیں ان کا کچھ شمہ بابرنامہ میں مذکور ہے۔ مین بلحاظ اختصار اِن واقعات کو اسجگہ قلم انداز کرتا ہوں +

لیکن بادشاہ باوجود ان متواتر اور پے در پے شکستوں کے بددل نہیں ہوا

اور آئے دن کے نئے نئے صدموں اور جانخراش مصیبتوں نے اسکے حوصلوں کو
ذرا پست نہیں کیا وہ پھر چند روز کے بعد کچھ فوج جمع کرکے تسخیر ہندوستان کے
عزم سے متوجہ کابل ہوا۔ بدخشان کی حد پر پہونچا۔ تو خسرو شاہ جو اس ملک کا
حاکم تھا اور خاندان شاہی کا ہمیشہ سے بدخواہ ودشمن تھا۔ بادشاہ کی مہمانداری اور
خدمتگزاری کیطرف ذرا ملتفت نہیں ہوا بلکہ بداندیشی اور قصد فاسد پر مستعد وآمادہ
ہوگیا۔ لیکن ضرورتاً اور مصلحتہً اپنے چند فوجی افسروں اور ارکین دربار کو ساتھ لیکر
حاضر خدمت ہوا۔ اور یہ بات مشتہر کردی کہ خسرو شاہ عفو تقصیرات کی امید پر بادشاہ
کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے۔ بادشاہ نے اسکی خبث باطنی کے آثار جو اسکی
پیشانی سے ظاہر تھے ملاحظہ فرماکر اسکے امرائے دولت سے جو اس سے آزردہ
خاطر تھے اور بادشاہ کی خدمت میں اسکی عداوت اور اپنی جانفشانی کا اظہار کرچکے
تھے ساز باز کرکے اسکے گرفتار کرلینے کا قصد کیا اور وہ برگشتہ طالع اوسوقت
خبردار ہوا۔ جبکہ موقع ہاتھ سے نکل چکا۔ اب اسکو بجز اسکے کوئی صورت مفر ہی
نہ تھی کہ یا تو شاہی ملازموں کے ہاتھوں گرفتار ہو۔ یا راہ فرار اختیار کرے چنانچہ
اُسنے دوسری شق اختیار کی اور خان ومان سے ہاتھ دھوکر ملک اور مال وعیال
سے دل برداشتہ ہوکر چند ہمراہیوں کے ساتھ آوارہ دشت ناکامی ہوگیا ۔
بادشاہ جو اندنوں نہایت بے سروسامانی اور پریشانی کی حالت میں تھا خسرو شاہ
کے فرار ہو جانے کو بخت واقبال کی یاوری اور فضل الٰہی سمجھا۔ اور خسرو شاہ
کے تمام خزانے جواہرات اور ساز ویراق سے آراستہ وپیراستہ گھوڑے
اور جس قدر اسباب ہمراہ لیجانے کے قابل تھا۔ تصرف میں لے آیا۔ قریباً
چار ہزار مغل جو بہادری وشجاعت میں بے نظیر ولاثانی تھے۔ اور خسرو شاہ سے
بددل ہوگئے تھے۔ شرف اندوز رکاب سعادت ہوئے۔ بادشاہ ان لوگوں کو

ساتھ لیکر کابل کیطرف بڑھا۔ حوالیٔ کابل میں جب شاہی جھنڈے پہنچے تو محمد مقیم جو آلغ بیگ بادشاہ کے چچا کا داماد تھا اور بدعوی ارث کابل کی تخت نشینی کرتا تھا بادشاہ کے نزولِ اجلال فرمانے کی خبر سُنکر محصور ہو گیا۔ اور قلعہ کابل کا دروازہ بند کرلیا۔ شاہی فوج نے نہایت جرأت و دلیری کے ساتھ کابل کا چاروں طرف سے محاصرہ کرلیا اور تیر و تفنگ اور آتش فشان آلات سے محمد مقیم اور اسکے ہمراہیونکو تنگ کردیا۔ چند روز تک محمد مقیم بھی حملہ آور نوجکے حملے روکتا رہا لیکن آخر کار خواستگار امان ہو کر عفو تقصیر کی امید پر قلعہ کابل شاہی ملازمون کے سپُرد کردیا۔

اندنوں حکومتوں کی تبدیلیوں اور حکمرانوں کے اختلاف کی وجہ سے کابل بہت کچھ ویران ہو چکا تھا۔ اور وہاں کے باشندے سخت پریشان و اضطراب میں تھے۔ اسلیئے بادشاہ کو شہر کی تعمیر و آبادی اور رعایا کی شکستگی خاطر دور کرنے کے لیئے تھوڑے عرصہ تک کابل میں قیام کرنا پڑا۔ چنانچہ اُسنے تسخیر ہندوستان کا قصد ملتوی کردیا۔ اور اس مہم کو بالفعل دوسرے وقت کے لیئے اٹھا رکھا شہر اور قلعجات کی غور و پرداخت میں مشغول ہوا۔ اور رعایا کو ہر طرحسے تسلی و اطمینان دیتا آغاز سنہ ۹۱۱ھ ہجری میں بادشاہ کی والدہ محترمہ حضرت مریم مکانی مہرنگار بیگم نے اسی موقع پر انتقال کیا۔ اور اسوجہ سے بادشاہ کو چندیں کابل میں اور قیام کرنا پڑا۔ اسی سال میں بادشاہ نے غزنین جہانگیر مرزا کے حوالہ کیا۔ جو ایک عرصہ سے بادشاہ کی رفاقت میں تھا۔ اور سفر کی سختیاں جھیلتا ہوا یہانتک پہونچا لیکن جب جہانگیر میرزا غزنین میں پہونچ گیا تو بادشاہ کی طبیعت میں اسکی طرف سے بے اطمینانی سی پیدا ہو گئی۔ اور اسی اثنا میں جانبین سے بے سرو پا اور موحش خبریں اُڑنے لگیں۔ جہانگیر میرزا بے سوچے سمجھے غزنین سے نکل کھڑا ہوا

اور ایک نہایت جرار فوج جمع کر کے کابل میں آ دھمکا۔ اگر چہ جہانگیر میرزا کی یہ خود سری اور بغاوت بادشاہ کے اشتعال طبع دینے اور محرک ہونے میں کچھ تھوڑا اثر نہیں رکھتی تھی۔ لیکن اسنے اس موقع پر نہایت تحمل و برداشت سے کام لیا اور دوبارہ غزنین کی حکومت اسکے حوالہ کر کے رخصت کیا +

ان ہی ایام میں خراسان کیطرف سے مختلف فساد انگیز خبریں بادشاہ کے کانوں میں پہونچیں وہ خراسانیوں سے پہلے ہی بدظن تھا۔ اور لڑائی کا بہانہ ڈھونڈھتا تھا اب اُن کی یہ گستاخیاں اور بیباکیاں اشتہار جنگ کے لیئے اور بھی محرک ہوئیں چنانچہ وہ فوراً کابل سے نکل کھڑا ہوا۔ اور جس قدر لشکر اپنے ساتھ لیجا سکتا تھا سب کو مسلح ہونے کا حکم دیا۔ لشکر تیار ہو گیا۔ تو بادشاہ نے کوچ کا حکم دیا۔ مگر ابھی حدود کابل سے لشکر نکلا بھی نہ تھا کہ جہانگیر میرزا کے انتقال کی خبر پہونچی بادشاہ نے فوراً ناصر میرزا کو جو بدخشان کا حاکم تھا۔ اور اسی زمانہ میں شیبانی خان سے شکست کھا کر خدمت شاہی میں حاضر ہوا تھا۔ حکومت غزنین پر مامور فرما کر رخصت کیا۔ اتنے میں شاہ بیگ اور محمد بیگ جو قندھار کے با اقتدار صوبے تھے۔ اور ازبکیہ کے قبضہ اور شیبانی خان کے تسلط سے نہایت تنگ اور عاجز ہو گئے تھے۔ حاضر دربار ہوئے۔ اور دست بستہ عرض کیا۔ کہ اگر حضور اس طرف رونق افزا ہوں تو ہم قندھار کا قلعہ اور قلعہ کے اطراف و جوانب خدام والا کے سپرد کر دیں۔ اور ازبکیوں کا اُس سرزمین سے بالکل قلع قمع کر دیں چنانچہ بابر شاہ نے تسخیر خراسان کی مہم کو چھوڑ دیا اور فوج کے ساتھ قلعہ قندھار کیطرف بڑھا۔ مگر جب بادشاہ قندھار میں جلوہ آرا ہوا تو شاہ بیگ اور محمد بیگ دونوں بھائی اپنے ارادہ سے نادم و پشیمان ہوئے۔ اور ازراہ غدر و بے وفائی بادشاہ کی ہمراہی سے علیحدہ ہو کر قلعہ میں محصور ہو گئے اور جانبین سے لڑائی کی تیاریاں

ہونے لگیں +

محصورین نے پورے ایک مہینے تک قلعہ کا دروازہ بند رکھا۔ اور جب غلہ و گھاس وغیرہ کیطرف سے مایوس و نا اُمید ہوکر تنگ آگیئے اور قلعہ سے نکلکر جان دینے پر آمادہ ہوئے تو قلعہ سے باہر ایک وسیع اور کھلے میدان میں دونوں لشکر صف آرا ہوئے۔ اور عظیم الشان معرکہ ہوا۔ مقابلہ و مقاتلہ کے بعد طرفین سے ایک جماعت کثیر قتل ہوئی۔ اور بے شمار لوگ مجروح و زخمی ہوئے۔ دونوں بھائی شکست کھاکر بھاگے اور پھر اُنہیں قلعہ میں گھسنا نصیب نہیں ہوا آخر کار بہادروں کی شمشیر کے صدمہ کے خوف سے زمین داورین جا پناہ لی۔ اور **فردوس مکانی** فتح و نصرت کے ساتھ داخل قلعہ ہوا اور ۹۰۸ھ ہجری کے آخر میں قندھار کا گردوں شکوہ قلعہ خدام والا کے تصرف میں آیا خزانے اور جواہرات اور مصالح جنگ بادشاہ نے اپنے قبضہ میں کر لیئے اور زرِ نقد جاں نثار اور وفادار لشکریوں کو تقسیم کر دیا +

محمد بابر بادشاہ اس مہم سے فارغ ہوکر پھر کابل میں رونق افروز ہوا اور اِن ہی فرخندہ انجام ایام میں شہزادہ ہمایوں کی ولادت ہوئی ۹۱۴ھ ہجری میں افغانان میمندی کی شورشوں اور بغاوتوں کی متواتر اور پے در پے خبریں نہایت وحشت کے ساتھ بادشاہ کے کانوں میں پڑیں اور وہ فوجی جاہ و حشم کے ساتھ اِن کی تنبیہ کے لیئے اسطرف روانہ ہوگیا۔ مغلیہ ازبکیہ کے لیئے یہ موقع بہت اچھا تھا اُنہوں نے بادشاہ کی غیبت میں ایک نیا ہنگامہ اُٹھا کھڑا کیا یعنے الغ بیگ کے فرزند عبدالرزاق کو اسپر ابھارا اُکسایا کہ وہ خسرو شاہ کے دعوے ارث میں علم بغاوت اونچا کرے اور بدخشان کو اپنے قبض و تصرف میں لے آئے۔ چنانچہ عبدالرزاق جو ابھی معاملات کے اُتار چڑھاؤ سے واقف

نہ تہا۔ اور نوجوان سادہ لوح تہا۔ بدنصیب ازبکیوں کے بہکانے میں آگیا اور
اطاعت شاہی سے منحرف ہوکر ازبکیوں سے ملگیا۔ چار پانچ ہزار سوار فراہم
ہوگئے۔ اور ہر طرف فساد کی آگ بھڑکا دی +

جس روز ازبکیہ کے اس شورش کی خبر شاہی لشکر میں شائع ہوئی تو فوج
میں ایسا ہنگامہ تفرقہ برپا ہوا۔ کہ اکثر فوجی افسر اور ندمار دربار یہ عذر آمیز عذر کرکے
کہ ہماری اہل وعیال مخالفوں کی شورش میں ضرور پامال ہورہی ہوگی۔ کابل کیطرف
روانہ ہوگئے۔ اور اسکی نوبت یہانتک پہونچی کہ پانسو سوار سے زیادہ بادشاہ
کی ہمراہی میں اور کوئی نہیں رہا۔ تمام بازار تاراج ہوگئے۔ اور لشکر میں سناٹے
کا عالم نظر آنے لگا۔ بادشاہ کے حق میں یہ موقع نہایت نازک اور اندیشناک
تہا اور ممکن تہا۔ کہ وہ گھبراجاتا۔ مگر اُسنے اس موقع پر ایسے تحمل اور استقلال کا ثبوت
دیا جسکی نظیر کہیں دستیاب نہیں ہوسکی۔ اس قلت جمعیت اور سنگینی تفرقہ نے
اسکے فراخ اور عالی حوصلے کو ذرا پست نہیں کیا۔ بلکہ وہ نہایت استقلال و اطمینان
کیساتھ تیرہ بخت افغانیوں کی آتش فساد بجھانے اور فتنے کو دبانے میں نہایت
کوشش اور سرگرمی کے ساتھ آمادہ و مستعد رہا۔ اور بنفس نفیس چند نبرد آزما
حملوں کے بعد جو صف ربا بہادروں کے مقابلے میں کیئے گئے تھے حوصلہ مند
اور دلیر بادشاہ مخالفوں کی صف میں گھس گیا۔ اور بے شمار جنگ آزما اور شیردل
پہلوانوں کو خون میں نہلاتا ہوا علم بردار وں کی صفوں تک پہونچگیا۔
افغانیوں نے شجاعت پناہ بادشاہ کی یہ بے نظیر جرأت و دلیری دیکھی تو شکست
کھاکر بھاگے۔ اور عبدالرزاق جو اس فساد کا بانی تہا گرفتار ہوکر اجل ہوا۔ اودھر
شیبانی خان اطراف ماوراءالنہر سے بے شمار فوج بہم پہونچاکر شاہ اسمٰعیل
صفوی کی حد قلمرو میں پہونچ گیا۔ اس سفر میں غریب خانہ زاد بیگم بھی

شیبانی خان کے ہمراہ تھی اور بجال تباہ زندگی بسر کرتی تھی۔ ظالم اور جفا کیش ازبک سرحد ایران میں پہونچے تو اونہوں نے سادات و قزلباش کے مال و عیال پر دست غارتگری کھولدیا۔ اور شاہ اسمٰعیل کی رعایا پر تاراجی کا بازار گرم کیا۔ شاہ اسمٰعیل صفوی کے پاس جب اِس قسم کی متواتر رپوٹیں اور خبریں پہونچیں۔ اور رعایا کے پے درپے استغاثے پیش ہوئے تو اُسنے ایک نہایت چالاک زبان فہم۔ آداب داں۔ ایلچی کو شیبانی خان کے پاس روانہ کیا۔ اور نہایت نرم لفظوں میں پیام دیا کہ تمہیں مردم آزاری اور ارادۂ فاسد سے باز آنا چاہیئے لیکن شیبانی خان وجاہت وریاست کے نشہ میں اِس قدر ملکنا چور اور مغرور تہا کہ جواب میں لکھبہیجا تجھے سلطنت و جہانداری کا دعویٰ ہرگز نہیں پہونچ سکتا۔ خاصکر ہمارے مقابلہ میں۔ کیونکہ ہم موروثی سلطنت رکھتے ہیں اور اکابر سلطنت کا توارث ہم میں چلا آتا ہے ساتھ ہی اپنے قاصد کے ہاتھ ایک بڑا عصا اور نہایت پرانی اور بوسیدہ گدڑی روانہ کی کہ ان دونوں چیزوں کو شاہ اسمٰعیل کے سامنے پیش کرکے کہے کہ تمہارے باپ دادا کی میراث یہ ہے۔ جو تمہارے سامنے موجود ہے۔ چنانچہ قاصد شاہ اسمٰعیل کے دربار میں حاضر ہوا۔ اور نہایت شائستگی اور آزادی کے ساتھ شیبانی خان کا پیام ادا کیا جسے کجکلاہ ایران سنے نہایت متانت وسنجیدگی سے سُنا اور سُنکر یہ جواب لکھا "حقیقت میں عصا اور گدڑی ہمارے آباؤ اجداد کا ترکہ ہے اور دین و دنیا کی سلطنت اور فقر دونوں سرمایۂ فخر ہیں۔ اور جب یہ ہے تو تجھے کسیطرح نہیں پہونچتا کہ ہماری ہمسری کا دعوےٰ کرے رہا تیرا یہ خیال کہ سلطنت امر متوارث ہے اور ملکداری اور جہانبانی تونے باپ دادا کی میراث میں پائی ہے یہ محض لغو اور بے سود خیال ہے اگر دراصل سلطنت متوارث ہوتی تو پیشدادیوں اور کیانیوں اور چنگیزیوں کی نسل کے ہوتے تجھہ تک کبھی نہیں پہونچ سکتی"

یہ کہکر شاہ اسمٰعیل نے ایک چرخہ ایک تکلا۔ تھوڑی سی روئی۔ قاصد کو دیکر روانہ کیا
اور کہا شیبانی خان کو یہ چیزیں دے کر کہدینا کہ یا تو گمنامی اور عزلت کے گوشہ میں بیٹھکر
اِس کام میں مشغول ہو جو تیرے قابل و سزاوار ہے۔ یا معرکۂ جنگ میں آحاضر ہو
تاکہ بالمشافہ کھلے میدان میں ذوالفقار حیدر کرار کی زبان سے تجھے جواب شافی
دیا جائے۔ مصرعہ۔ ببنیم کز ما بلندی کراست + اور اب ہم کو اپنے قریب
پہونچا ہوا جان +

قاصد دربار سے نکلکر تھوڑی ہی دور پہونچا ہوگا کہ شاہ اسمٰعیل نے فوراً فوجی
افسروں کو طلب کیا۔ اور امرار دربار سے مشورہ لیکر فوج کو مسلح ہونے کا حکمدیدیا
اُدہر تمام ممالک محروسہ میں احکام بہیجدیئے کہ ہر مقام پر معمول سے زیادہ فوج
نہ رہے۔ فاضل اور زیادہ فوج فوراً اسطرف روانہ ہوجائے۔ جب تمام فوج
دارالخلافۂ ایران میں جمع ہوگئی۔ اور ہر طرح کا سامان فراہم ہوچکا تو شاہ اسمٰعیل
بڑے فوجی تزک و احتشام کے ساتھ شہر سے نکلکر شیبانی خان کیطرف متوجہ ہوا
اگرچہ تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ اسوقت شیبانی خان کے ہمراہی میں
لاکھہ سواروں سے کم نہ تھے لیکن صاحب رشیدی نے صاف طور سے
لکھدیا ہے۔ یہ امر مشکل سے تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ شیبانی خان کی ماتحتی میں کبھی
لاکھ یا لاکھ سے زیادہ سوار رہے ہوں۔ خاصکر اسوقت میں جبکہ کجکلاہ ایران
کا معرکہ پیش آیا۔ اسوقت چونکہ اُسے شاہ ایران کے دفعتہً چڑھ آنے کا مطلق
خیال نہ تھا۔ اسلیئے اپنی فوج کے ایک بڑے حصے کو ملک خراسان کے ضبط
کرنے کو جابجا تعینات کر رکھا تھا چنانچہ جس وقت شاہ ایران کے مقابلہ میں
صف آرا ہوا پچیس ہزار سوار سے زیادہ اسکی ماتحتی میں فوج نہ تھی ۲۵ +
والیٔ ایران کے چڑھائی کی خبر سنکر شعبان کی انتیس تاریخ کو شیبانی خان

اپنی جگہ سے اُٹھا اور ازراہ غرور شاہ اسمٰعیل کے مقابلہ کے لیئے روانہ ہوا۔ اُسے اُمید تھی کہ فوج متفرق میرے بعد فراہم ہو جائے گی۔ اور میدان جنگ میں جب میں معرکہ آرا ہونگا۔ تو وہ میری کمک پر آموجود ہوگی۔ مگر شاہ اسمٰعیل نے اس قدر مہلت ہی نہیں دی۔ اور اُسکی تمام آرزوؤں پر ناکامی کا پانی پھیر دیا دونوں فوجیں صف آرا ہوئیں۔ تو شیبانی خان اظہار تہوری وجلادت کے لیئے معرکہ جنگ میں تنہا آکھڑا ہوا۔ لیکن جسوقت جانبازان صفوی کی تیغ برق کی چمکیلی شعاعیں میدان میں پڑیں۔ اور ایرانی فوج کا عظیم الشان سیلاب موجزن ہوا تو شیبانی خان کو بجز راہ فرار کے اور کوئی بات کہتے دھرتے بن ہی نہیں پڑی۔ ازبکیہ قوم کے قدم ڈگمگا گئے۔ اور وہ ایرانی بہادروں کی تلواروں کے سامنے ٹھہر نہ سکے۔ آخر کار شیبانی خان اور اوسکے ساتھ اُسکی ساری فوج شکست کھا کر بھاگی۔ اور قزلباشوں نے تعاقب کرکے مقتولوں کی لاشوں سے جنگل کو پاٹ دیا۔ تقریباً پانسو سوار جنمیں بیشتر نامور شہزادے اور بااقتدار امرا تھے۔ ایک چہار دیواری میں جہاں مسافروں اور دھقانوں کے مویشی رہتے تھے پناہ گزیں ہوئے۔ اور محاصرے کے بعد حرکت مذبوحی کرکے قزلباشوں کے خون آشام تلواروں کے لقمے بنیں ہزار ازبکیوں کے قریب جنکے ساتھ بہت سی عورتیں اور بچے بھی تھے۔ ایرانیوں کے ہاتھوں گرفتار ہوئے بحکلاہ ایران کامیابی وفتحمندی کے ساتھ ہرات میں آیا اور یہاں کے باشندوں میں مذہب تشیع پھیلانا چاہا مگر چونکہ اس شہر کے معززوا کابر نے اسکی اطاعت پر سر تسلیم خم نہیں کیا اسلیئے اسنے طیش میں آکر جامع مسجد کے خطیب اور شیخ الاسلام کو قتل کر ڈالا اسوجہ سے سارے شہر میں شاہ اسمٰعیل کیطرف سے عام بد دلی پھیل گئی۔ اور عائد شہر بگر بیگ خان میرزا فردوس مکانی بابر شاہ کا بھتیجا تھا اور بدخشان میں حکومت کرتا تھا۔

شاہ اسمٰعیل کی فتح کی خبر پر مطلع ہوا تو فردوس مکانی کی خدمت میں خط لکھا جس کا
مضمون یہ تھا "شیبانی خان آپکا دشمن شکست کھا کر بھاگا اور قوم ازبکیہ کے بےشمار
سردار میدان جنگ میں قتل کئے گئے اگر ایسے وقت شہنشاہ اسطرف رونق افروز
ہوں تو بدقسمت شیبانی خان اور مغرور ازبکیوں کا پورے طور پر قلع قمع ہو سکتا ہے"
بادشاہ یہ فرحت اثر خوشخبری سُنکر روانہ بدخشان ہوا اور خان میرزا کو ساتھ لیکر
حصار میں پہونچا چونکہ ازبکی بادشاہ کے اسطرف بڑھنے کی خبر سُنکر پہلے ہی سے
حصار کے بندوبست کیطرف متوجہ ہو چکے تھے اسلیئے اِس مرتبہ فردوس مکانی کو
کسطرح کی کامیابی نہیں ہوئی +

اسی اثنا میں شاہ اسمٰعیل صفوی کا فرحت افزا محبت نامہ بادشاہ کے نام پہنچا۔
جسمیں ازبکیوں کے استیصال اور شیبانی خان کی شکست کی کیفیت درج تھی۔
اور ساتھ ہی ایک نہایت مبارک اور خوش کن خبر یہ بھی تھی کہ خانزادہ بیگم جو ظالم
شیبانی خان کے پنجہ میں گرفتار تھی نہایت حرمت و عزت کے ساتھ ایران میں
موجود ہے اور اس محبت نامہ کے عقب میں روانہ خدمت ہوتی ہے۔ اس خط کو
پڑھ کر بادشاہ جوش مسرت سے اچھل پڑا۔ اور فوراً ایک تہنیت نامہ شاہ اسمٰعیل
کو روانہ کیا۔ تہنیت نامہ ایران پہنچنے نہ پایا تھا کہ شیبانی خان کے قتل کی
خبر موصول ہوئی۔ لہذا شاہ اسمٰعیل نے خانزادہ بیگم کو نہایت اعزاز و اکرام کے
ساتھ فوج کے ایک بڑے دستے اور چند بدرقوں کے ساتھ بادشاہ کیخدمت
میں روانہ کیا اور اتحاد موروثی کے اظہار کے لیئے بہت سے گرانبہا اور قیمتی
تحفے جو بادشاہ کے لائق و سزاوار تھے پیش کیئے۔ خانزادہ بیگم بھائی کی خدمت
میں حاضر ہو کر نہایت شائستگی کے ساتھ آداب بجالائی۔ اور پُرنم آنکھوں سے
آنسوؤں کی ندیاں بہاتے ہوئے قدموں پر گر پڑی۔ بابر شاہ نے اپنی ہمشیرہ

کے سر کو اُٹھایا اور دیر تک زار و قطار روتا رہا۔ شاہی بیگمات کو اطلاع ہوئی تو
سب دوڑی ہوئیں باہر آئیں اور خانہ زاد بیگم کو بڑے اعزاز و اکرام سے محل میں
لے گئیں۔ بادشاہ نے اس خوشی میں ایک عظیم الشان جشن مرتب کیا اور ہوا خواہان
دولت کی گودیاں زر و نقد سے لبریز کردیں۔ والیٔ ایران کو فتح کی مبارکباد دی اور
خانہ زاد بیگم کی مشکوری میں ایک اور تہنیت نامہ مع اُن تحائف و ہدایا کے
جو بادشاہوں کی شان کے لائق و سزاوار تھے۔ خان میرزا کو دے کر روانہ کیا
اور اظہار یگانگت و دوستی کے عالم میں کمک کو بھیجنے کا ارشاد فرمایا +

شہزادہ خانم

یہ ہردلعزیز اور حسین بیگم جلال الدین محمد اکبر بادشاہ کی دختر ہے جو حسن و خوبصورتی
کے علاوہ علم و فضل اور سخاوت و فیاضی میں اعلےٰ درجہ کی شہرت رکھتی تھی۔ تاریخ
سے کچھ اس کا پتہ نہیں چلتا کہ یہ عصمت مآب شہزادی عرش آشیانی کی کس بیگم
کے بطن سے پیدا ہوئی تھی اسکے حالات زندگی بالکل تاریکی میں ہیں لیکن قیاس سے
معلوم ہوتا ہے کہ جہانتک بھی اسکے واقعات ہونگے نہایت دلچسپ اور پرلطف
ہوں گے۔ کیونکہ یہ اُن مشہور بیگمات میں سے ہے جو گمنامی کے دائرہ سے نکلکر مشرقی
دنیا کے تمام حصوں میں نیکی اور ناموری کے ساتھ شہرت پاچکی تھیں ۹۸۰ ہجری
میں۔ مظفر میرزا کے ساتھ جو نہایت معزز و ممتاز شہزادہ تھا اور بلحاظ تعزز
بڑے رتبے کا آدمی تھا۔ اِس بیگم کی شادی ہوی اور نہایت تجمل و احتشام کے ساتھ
ہوئی ۹۸۰ھ کے آغاز میں جب والی برہانپور نے مظفر میرزا اور اُسکی والدہ
گلرخ بیگم کو قید کرکے مع تحائف و ہدایا کے اکبر بان داس اور قاعدہ فہم ایلچی کی ہمراہی

میں جلال الدین محمد اکبر کی خدمت روانہ کیا تو بادشاہ نے ازراہ فضل و عنایت مظفر
میرزا کو قید سے آزاد کر دیا اور نہایت اعزاز و احترام سے اپنے ہاں مہمان رکھا
چونکہ مظفر میرزا نہایت قابل تعلیم یافتہ شخص تھا اُسنے چند روز میں بادشاہ کو
اپنا گرویدہ کر لیا اور شہامت پناہ بادشاہ نے اپنی عزیز اور چہیتی لڑکی شہزادہ
خانم کو اسکے عقد میں دیکر معزز و مفتخر کیا ؎

دِل پذیر بانو بیگم

یہ شہزادی بادشاہزادہ محمد شجاع کی بیٹی اور ابو المظفر شہاب الدین شاہ
جہان بادشاہ کی پوتی ہے ۱۰۴۲ھ ہجری میں پیدا ہوئی غریب دلپذیر بانو بیگم
پیدا ہوئی تو اُس کی مہربان۔ اور شفقت مآب ماں۔ اپنی ننھی سی بچی کا رنج
مفارقت لیکر دنیا سے اُٹھ گئی یہ میرزا رستم صفوی کی دختر تھی جو انتظامی امور
اور اصلاح خانہ داری میں اپنا نظیر نہیں رکھتی تھی شہزادہ محمد شجاع اسے بہت
چاہتا تھا۔ اور سفر و حضر میں ایک لمحہ کے لیئے بھی جدا کرنا پسند نہیں کرتا تھا جب
زمانہ میں دلپذیر بانو بیگم پیدا ہوئی حضرت اعلےٰ یعنی دلپذیر بانو بیگم کا جدامجد
شاہجہان بادشاہ ملک کشمیر میں جلوہ آرا تھا اور صبح و شام اُس سرزمین کے
دلکش اور نزہت بخش باغوں میں سیر و تفرج کرتا اور راتیں بزم نشاط میں
گزارتا تھا کہ دفعتہً دلپذیر بانو بیگم کے پیدا ہونے اور اُسکی مہربان ماں کے
انتقال کر جانے کی خبر پہونچی۔ بادشاہ یہ وحشتناک خبر سُنتے ہی گھبرا گیا۔
اور کشمیر کے سیر و شکار سے اُس کی طبیعت بالکل اچاٹ ہو گئی برخاستگی
طبع کی ایک وجہ یہ بھی ہوئی کہ شاہزادہ محمد شجاع اُس موقعہ پر برہان پور کی

طرف روانہ ہوچکا تھا اور چونکہ وہ اپنی اہلیہ کو انتہا سے زیادہ دوست رکھتا تھا۔
حضرت اعلیٰ کو خیال ہوا کہ مبادا شہزادہ کا مزاج بگڑ جائے اور یہ جانکاہ صدمہ
اسکے دل و دماغ پر اپنا موذی اثر ڈالکر اُسے دین و دنیا سے گیا گزرا کر دے۔
اِس لحاظ سے وہ فوراً کشمیر سے چل کھڑا ہوا اور یہاں پہونچکر مرنے والی کی
تعزیت میں شریک ہوا۔ بے ماں کی بچی کو گودی میں لیا۔ اور اسے پیار کرکے
دلپذیر بانو بیگم نام رکھا۔ اِس سے زاید حالات زندگی دلپذیر بانو بیگم کے باوجو
تحقیقات کے ہمیں دستیاب نہیں ہوئے۔ اور یہاں سے آگے تاریخ پر
تاریکی چھائی ہوئی ہے۔ لہذا ہم بھی اسکے واقعات کو یہیں ختم کیئے دیتے ہیں+

بی بی دودو

یہ مشہور شجاع عورت جلال خان کی ماں اور بہادر خان لوہانی کی بی بی
تھی۔ خان لوہانی بڑا دلیر اور جانباز آدمی تھا اور اسکی بی بی اس سے بڑھکر
جری اور شجاع تھی۔ چنانچہ خان لوہانی کو جو عروج اور حکومت حاصل ہوئی وہ
بی بی دودو کی بے نظیر بہادری اور عدیم المثال دلیری ہی کا نتیجہ تھا۔ تاریخ فرشتہ
میں لکھا ہے کہ خان لوہانی جسنے صوبہ بہار میں عَلَمِ سلطنت بلند کیا اور بعد کو اپنے
تئیں سلطان محمد کے خطاب سے مشہور کیا اپنی عورت بی بی دودو نامی کی حسن
تدبیر اور حد سے زیادہ جرأت و دلیری کی وجہ سے وارث حکومت قرار پایا شیرشاہ
جو ایک عرصہ تک ہندوستان کے دار الخلافہ آگرہ پر حکمران رہا۔ اور ہمایوں
شاہ کو ہند سے جلاوطن کر دیا۔ ابھی سلطان محمد کا باوفا اور نہایت مدبر وزیر تھا اور
چونکہ سلطان محمد خود بھی بہادر اور دلیر تھا اسلیئے بہادر اور دلاور شخص کی بے انتہا

قدر کرتا تھا۔شیرشاہ اصل میں حسن جاگیردار کا لڑکا تھا اور اپنے باپ اور سوتیلی ماؤں کی بے توجہی اور بے مات بھائیوں کے خرخشوں کیوجہ سے وطن کو خدا حافظ کر کے سلطان محمد کے ملازموں کی فہرست میں داخل ہو گیا تھا۔چونکہ شجاع اور دلیر تھا۔اور اُس سے روز بروز جوہر شجاعت اور کاروانی کے نمونے ظاہر ہوتے تھے اور سلطان محمد اسکے کارنمایان کو قدر و وقعت کی نگاہوں سے دیکھتا تھا ایکدن کا ذکر ہے کہ سلطان محمد شکار میں تھا اور ایک موقع پر لشکریوں سے بہت دُور جا پڑا تھا۔اتفاقاً ایک خونخوار شیر نمودار ہوا جسنے نہایت غیظ و غضب کیساتھ سلطان محمد پر حملہ کیا۔اسموقعہ پر شیرشاہ موجود تھا۔فوراً تلوار پکڑ کر شیر پر جھپٹا اور ایک ہی ضرب میں اُسکا کام تمام کر دیا سلطان محمد نے اسکی یہ بے جگری دیکھکر چھاتی سے لگا لیا اور خلعت فاخرہ اور انواع و اقسام کی رعایتوں سے معزز و سرفراز فرمایا۔جلال خان جو سلطان محمد کا سب سے بڑا فرزند تھا اور منصب ولیعہدی سے مفتخر و ممتاز ہو چکا تھا۔سلطان محمد نے اُسے شیرشاہ کے حوالے کر دیا اور تمام دولت و ریاست کا مختار کر کے عزلت نشینی اختیار کی۔مگر ابھی بہت تھوڑا عرصہ گزرا تھا کہ شیرشاہ بادشاہ سے رخصت حاصل کر کے اپنی جاگیر پر چلا گیا۔اور ایک مدت وہاں بسر کی *

جب سلطان محمد نے انتقال کیا تو بموجب وصیت حکومت کی باگ شیرشاہ اور جلال خان کے ہاتھ آئی۔لیکن بی بی دودو جلال خان کی ماں نے اس اشتراک کو پسند نہیں کیا۔اور چونکہ وہ خود آئین سلطنت سے واقف اور حکمرانی کے قواعد سے ماہر تھی اسلیئے جلال خان کو اپنا موافق پاکر خود تخت سلطنت پر جلوہ فرما ہوئی اور چندروز تک نہایت شائستگی اور آزادی کے ساتھ حکومت کرتی رہی لیکن جب وہ بھی انتقال کر گئی تو اب شیرشاہ کے لیئے بالکل میدان صاف تھا خود تخت سلطنت

پر متمکن ہوگیا۔ اور بالاستقلال حکومت کرنے لگا۔ اسی اثنا میں والیٔ بنگالہ اور حاکم بہار میں نزاع اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اور شدہ شدہ جنگ وجدال کی نوبت پہونچی شیرشاہ ایک مدت سے اسموقع کا منتظر تہا اور لڑائی کا بہانہ ڈہونڈہتا تھا۔ ان دونوں حکمرانوں کا نفاق اسکی طبع آزمائی کا اور بھی محرک ہوا بے دھڑک ایک فوج عظیم لیکر اودہر متوجہ ہوا۔ اور بعد نمایاں تردد کے فتح پائی بہت سے بیش قیمت ہاتھی جو چاندی سونے کے سامان سے آراستہ تھے اور بے شمار خزانے اور جواہر شیرشاہ کے قبضے میں آ گئے اور فتح کے نقارے چاروں طرف بجگئے +

اِس فتح سے بعد شیرشاہ کا اقتدار ہرطرف پہیلتا چلا گیا۔ اور اب اس کی سلطنت کی جڑ خوب مستحکم ومضبوط ہوگئی۔ اسکی شجاعت وجلادت کے افسانے جستہ جستہ لوگوں کی زبانوں پر آنے لگے اور حسن تدبیر ولیاقت کے ترانے نہایت دلچسپی اور خوش الحانی کے ساتھ گائے جانے لگے۔ لوہانیوں کی ایک بڑی جماعت جو جلال خان کی موروثی مقرب تھی۔ شیرشاہ کیطرف سے بدظن ہوگئی اور اِس بدظنی کی نوبت یہانتک پہونچی کہ باہم سخت عداوت پیدا ہوگئی۔ یہ لوگ چاہتے تھے کہ جسطرح بن پڑے شیرشاہ کے رشتۂ حیات کو بالکل قطع کردینا چاہیئے الغرض اِدہر تو انہوں نے یہ منصوبے پکائے اور اُدہر جلال خان کے کان شیرشاہ کی برائیوں اور بدخواہیوں سے بھردیئے آخرکار دونوں میں رنجش پیدا ہوگئی اور یہ رنجش بڑہتے بڑہتے اِس حدتک پہونچی کہ جلال خان اور لوہانیوں کی ایک کثیر جماعت علیحدہ ہوگئی اور بہار وبنگالہ کے تمام امرا نے جلال خان سے اتفاق کرلیا۔ جانبین سے فوجیں صف آرا ہوئیں اور ایک عظیم الشان اور سخت معرکے کے بعد شیرشاہ قلعہ گڑہی میں جو خود اسکا ساختہ وپرداختہ تہا مغلوب ہوکر محصور ہوگیا۔ مگر چونکہ اسکا ستارۂ اقبال اوج عروج پر تابان تہا اور بخت واتفاق

موافق و مددگار رہتے - لہذا بہت زمانہ گزرے تھے کہ وہ اپنے دشمنوں پر غالب آگیا بیشتر لوگ قتل ہوئے اور بقیۃ السیف گرفتار ہو کر قید کیئے گئے جلال خان نے کمال پریشانی اور بے سر و سامانی کے ساتھ شکست کھائی اور بے شمار خزانے انگنت گھوڑے اور گرانبہا جواہر دوبارہ شیرشاہ کی غارتگری اور تاراجی میں آئے بہار و بنگالہ کی سلطنت اور اون کے اطراف و جوانب کی حکومت نے شیرشاہ کے آگے سر تسلیم خم کر دیا اور اب وہ بالاستقلال ان شہروں کا حکمران ہوگیا *

دل رس بانو بیگم

یہ حسین و پریچہر بیگم شاہ نواز خان صفوی کی عزیز و چہیتی لڑکی اور محی الدین محمد اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ کی بیوی تھی جو انتہا درجہ کی شکیلہ و جمیلہ تھی - اور شکیلہ و جمیلہ ہونے کے علاوہ فصاحت و بلاغت اور سلیقہ شعاری میں یکتائے زمانہ تسلیم کیجاتی تھی - اور ساتھ ہی فقیر دوست اور غربا پرور اعلے درجہ کی تھی اِس سے غربا اور مسافر بہت فیضیاب ہوتے تھے اور اسکی داد و دہش اور جود و سخا کا آوازہ سُنکر لوگ دور دور سے آکر متمتع ہوتے تھے - بادشاہ کو اس بیگم سے انتہا درجہ کی محبت تھی - کیونکہ قدرت نے اسے وہ تمام خوبیاں عنایت کی تھیں جو عورتوں میں ہونی ضرور ہیں - اورنگ زیب کی تین بیویاں اور بھی تھیں - نواب بائی اورنگ آبادی - بائی اودیپوری مگر جس قدر تعشق بادشاہ کو اس بیگم سے تھا کسی اور سے نہ تھا - اور اسکی بڑی وجہ یہ تھی کہ دل رس بانو بیگم نہایت بیدار مغز اور اولوالعزم اور شجاع اور عالی ہمت عورت تھی - اگرچہ نرم مزاج اور حلیم الطبع تھی مگر ساتھ ہی سرد مہر اور غصیلی بھی تھی - ظاہر میں تیز ہوش اور زیرک تھی -

لیکن باطن میں کچھ کچھ تکدر بھی رکھتی تھی کہتے ہیں کہ اسے کچھ مذہبی تعصب بھی تھا اور یہ ہمیشہ ہندؤں سے زیادہ نفرت اور رنج رکھتی تھی۔

عالمگیر کے ہاں دلرس بانو بیگم کے بطن سے پانچ اولادیں پیدا ہوئیں ایک دو لڑکے اور تین لڑکیاں لڑکوں کا نام محمد اعظم اور محمد اکبر تھا محمد اعظم جو شعبان کی بارہویں تاریخ ۱۰۶۳ھ ہجری میں پیدا ہوا اور بعد کو ایک عرصہ تک حکومت و سلطنت کر کے اٹھارہویں ربیع الاول کو عالمگیر کی وفات کے تین مہینے اکیس روز بعد ایک سخت معرکہ آرائی میں زیب افزائے صدر رحمت و مغفرت ہوا دوسرے فرزند کا نام محمد اکبر تہا جو بارہویں ذی الحجہ ۱۰۶۷ھ ہجری کو پیدا ہوا سن وفات معلوم نہیں لڑکیوں کے نام یہ ہیں۔ زیب النساء بیگم جو دسویں شوال ۱۰۴۸ھ ہجری کو پیدا ہوئی اور ۱۱۱۳ھ ہجری میں وفات پاگئی۔ زینت النساء بیگم جو غرہ شعبان ۱۰۵۳ھ ہجری میں پیدا ہوئی اور سن وفات باوجود تحقیق کے معلوم نہیں ہوا۔ زبدۃ النساء بیگم جو چھبیسویں رمضان ۱۰۶۱ھ ہجری میں پیدا ہوئی اور جس مہینے میں عالمگیر نے انتقال کیا اتفاق سے اسی مہینے میں اسنے بھی وفات پائی۔ الغرض دلرس بانو بیگم نے ایک تو اپنی حسن لیاقت اور ذاتی قابلیت سے عالمگیر جیسے مدمغ اور ہوشمند بادشاہ کو اپنا گرویدہ بنالیا تہا اور دوسری وجہ یہ بھی تہی کہ وہ کثیر الاولاد اور ذی عیال تہی اس سے بادشاہ دوسری بیگمات پر اُسے ہمیشہ ترجیح دیتا اور ہر موقع پر اس کی رضامندی اور دلجوئی کو مقدم رکھتا تہا۔

دلرس بانو بیگم کا باپ شاہ نواز خان جو زیرکی و دانائی میں اپنا نظیر نہیں رکھتا تہا اور عالمگیر کی طرف سے گجرات کی صوبہ داری کے معزز منصب پر ممتاز تہا اپنی لڑکی اور اکلوتی لڑکی سے بیحد محبت رکہتا تہا یہی وجہ تہی کہ ابتدا میں

دلرس بانو بیگم کا اُس سے جدا ہونا اس کے لیئے تکلیف کا موجب ہوا شادی کے بعد اُسنے چند روز تک یہ طریقہ برتا کہ مہینے میں ایک دفعہ ضرور آگرہ یا دہلی مین آکر بیٹی کو دیکھ جاتا اور دوسرے تیسرے مہینے اپنے ہمراہ وطن میں لیجاتا۔ اِس سے زیادہ دلرس بانو بیگم کے واقعات ہمین تاریخ سے دستیاب نہیں ہوئے اور جو ہوئے ہیں وہ ایسے بے سرو پا ہیں جن کے واقع کے مطابق ہونے میں ہمیں خود کلام ہے اِس لیئے اُنہین یہان نقل کرکے ناظرین کا وقت ضایع کرنا مناسب نہین سمجھتے *

روشن آرا بیگم

یہ پاکدامن اور عفت مآب خاتون ابو المظفر شہاب الدین محمد شاہجہان کی بیٹی اور عالمگیر اورنگ زیب کی ہمشیرہ ہے جس کی عالی دماغی اور فراخ حوصلگی دُنیا مین مشہور تھی یہ حوصلہ مند اور رفیع الشان بیگم بڑی ہوشمند اور تیز فہم تھی اور مرحوم شاہجہاں اِس کی زیرکی اور دماغ سوزی کی حد سے زیادہ عزت کرتا تھا شاہجہان کے انتقال کے بعد عالمگیر نے اِس کی گذشتہ وقعت برقرار رکھنے میں کوشش کا کوئی دقیقہ اوٹھا نہیں رکھا اور ہر موقع پر اسکی خوشنودی مزاج کا خواستگار رہا۔ تلاش کرنے سے تاریخ میں اِس قسم کی مثالین بکثرت پائی جاتی ہین کہ عالمگیر اپنی عزیز اور چہیتی ہمشیرہ روشن آرا بیگم کو اپنی تمام اقارب میں نظر وقعت وانتخاب سے دیکھتا تھا اور شاذونادر ہی کوئی ایسا جشن اور خوشی کا موقع ہوا ہو گا جس میں محترم بیگم کو انعام واکرام سے مالامال نہ کیا ہو۔ چنانچہ میں اِس دعوے کے ثبوت میں صرف ایک واقعہ تمثیلاً پیش کرتا ہون اور اس ایک واقعہ کو کافی ہی سمجھتا ہون *

سنہ ہجری میں جب شہنشاہ عالمگیر راجہ کرن کی مہم سر کرنے کی غرض سے روانہ ہونے والا تہا تو اُس نے اپنے امراؤ اور فوجی افسرون کا دل بڑہانے اور ہمت بندہانے کے لیئے ایک عظیم الشان جشن ترتیب دینے کا حکم دیا اور چونکہ اس جشن میں تمام جان نثاران سلطنت اور بہی خواہان دولت مدعو تھے اس لیئے بہ نسبت اور جشنون کے اِس میں خاص اہتمام مدنظر تہا سامان جشن فراہم و مہیا ہونیکے بعد جہان پناہ تخت پر جلوس فرما ہوئے اور آراکین دولت افسران فوج نے خوشی کے نعرے بلند کرتے ہوئے نہایت آدب سے بادشاہ کو مبارک بادی جسکے صلہ میں شہنشاہ نے ہر ایک عہدہ دار کی گودی زر و گوہر سے لبریز کردی اور ارباب استحقاق کو بہت عرصے کے لیئے متمول و مستغنی کر دیا اگرچہ جشن کی بنیاد ایک نہایت ضروری پولٹکل بات پر تہی اور افسران فوج اور عہدہ داران ملک کے علاوہ انعام و اکرام کے لیئے منتخب نہین کیا گیا تہا مگر تاہم بادشاہ نے اپنی ہمشیرہ روشن آرا بیگم کی دلشکنی کے خیال سے دو ہزار اشرفیان اسکے سامنے پیش کین جبکہ وہ مبارکبادی دینے اور سلام کرنے کی غرض سے بادشاہ کے سامنے آئی - اِس مخبر اور نیک دل بیگم نے روز پنجشنبہ سترہوین جمادی اولی سنہ ہجری کو نقاب عدم مین منہ چہپایا اور خلوت سرائے عالم قدس میں آرام کیا ؎ این نیز گذشت ازین گذرگاہ + وآن کیست کہ نگزرد درین راہ + راہیست عدم آنچہ ہستند + از آفت قطع و نرستند + با این عقبہ کہ وارد ایام + انجام کہ میکند سرانجام +

روشن آرا بیگم کی تعریف مین مورخین کے متفقہ الفاظ یہ ہیں کہ یہ عصمت مآب ملکہ خصائل حمیدہ اور شمائل پسندیدہ کے ساتہہ موصوف تہی اور سخاوت و فیاضی جو شرافت انسانی کے بیش بہا جوہر ہیں بدرجہ کمال رکہتی تہی اسنے ابتدا ء نشو و نما کے زمانہ سے لیکر وفات کیوقت تک اپنے مہربان بہائی کی نسبت ہمیشہ محبت و وفاداری کا ثبوت دیا

اور کسی موقع پر اسکی ذرا ہی مخالفت نہیں کی - عالمگیر کو ایسی محترمہ و شفیقہ بہن کے انتقال
پر جو صدمہ ہوا اسکی کوئی انتہا نہیں - اسکی پُر نم آنکھون سے آنسوُون کی ندیان پڑی بہ
رہی تہین اور دل غم مین ڈوبا ہوا تہا اول اول اسنے بہت ضبط کیا اور اپنی زندہ دلی کو
مرحوم روشن آرا بیگم کے پس ماندون سے مخفی رکہا - لیکن آخر کار وہ اس فطری جوش
کو ضبط نکر سکا جو اسے روشن آرا بیگم کے ساتھ تہا وہ دفعتہً چیخ پڑا اور مرحومہ کی نعش پر
زار قطار رونے لگا - مگر اسنے اپنے تئین سنبہالا اور قادر مختار خدا کی رضا پر گردن تسلیم
خم کر کے تجہیز و تکفین میں مشغول ہوا اور پاک نہاد مرحومہ کی روح خوش کرنے کے
لیئے خیرات کے تمام طریقے بجالایا مرحومہ کے جسقدر متعلقین تھے کیا مرد کیا عورت
سب کو عنایات خسروانہ سے سرفراز فرما کر لباس تعزیت اوتروایا اور خلعت فاخرہ
زیب جسم کیئے *

اسبات کا ظاہر کرنا کہ صاحب قرآن ثانی شاہجہان بادشاہ کو مرحومہ روشن آرا بیگم
کے ساتھ کسقدر محبت تہی اگرچہ محتاج بیان نہین کیونکہ تاریخ میں سینکڑون اس
قسم کے واقعات موجود ہین جن سے یہ بات اچھی طرح پایۂ ثبوت کو پہونچتی ہے - کہ
شاہجہان اپنی پیاری اور ہر دلعزیز بیٹی کو انتہا درجہ دوست رکہتا تہا تاہم ناظرین کی
دلچسپی کے لیئے تمثیلی واقعہ اس جگہ درج کیا جاتا ہے - جب ابو المظفر شہاب الدین
صاحب قرآن ثانی شاہجہان بادشاہ غازی نے جنکا سلسلہ نسب دس واسطون سے
امیر تیمور گیتی ستان انار اللہ برہانہ تک پہونچتا ہے دار الخلافہ میں شرف نزول فرمایا
اور ساتوین جمادی الاول سنہ ۱۰۳۷ ہجری کو رونق افزائے تخت سلطنت ہند ہوا
تو مساجد کے فلک منزلت منبرون نے اسکے نام نامی کے خطبے سے از سر نو رونق
پکڑی اور زر سرخ و سفید نے اسکے اسم شریف سے تازہ سرخ روئی حاصل کی - اس سراپا
امید اور فرحت افزا نوید کی تہنیت سے نسیم مسرت نے ہندوستان کے تمام

باشندون کے قالب مین روح تازہ پھونکی اور انتہائے جوش مسرت مین ہر
شخص کی زبان پر یہ الفاظ جاری ہوئے ؎ شہ گیتی ستان جمشید ثانی *
سرافرازی دہ تاج کیانی * خداوندہ اان شاہ جہانش * مسخر شد زمین
و آسمانش * کوس شادی کے طنطنہ اور زہرہ مثال زامشگرون کے رقص اور حور
تمثال مغنیون کی نغمہ پردازی سے جھاڑ وسان بہشت کی طرح سرگرم ناز و خرام تھے
آسمان و زمین عیش و نشاط سے لبریز ہوگیا اور ہر طرف سے اس دلکش صدانے
اُٹھہ اُٹھہ کر لوگوں میں ایک ایسا ذوقِ سرور پیدا کیا جس کی کچھ حد نہیں ؎
وزان جشن فرح بخش و طرب خیز * جہانان شد زمین از عیش لبریز * نہ تنہا ساز عشرت شد طرب ساز
کہ برگ عیش عالم شد خداساز * جہان امروز داد خورمی داد * زمادرگوئے اندم خورمی داد
حضرت اعلیٰ امراؤ دربار کے آداب و سلام اور ارکین سلطنت کے نثار و نچھاور کے
بعد جب شبستان عیش مین تشریف فرما ہوئے تو سب سے پہلے نواب قدسیہ
ارجمند بانو بیگم المخاطب بہ ممتاز محل نے سیم و زر سے بھرے ہوئے خوان اور لعل و
گوہر سے لبریز طبق بطریق رسم مبارک بادی بادشاہ کے سر مبارک پر نچھاور کئے
بعدہٗ جہان آرا بیگم اور دوسری بیگمات محل شرط نثار و تہنیت بجالائین - بادشاہ
نے دو لاکھ اشرفیان اور کچھ روپے ممتاز محل کو اور ایک لاکھ روپیہ نواب روشن آرا بیگم
اور نواب جہان آرا بیگم اور ثریا بانو بیگم کو عنایت فرمایا اور چونکہ نواب روشن آرا بیگم
اس موقع پر کچھ علیل تھی اس لئے بادشاہ نے ان لوگون کو یہیں چھوڑ کر سیدھا
رستہ بیگم مذکور کے کمرہ کا لیا اور نہایت گرم جوشی کے ساتھ اُس کی پیشانی
کا بوسہ لیا اور محبت سے اپنے پہلو میں بٹھایا اور بہت کچھ تسلی و دلجوئی کر کے
شبستان عیش میں رونق افروز ہوا - الغرض بادشاہ اس بیگم کو دل سے چاہتا تھا
اور ہمیشہ اس کی مراعات پیش نظر رکھہ کر تمام پر اس کی خوشنودی و رضامندی کو

مقدم رکھتا تھا +

روپ متی

یہ حسن کی دیبی اور نور کے سانچے میں ڈھلی ہوئی پتلی ملک مالوے کی رہنے والی قوم ہنود سے تھی جسکی حسن وخوبی کا عالمگیر شہرہ مشرقی دنیا کی تمام شاخوں میں نہایت دلچسپی کے ساتھ پھیل رہا تھا اور نزاکت ولطافت کا چرچا زبان زد خاص وعام تھا یہ اگرچہ کسی راجہ یا معزز سردار کی بیٹی نہ تھی مگر تاہم جس خاندان کے سلسلہ میں منسوب کی جاتی تھی نہایت شریف وممتاز خاندان سے تھا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ روپ متی پدمنی کی قسم سے تھی یعنے اس میں تمام وہ ادائیں اور علامتیں پائی جاتی تھیں جو پدمنی کی تعریف وشناخت میں لوگوں نے بیان کی ہیں یہ نازنین ایک نہایت ہی حسین عورت تھی اور ناز وحسن کے علاوہ نزاکت کا بہت بڑا حصہ رکھتی تھی کوئی اٹھارھواں ہی سال ہوگا کہ لوگوں کے پیاموں کی بوچھاڑ پڑنے لگی مگر اُسنے کسی شخص کو اپنے لیئے پسند نہیں کیا اور اس کے عالم آشوب حسن نے کسی کی قید میں رہکر زندگی بسر کرنیکی اجازت نہیں دی سکا گورا گورا چہرہ نہ تو بالکل مدور ہی تھا نہ لنبا ہی بلکہ متوسط اور مائل بہ تدبیر تھا ہرے پر بھولاپن ایسا ہی پیارا اور دلفریب معلوم ہوتا تھا جیساکہ دلربائیں وشیار ہونے پر الڑھ پن مزا دیتا تھا۔ سیاہ آنکھیں اگرچہ قدرت کی عمدہ صنعت سے بڑی اور خوشنما نہیں تھیں۔ مگر شرم وحیا انہیں دبا دبا کر چھوٹا ثابت کرتی تھیں ول سے زیادہ خوبصورت اور نازک رخسار سے پر ایک نہایت خوشنما خال ا جو سرخی مائل سفید گال پر ایسا چمکتا تھا جیسے شفق میں ستارہ جھلملا جھلملا رچمکتا ہے۔ صاف اور مدور پیشانی بدر کامل کی طرح ہر وقت جگمگ جگمگ کرتی ی جوش وآلودگی کی وجہہ سے اکثر اوقات پسیجی سی رہتی تھی نازک اور ستھواں

ناک اس گلاب کے پہول کا گلبن تہی۔ جسکی دو خوبصورت پنکھڑیاں اِدہر اُدہر کے دونو گورے اور کچہہ کچہہ سرخی مائل رخسارے تہے۔ دہانہ تنگ اور چھوٹا لیکن نہ اس قدر چھوٹا تہا کہ بدنما معلوم کالے کالے بالون کے بڑی خوشنمائی یہ گندہی ہوئی چوٹی باریک ریشمی دوپٹے کے نیچے اپنی سیاہتابی کی جہلک دکہاتی تہی۔

الغرض قدرت نے رُوپ متی کو وہ تمام خوبیاں اور دلربائیاں عنایت کی تہین جو ایک خوبصورت اور نہایت نازک اندام اور حسین عورت میں ہونی چاہیئں خوبصورتی اور نازک ادائی کے علاوہ ایک بات رُوپ متی میں یہ بہی تہی کہ وہ ہندی اشعار نہایت نازک مضمون میں ادا کرتی تہی اور مشکل سے مشکل مضمون کو نظم کی لڑی میں اس طرح پرولیتی تہی کہ سننے والے عشعش کرجاتے تہے اس سے اس کے حسن اور نازک خیالی کی شہرت اور بہی زیادہ ہوگئی تہی اور چلبلی طبیعت کے لوگ نادیدہ اس کے فریفتہ ہوجاتے تہے۔ فرمان روائے مالوہ جس کا نام بازبہادر تہا روپ متی پر عاشق تہا اور ہزار ہا جتن سے اُسے رام کیا تہا۔ ۹۷۶ھ اور بقول بعض مورخین ۹۶۹ھ میں اور غالباً یہی صحیح بہی ہے جب ابوالفتح جلال الدین محمد اکبر بادشاہ نے ادہم خان کو برفاقت پیر محمد خان مالوے کی تسخیر کے لیئے روانہ کیا۔ تو باز بہادر فرمانروائے مالوہ جو عیاشی اور اسباب عیش و عشرت کے فراہم کرنے میں مشہور تہا روپ متی کے ساتھ خلوت نشاط میں مشغول تہا اگرچہ بادشاہ گیتی ستان کی بحر امواج فوج کی آمد آمد کی خبر سب طرف منتشر ہوچکی تہی اور بدقسمت باز بہادر کو تحقیق معلوم ہوچکا تہا کہ شاہی فوجین عنقریب مالوہ پر حملہ آور ہونے والی ہیں مگر اُسے روپ متی کے عشق نے اس قدر سراندہا اور مدہوش کردیا تہا

کہ دین و دنیا کی خبر نہ تھی وہ خواب غفلت مین یہانتک پڑا رہا کہ شاہی فوجین آفت ناگہانی کی طرح سر پر ٹوٹ پڑین اور بیدار ہوا تو ایسے وقت کہ کام ہاتھہ سے نکل چکا تھا۔ صبح کی پو پھٹی تھی کہ شاہی لشکر شہر مین دندانہ گھس آیا اور قتل عام شروع کر دیا۔ باز بہادر کو خبر ہوئی تو وہ ہڑبڑا کر اُٹھا اور کوئی تدبیر بنائے نہ بن پڑی یہانتک کہ اپنی بہت سی ناموسون اور روپ متی کو شاہی لشکر کے ہاتھون میں چھوڑ تنہا گھر سے نکل گیا۔ اور بیجا نگر یا بیجا گڑھ کے جنگلون کی طرف بحالت بے سر و سامانی فرار ہو گیا ✤

ادہم خان بے لڑے بھڑے تمام خزانون اور گھوڑون اور ہاتھیون اور اسباب تجمل پر قابض ہو گیا اور بہت سی پری تمثال اور زہرہ جبین عورتین لوٹ مین آئین۔ روپ متی کے حسن کے ڈنکے چار دانگ عالم مین بج چکے تھے اور اس کے جمال و خوبی جستہ جستہ لوگون کی زبان زد تھی۔ ادہم خان نے جب اُسکی کیفیت سے اطلاع پائی تو اُسکی ملاقات کی رغبت ظاہر کی۔

پری جمال روپ متی جیسے حسن و نزاکت کے لیئے مشہور تھی ویسے ہی عفت و پاکدامنی کو بھی انتہا سے زیادہ عزیز رکھتی تھی اور سچ پوچھیئے تو اُسنے ابتدائے نشو و نما سے ایکدم اس وقت تک اپنی عصمت و عفت کو محفوظ بھی رکھا تھا اور آیندہ بھی محفوظ رکھنے کی کوشش کرتی تھی اس کے اول اول بہت سے اس قسم کے عذر اور حیلے اُٹھائے جن سے ادہم خان کو اپنے ارادہ سے باز رہنا چاہیئے تھا مگر چونکہ اُسکے دل پر روپ متی کے عشق کا تیر اور کاری لگ چکا تھا اور وہ نادیدہ اُسکے عشق میں گھایل و بسمل ہو چکا تھا۔ اس لیئے اُس نے حکومتاً روپ متی کو ملاقات کرنے پر مجبور کیا روپ متی نے اُسپر بھی اُسکی اطاعت پر سر تسلیم خم نہیں کیا اور جواب ملائم و نا ملائم سے

حتے الامکان اس سے دفعیہ مین کوشش کرتی رہی لیکن جب ادہم خان کا اسرار
اور بیجا اصرار حد درجے کو پہونچ گیا اور روپ متی کو یقیناً معلوم ہوگیا کہ ادہم خان
اپنے اس ارادہ سے باز آنے والا نہیں تو اُسنے اپنے دہن مین فیصلہ کر لیا
اور قطعی فیصلہ کر لیا کہ چاہے کچھ ہی ہو مگر مین تو اس کے پاس ہرگز
نہ جاؤنگی یہ ٹہانکر اُس نے نہایت عجز و انکسار سے ایک روز کی مہلت مانگی
اور ادہم خان سے کہلا بہیجا کہ براہ عنایت کل تک کی مجھے مہلت دین تاکہ میں
آپ سے ملاقات کرنے کے لئے تیار ہو جاؤن بیوقوف ادہم خان عورت
کے چرتر مین آگیا اور کل کے وعدے پر مطمئن ہو کر جوش مسرت مین پھولا نہ
سمایا دوسرا روز ہوا تو پری تمثال روپ متی نے غسل کیا عمدہ اور شاہانہ لباس
زیب جسم کئے سونے کے جڑاؤ زیورات اور گرانبہا جواہر بدن پر سجائے
اور طرح طرح کے عطریات سے اپنے تئین معطر کیا غرضکہ بدنی زیب و زینت
اور مکانی آرایش مین کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا۔ ملاقات کا جو وقت مقرر ہوا
تہا اِس سے کچھ بیشتر نازک ادا روپ متی ایک بڑے کمرے میں جو نہایت
آراستہ اور سامان عشرت سے پُر تہا اٹھکیلیان کرتی ہوئی اور ایک نہایت
نرم قالین پر تکیہ لگا کر بیٹھ گئی۔ عقب سے ایک ملازم کو ادہم خان کے
پاس روانہ کیا اور کہلا بہیجا کہ روپ متی آپ کے انتظار میں بیٹھی ہیں تشریف
لایئے اور جلد تشریف لایئے۔ ادہم خان پہلے ہی سے منتظر وقت تہا ملازم کے
پہونچتے ہی اور اجازت کا مژدہ سنتے ہی جگہہ سے اُٹھ کہڑا ہوا۔ اور جوش
مسرت کو دبائے ہوئے روپ متی کے محل میں پہونچا۔ باغیچہ کی سیر کرتا
ہوا اور ایک ایک مکان کو دیکھتا ہوا روپ متی کے کمرے میں آیا دیکہا تو ایک
سج دہج کی حسن کی دیوی اور نور کے سانچے میں ڈہلی ہوئی مورت نہایت زیب و زینت

اور جاہ وجلال سے ایک بیش قیمت مسند پر تکیہ لگائے بیٹھی ہے اور بڑی آن بان اور شان وشوکت سے بیٹھی ہے۔ یہ سامان دیکھ کر ادہم خان اپنی خوش قسمتی پر نہایت نازاں ہوا اور بڑی خوشی اور مسرت کے ساتھ آگے بڑھا اُسکی یہ مسرت اصل میں عارضی اور تھوڑی دیر کی تھی قریب جاکر بیٹھا اور دیکھا تو روپ متی کو مردہ پایا۔ روپ متی جس مسند پر تکیہ لگائے بیٹھی تھی اُس کے کنارے ایک بلورین گلاس رکھا تھا اور اُسپر ایک لکھا ہوا کاغذ ڈھکا تھا۔ گلاس میں تھوڑا سا پانی تھا جس میں زہر ہلاہل گھلا ہوا تھا کاغذ مین روپ متی کے ہاتھ کے لکھے ہوئے یہ فقرے موجود تھے "شریف لوگ اپنی عصمت اور آبرو کو کبھی برباد نہیں کیا کرتے اور عفت عصمت کے پیچھے جان پر کھیل جایا کرتے ہین مین صرف اپنے شوہر کے ننگ وناموس محفوظ رکھنے کی غرض سے اپنی جان اور کیسی جان جسکی تلافی ہزار جانین بھی نہین کرسکتین نہایت مایوسی اور ناامیدی کی حالت مین دیدی" ادہم خان ان فقرون سے اس قدر متاثر ہوا کہ اس کا سارا نشہ ہرن ہوگیا اور وہ اپنی بیہودہ کارروائی پر نہایت نادم وپشیمان ہوا۔ روپ متی کی اس مایوسانہ حالت مین جان دینے پر سخت افسوس کیا اور اپنے نفس کو ملامت کرتا ہوا اس کمرے سے باہر آیا۔

لیکن صاحب صحائف الاخبار اسی کتاب کی تیسری جلد مین سنہ ۹۶۶ کے وقائع پر ریمارک کرتا ہوا لکھتا ہے "روپ متی ایک بازاری مغنیہ عورت تھی جو حسن وجمال اور نزاکت ولطائف طبع میں اعلیٰ درجہ کی شہرت رکھتی تھی اور قطع نظر حسن وجمال کے فن موسیقی اور دقائق دلربائی میں اپنا نظیر نہین رکھتی تھی جلال الدین محمد اکبر شاہ نے اُسے بہتیرا رام کرنا چاہا اور نئی نئی تدبیرون اور حیلون سے اپنی خدمت مین حاضر ہونے کی تکلیف دی مگر

چونکہ وہ اپنے وطن کے ایک بڑے امیر کبیر اور عیش پسند شخص سے رابطۂ محبت اور علاقہ مودت رکھتی تھی اور دونوں شخصوں میں سے ایک دوسرے کا عاشق معشوق تھا اس لیئے وہ حالت مجبوری میں زہر ہلاہل کا ساغر منہ سے لگاکر ہمیشہ کے لیئے زمین مین چھپ گئی اور جلال الدین محمد اکبر کے ساتھ میں اپنی عزت دینے کے خوف سے دوام کے لئے دنیا سے مفارقت کرگئی "

مگر جن لوگوں کو تاریخ سے دلچسپی ہے وہ صحائف الاخبار کی اس خبر کا صحیح اور ٹھیک اندازہ کر سکتے ہین کہ کس درجہ کی خبر ہے اور مصنف صحائف الاخبار نے کہانتک سچائی اور دیانت سے کام لیا ہے تاریخ میں کہین اس کا پتہ نہین چلتا کہ جلال الدین محمد اکبر شاہ نے ایک ایسی بازاری اور مغنیہ عورت کی کبھی خواہش کی ہو بلکہ جہان تک دیکھا جاتا ہے اور اس واقعۂ خاص کے متعلق تاریخی اوراق کو الٹ پلٹ کیا جاتا ہے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ کو روپ متی کے مالوے مین ہونے کی خبر تک نہ تھی اور اُس کے حسن و خوبی کی خبر سے اُس کے کان آشنا تک نہ تھے افسوس ہے کہ لوگ ایک ایسی بے سروپا بات کو جس کی کچھ اصل نہ ہو ایک ایسے عظیم الشان بادشاہ کی طرف منسوب کرنے کا ذرا مضائقہ نہیں کرتے اور جو جی میں آتا ہے بے دھڑک لکھ مارتے ہیں غالباً یہ ان کا تعصب بیجا ہے جو کسی پردے کی آڑ میں ہمیشہ ظاہر ہوتا رہتا ہے ٭

وان بعد ادہم خان نے شہر کا کچھ بندوبست کیا اور جو نقد و اسباب غارتگری مین آیا تھا اس میں سے چند ہاتھی بادشاہ کی خدمت مین روانہ کئے باقی اموال و اسباب اپنے تصرف میں لاکر اس طرف کے باقی قلعون کی تسخیر کے لئے روانہ ہوا بادشاہ کو جب یہ معلوم ہوا کہ ادہم خان مالوے کے تمام خزانون

اور مال اسباب پر خود قابض و متصرف ہو گیا ہے تو وہ خود اس طرف متوجہ ہوا اور صرف پانسو سوار ساتھ لیکر یلغار کرتا ہوا مہینے بھر کی راہ ایک ہفتے سے کم میں طے کر کے قلعہ کاکرون کے قریب پہونچ گیا یہان کا قلعہ دار فوراً حاضر خدمت ہوا اور قلعہ کی کنجی بادشاہ کے سامنے رکھدی۔ بادشاہ نے تہوڑی دیر یہان توقف کیا اور قلعہ دار نے جو ما حضر تہا پیش کیا تناول فرما کر اسے منصب قلعداری اور خلعت فاخرہ سے سرفراز فرمایا ازان بعد اسی طرح یلغار کرتا ہوا ادہم خان تک پہونچ گیا جو ہنوز راہ مین تہا ادہم خان کو بادشاہ کے پہونچنے کی اطلاع ہوئی تو فوراً قدمون مین آگرا اور اپنی خونریزی کے خوف سے تمام زر و نقد اور مال و اسباب بادشاہ کی نذر گذرانا اور ترسان و لرزان معذرت کی بادشاہ نے اظہار رحمدلی کے لئے اُسکے جرائم پر قلم عفو کہینچدیا اور خلعت عطا فرما کر رخصت کیا پہر محمد خان کو مالوے کی حکومت عنایت کی اور خود آگرے کی جانب عنان توجہ موڑی ۔

رحمت بانو

یہ نازنین اور سلیقہ شعار بیگم شہنشاہ عالمگیر کی بڑی بہو اور شاہزادہ محمد معظم کی پہلی بیوی ہے اس کا باپ مرزبان آشام کے نام سے شہرت رکہتا تہا تاریخ سے اسکا کچھ پتہ نہیں چلتا کہ مرزبان آشام کون شخص تہا اور کہان کا رہنے والا تہا اور کس خاندان سے تہا۔ لیکن اسقدر ضرور ثابت ہوتا ہے کہ ایک بہلا آدمی نیک کردار اور کسی معزز خاندان کا ممتاز ممبر تہا۔ رحمت بانو کے حالات زندگی بھی تاریکی میں ہین مگر مختلف واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ نہایت شریف پاکدامن سلیقہ شعار اور تعلیم یافتہ خاتون تہی اُسکے تمام عادات بالکل شریفانہ اور اخلاق نہایت

جہذ بانہ تھے اور اُسی وجہ سے شہنشاہ عالمگیر اور خود شاہزادہ محمد معظم اس سے کمال محبت رکھتے تھے اور خانگی امور مین اکثر اوقات اس سے مشورہ بھی لیتے تھے اسکی تدبیر نہایت صائب اور عقل دوراندیش بالکل سلیم تھی اسکا نکاح غرۂ ذیحجہ ۱۰۸۳ھ ہجری کو ہوا اور بڑے تزک و احتشام کے ساتھ ہوا ایک لاکھ اسی ہزار روپیہ کا مہر مقرر ہوا اور شاہی بیگمات کے طریقہ کے مطابق سلطنت سے ماہانہ تنخواہ کی اجازت ہوگئی +

بعد کو شہزادہ محمد معظم کی ایک شادی اور بھی ہوئی یہ شادی خاصکر اس لئے قابل ذکر ہے کہ اِس میں شہنشاہ عالمگیر نے جس فیاضی کا اظہار کیا اسکی مثال اور تقریبات مین بہت کم پائی جاتی ہے - اِس شادی کا آغاز ستائیسوین رجب ۱۰۷۹ھ مین ہوا تاریخ عقد سے تیرہ روز پہلے کوس شادی اور فرمائی مسرت نے آسمان وزمین پر ایک غلغلہ برپا کردیا - دسوین شعبان کو ظہر کے بعد دیوان خاص میں اراکین دولت جمع ہوئے اور بادشاہ نے دربار مین رونق افروز ہوکر نہایت خوشی اور شکرگزاری کے ساتھ درباریون کا سلام لیا تخت سلطنت پر جلوہ آرا ہوا - اور شہزادہ محمد معظم کو بلاکر خلعت فاخرہ اور اس عربی و عراقی گھوڑے جو طلائی ساز و یراق سے آراستہ اور دو گران قیمت ہاتھی جنپر طلائی جھولین پڑی تھین اور گلون مین جواہر کے ہار لٹک رہے تھے عنایت ہوئے [illegible] ہی ایک مرصع شمشیر قیمتی بیس ہزار روپیہ کی اور ساٹھ ہزار روپیہ کا سرپیچ اور بارہ لاکھ نقد عطا فرمایا - پانچ گھڑی رات گزر جانے کے بعد نوشہ کمال شان و شوکت اور جاہ و عظمت کے ساتھ اپنی حویلی سے برآمد ہوکر بادشاہ کے حضور میں حاضر ہوا - حضرت مسجد مین تشریف لے گئے وہان قاضی عبدالوہاب جو منصب قضات پر ممتاز و سرفراز تھے پہلے ہی موجود تھے بادشاہ کی اجازت سے قاضی نے میر سید محمد قنوجی کی وکالت

او سلا عوض وجیہ خیشکنی اور شیخ سیف اللہ سرہندی کی شہادت سے عقد پڑھا اور جیہ
لاکھہ روپے کا مہر قرار پایا۔ عقد سے فراغت پاکر بادشاہ شہزادے کو ساتھہ لیکر
نواب دلرس بانو بیگم کی حویلی تک تشریف لائے اور عجب آن بان اور شوکت و
شان کے ساتھہ تشریف لائے دونون وارث تخت وتاج گھوڑون پر سوار
تھے اور طلائی شمشیرین زانوؤں پر لٹک رہی تھین امرائے دربار پانصدی
سے لیکر ہزار تک جلو میں تھے اور تمام فوجی افسر سلحہ میں ڈوبے ہوئے آگے
آگے چل رہے تھے آدھی رات گذر چکی تو حضور اعلی شاہزادہ معظم کو ہمراہ لیئے
ہوئے لوٹے اور صبح ہوتے ہوتے دولہن کا ہودج عزت شاہزادے کے
عظمت سرائے میں پہونچ گیا اسدن کا شاہی جاہ وحشم دیکھنے کے قابل تھا
قلعہ معلے کا چپہ چپہ زیب وزینت اور آرایش میں بہشت برین کے ہمسر ہونے کا
دعوی کرتا تھا قلعہ کے باہر سارے شہر مین روشنی کا سامان خاص طور پر کیا گیا تھا
اور بڑی بڑی سڑکوں پر دورویہ ہشت پہل بندی نہایت سلیقے اور خوشنمائی کے ساتھ
کیگئی تھی نوشہ کی آمد ورفت کے رستے میں رومی مخمل کا فرش بچھا دیا گیا تھا
درختون اور دوکانون پر مشجر اور زربفت کے تھان لپیٹ دیئے
گئے تھے جو کافوری شمعون کی روشنی مین بڑی تیزی کے ساتھ جگمگا
اُٹھے تھے الغرض ایس تزک واحتشام کے ساتھہ یہ مبارک تقریب انجام
کو پہونچی اور بادشاہ نے نہایت خوشدلی اور فراخ حوصلگی سے درباریون اور تمام عہد
دارون کو انعام واکرام سے سرفراز فرمایا۔ غریبون اور مسافرون کو اتنا کچھ دیا کہ وہ ایک
عرصے کے لیئے دولتمند اور متمول ہو گئے ✤

رحمت بانو پہلے درجہ کی خلیق اور ملنسار عورت تھی اگرایسے موقع پر عموماً عورتون
کی دلشکنی ہوتی ہے اور وہ بتقاضائے بشریت اپنے شوہر کے بیے اپنے مقابلہ مین

دوسری عورت کو تجویز کرنے مین سخت مضائقہ کرتی ہین۔ لیکن رحمت بانو کے دل پر اس
واقعہ کا ذرا ملال نہ ہوا۔ بلکہ وہ نہایت خوشی اور مسرت کے ساتھ شاہزادہ محمد معظم
کی اس شادی میں شریک ہوئی اور بہت سے کام خود اپنے ہاتھ سے درست
کیئے اگرچہ بعض تاریخوں مین لکھا ہے کہ شاہزادہ محمد معظم کی یہ شادی رحمت بانو کے
انتقال کے بعد ہوئی لیکن یہ اُن تاریخ نویسوں کی غفلت اور نہ صرف غفلت
بلکہ سخت غلطی ہے جو اسبات کے قایل ہوگئے ہین کیونکہ رحمت بانو کے عقد اور
اس شادی کی تقریب میں کل دو برس بلکہ اس سے کم ہی کم کا فاصلہ تھا۔ اور
تاریخ سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہونچ چکی ہے کہ وہ اپنے عقد کے بعد پانچ سال تک
زندہ رہی۔ تاریخ سے اسبات کا ٹھیک پتہ نہین چلتا کہ رحمت بانو لاولد مری یا اپنے
مرنے کے بعد کوئی جیتی جاگتی چلتی پھرتی یادگار چھوڑی اسی طرح ٹھیک طور پر یہ بھی
معلوم نہیں ہوتا۔ کہ اُسنے کون سے سنہ میں انتقال کیا بہرکیف جہانتک اس کے
تاریخ زندگی ہمین دریافت ہوئی ہیں یہ ہیں اس سے زائد اگر کسی تاریخ میں کچھ اور حالات
ہون تو ہمیں علم نہین *

رضیۃ النساء بیگم

یہ نازنین اور حسین بیگم شہزادہ محمد اکبر کی بیٹی اور شہنشاہ عالمگیر کی پوتی ہے۔ جو غربا پروری
اور علم فیاضی مین مشہور ہے رضیۃ النساء بیگم کی تاریخ زندگی میں جو بات سب سے زیادہ قابل
تعریف ہے وہ یہ ہے کہ رضیۃ النساء بیگم ہمیشہ سادگی پسند کرتی تھی۔ اور دنیاوی جاہ و
تجمل اور ظاہری شان و شوکت سے متنفر رہتی تھی باوجودیکہ وہ ایک نہایت عظیم الشان
بادشاہ کی پوتی اور ذی جاہ باپ کی عزیز چہیتی بیٹی تھی اور اس بنا پر جسقدر چاہتی وہ شان
و شوکت کرتی لیکن اُسنے بچپنے کے زمانہ سے لیکر جوانی اور بڑھاپے تک کبھی
کسی موقع پر ناز بیجا نہین کیا اور نہایت سادہ طور پر معمولی زندگی بسر کی اسکے

فطرت مین خلق اللہ کے ساتھہ مہربانی سے پیش آنا اور غربا کے ساتھہ ہمیشہ مسلوک ہونا اور کسی کی تکلیف و ایذا کو نہ دیکھہ سکنا یہ سب باتین خدا کی طرف سے ودیعت رکھی گئی تھین یہی وجہ تھی کہ جو رقم اُسے بادشاہ کی طرف سے سالانہ یا ماہانہ ملتی تھی وہ اسے ہمیشہ غربا اور حاجتمندوں کے مصارف میں صرف کرتی تھی اور اپنی آسایش اور تن پروری میں ایک حبہ خرچ کرنے میں مضائقہ کرتی تھی -
رضیتہ النسا بیگم جوان ہوئی تو خود عالمگیر نے اس کی شادی شہزادہ رفیع القدر کے ساتھہ کی اور نہایت تزک و احتشام سے کی عقد کا دوسرا روز جو دولہن کے رخصت ہونے کا دن تھا تاریخون میں نہایت جلی حرفون میں لکھا ہوا نظر آتا ہے - عالمگیر نے اس موقع پر نہایت دریا دلی اور شاہانہ فیاضی کا ثبوت دیا اور جسقدر سامان جہیز اپنی اولاد کو رخصت کے وقت دیا تھا یا دینا تجویز کیا تھا اُس سے زیادہ اور بہت زیادہ رضیتہ النسا بیگم کو مرحمت فرمایا ✤

رضیتہ النسا بیگم کی زندگی نہایت عافیت سے گزری اور کبھی اسکو کوئی ایسا صدمہ نہین پہونچا جس سے وہ دلگیر ہوتی - لیکن آخر عمر مین شہزادہ محمد اکبر کے انتقال کے صدمہ نے اُسکی پیٹھہ کو دوہرا کر دیا - اور اس قدر قلق پہونچا یا کہ پھر وہ نہین پنپی سنہ ۱۱۱۵ ہجری مین سرحد ایران سے خبر موصول ہوئی کہ شاہزادہ محمد اکبر جو بخت اتفاق کی نامساعدت کیوجہ سے ناکامی کے جنگلون مین فراری ہو گیا تھا انتقال کر گیا اس سے خود عالمگیر اور شہزادے کے متعلقین کو جو صدمہ ہوا قابل بیان نہیں خاصکر رضیتہ النسا بیگم کو اپنے مہربان اور شفیق باپ کی مفارقت نے نہایت مضطرب اور بیچین کر دیا اور اب سے اسکی زندگی مین عظیم الشان انقلاب پیدا ہونا شروع ہوا - آخر کار اسی اندوہ و غم میں تھوڑے روز زندگی بسر کر کے خود بھی رہگرائے عالم آخرت ہوئی ✤

زیب النساء بیگم

زیب النساء بیگم اورنگ زیب کی سب سے پہلی اولاد تھی، اس کی ماں جس کا نام دلرس بانو بیگم تھا، شاہ نواز خان صفوی کی بیٹی تھی۔ شاہ نواز کا اصلی نام بدیع الزمان ہے۔ جہانگیر کے زمانے میں معزز عہدوں پر ممتاز ہو کر شاہ نواز خان کے خطاب سے ملقب ہوا۔ شاہ جہان کے زمانے مین بھی کارہائے نمایاں کئے۔ چونکہ لیاقت ذاتی کے ساتھ عالی خاندان بھی تھا۔ شاہ جہان نے ۱۰۴۷ھ مین کہ اس کی سلطنت کا دسوان سال تھا۔ اورنگ زیب کی شادی اس کی بیٹی سے کر دی چار لاکھ مہر باندھا گیا۔ طالب کلیم نے مادہ تاریخ کہا۔ مصرع

دو گوہر بہ یک عقد دوران کشید[۱]

زیب النساء بیگم شادی کے دوسرے سال شوال ۱۰۴۸ھ ہجری مین پیدا ہوئی عالمگیری امرا میں عنایت اللہ خان نہایت معزز عہدہ دار تھا۔ اس کی ماں حافظہ مریم قابل اور تعلیم یافتہ تھی۔ زیب النساء بیگم جب پڑھنے کے قابل ہوئی تو اورنگ زیب نے اس کی تعلیم کے لئے حافظہ مریم کو مقرر کیا جس نے حسب دستور سب سے پہلے قرآن کی تعلیم دی[۲]۔ زیب النساء بیگم نے قرآن مجید حفظ یاد کیا۔ جس کے صلہ میں اورنگ زیب نے تیس ہزار اشرفی انعام میں دی[۳]۔

تمام تاریخین اور تذکرے متفق اللفظ ہیں کہ زیب النساء بیگم نے عربی اور فارسی کی تعلیم نہایت اعلیٰ درجہ کی حاصل کی تھی۔ اور بڑے بڑے علماء و فضلا اس کی خدمت میں رہتے تھے۔ لیکن اس کے اساتذہ میں سے زیادہ مقرب اور باریاب ملا سعید اشرف ماژندرانی تھے۔ ملا سعید۔ تقی مجلسی کے نواسے تھے۔ عالمگیر کے آغاز جلوس

---

[۱] مآثر الامرا جلد دوم صفحہ ۶۷۰ و ۶۷۱ [۲] مآثر الامرا جلد دوم صفحہ ۸۲۸ [۳] مآثر عالمگیری صفحہ ۵۳۸۔

وطن ایران سے آئے اور عالمگیر نے ان کو زیب النسا بیگم کی تعلیم کے لیے مقرر کیا[1]
اس وقت زیب النسا، کی عمر تقریباً اکیس برس کی تھی۔ اس سے قیاس ہو سکتا
ہے کہ تیموریوں میں مستورات کی تعلیم کا سلسلہ کس قدر ممتد ہوتا تھا زیب النسا
نظم و نثر میں ملا سعید ہی سے اصلاح لیتی تھی ؛

ملا اشرف شاعر بھی تھے۔ اور شاعری ہی کے وصف سے مشہور ہیں قریباً ۱۳
۱۴۔ برس وہ تعلیم کے تعلق سے زیب النسا، کی خدمت میں رہے ۱۰۸۳ ہجری
وطن جانا چاہا۔ زیب النسا کی خدمت میں ایک قصیدہ لکھ کر پیش کیا۔ جس میں
رخصت کی درخواست کو اس طرح ادا کیا تھا ؛

یک بار از وطن نتوان برگرفت دل	در غربتم اگرچہ فزون ست اعتبار
پیش و قرب و بعد تفاوت نمیکند	گو خدمت حضور نباشد مرا شعار
نسبت چو با منی ست چہ دہلی چہ اصفہان	دل پیش تست من چہ کابل چہ قندہار[2]

زیب النسا، نے جس قسم کی تعلیم پائی تھی اور خود اس کا مذاق طبیعت جس قسم کا
واقعہ ہوا تھا۔ اس کے لحاظ سے وہ پالٹیکس سے بالکل ناآشنا تھی تاہم عالمگیر کے
ہیچ عہد حکومت میں وہ بھی اس بدنامی سے نہ بچ سکی ۱۰۹۱ میں راجپوتوں نے جب
عام بغاوت کی۔ اور عالمگیر نے ان کے دبانے کے لئے شہزادہ اکبر کو فوج گران دیکر
جودھ پور کی طرف روانہ کیا تو راجپوتوں کے بہکانے سے شہزادہ خود باغی ہو گیا۔ اور عالمگیر
کے مقابلہ کو بڑھا۔ زیب النسا، شہزادہ اکبر حقیقی بھائی بہن تھے۔ دونوں میں خط و
کتابت بھی تھی۔ یہ خطوط پکڑے گئے اور عالمگیر نے اس کے انتقام میں زیب النسا،
کی تنخواہ جو چار لاکھ سالانہ تھی بند کر دی۔ اس کے ساتھ تمام مال متاع ضبط کر لیا گیا اور قلعہ
سلیم گڑھ میں رہنے کا حکم ہوا[3]۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ بہت جلد اس کی بیگناہی ثابت

[1] سرو آزاد تذکرہ ملا اشرف [2] سرو آزاد تذکرہ ملا اشرف ماژندرانی [3] مآثر عالمگیری ۲۰۴ –

ہوئی اور عفو قصور کردیا گیا کیونکہ ۱۰۹۴ سنہ ہجری میں جب حمیدہ بانو بیگم (والدہ روح اللہ خان)
نے انتقال کیا تو رسم تعزیت ادا کرنے کے لیئے عالمگیر نے زیب النساء کو روح اللہ خان
کے گھر بھیجا۔ اسی سنہ میں جب شہزادہ کام بخش (عالمگیر کا سب سے چھوٹا بیٹا) کی شادی
ہوئی تو تقریب کی رسمیں زیب النساء ہی کے محل میں ہوئیں اور عالمگیر کے حکم سے تمام
ارکان دربار زیب النساء کی ڈیوڑھی تک پاپیادہ گئے۔ زیب النساء نے شادی نہیں
کی۔ عام طور پر مشہور ہے کہ سلاطین تیموریہ لڑکیوں کی شادی نہیں کرتے تھے اس
غلط روایت کو یورپین مصنفوں نے بہت شہرت دی ہے اور اس سے ان کو شاہی
بیگمات کی بدنامی پھیلانے میں بہت مدد ملی ہے لیکن یہ قصہ ہی سرے سے بے بنیاد
ہے۔ خود عالمگیر کی دو بیٹیاں۔ زبدۃ النساء بیگم اور مہر النساء بیگم سپہر شکوہ اور ایزد بخش
(پسر شہزادہ مراد) سے بیاہی تھیں۔ چنانچہ مآثر عالمگیری میں دونوں شادیوں
کی تاریخیں اور مختصر حالات لکھے ہیں اور خاتمہ کتاب میں بھی اس کا ذکر کیا ہے۔
عالمگیر زیب النساء کی نہایت عزت کیا کرتا تھا۔ جب وہ کہیں باہر سے آتی تھی تو
اس کے استقبال کے لیئے شہزادوں کو بھیجتا تھا سفر و حضر میں اس کو ساتھ رکھتا تھا۔
کشمیر کے دشوار سفر میں بھی وہ ساتھ تھی۔ لیکن جب عالمگیر دکن گیا تو اس نے غالباً
اپنی علمی زندگی کی وجہ سے پائے تخت کو چھوڑنا مناسب نہ سمجھا۔ اس کی چھوٹی بہن
زینت النساء عالمگیر کے ساتھ گئی چنانچہ اس کا نام بار بار واقعات میں آتا ہے زیب النساء
نے دلی میں قیام کیا۔ اور وہیں پیوند زمین ہوگئی۔ زیب النساء نے ۱۱۱۳ ہجری میں
جو عالمگیر کی حکومت کا اڑتالیسواں سال تھا دلی میں انتقال کیا "ادخلی جنتی"[1] مادہ تاریخ ہے
عالمگیر اس زمانہ میں دکن کی فتوحات میں مصروف تھا۔ یہ خبر سن کر سخت غمزدہ ہوا
بے اختیار آنکھوں سے آنسو نکلے اور باوجود انتہا درجہ کے استقلال مزاج کے صبر کی

[1] مآثر عالمگیری صفحہ ۴۶۵

تاب نہ لاسکا۔ سید امجد خان - شیخ عطا اللہ اور حافظ خان کے نام حکم صادر ہوا کہ اس کے ایصال ثواب کے لیئے زکوۃ و خیرات دیں - اور مرحومہ کا مقبرہ تیار کرائیں[1] -

خافی خان نسخہ مطبوعہ کلکتہ مین زیب النساء کا نام اور اس کے واقعات ۱۱۱۲ھ تک آتے ہین - لیکن یہ صریح غلطی ہے - کاتبون نے غلطی سے زینت النسا کو زیب النسا سے بدل دیا ہے +

[2] کمالات علمی اور عام اخلاق و عادات

تمام مورخین نے بہ تصریح لکھا ہے کہ زیب النساء علوم عربیہ اور فارسی زباندانی مین کمال رکھتی تھی - نستعلیق - نسخ - اور شکستہ خط نہایت عمدہ لکھتی تھی - لیکن اس کی تصنیفات سے آج کوئی چیز موجود نہین - عام طور پر مشہور رہے کہ وہ مخفی تخلص کرتی تھی - اور دیوان مخفی جو چھپکر شائع ہو چکا ہے اسی کا ہے - لیکن یہ صحیح نہین کسی تاریخ یا تذکرہ میں اس نے تخلص یا دیوان کا ذکر نہیں - مولوی غلام علی آزاد ید بیضا میں لکھتے ہین "این دو بیت از نام او مسموع شدہ" پھر دو شعر نقل کئے ہین - اس کا دیوان ہوتا تو صرف دو شعر کا ذکر کیوں کرتے - مخزن الغرائب ایک تذکرہ ہے جو احمد علی سندیلوی کی تصنیف ہے - مصنف نے نہایت کثرت سے فارسی تذکرے بہم پہنچائے ہیں - اور ان سے حالات اور اشعار انتخاب کئے ہیں زیب النساء حال میں لکھتے ہین +

اسے انکار نہیں ہو سکتا کہ وہ شاعر تھی لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس کا کلام ضائع ہو گیا - اسی تذکرہ میں ملا سعید اشرف کے حال میں لکھا ہے کہ زیب النساء کی بیاض خاص ایک خواص کے ہاتھ سے جس کا نام ارادت فہم تھا حوض میں

---

[1] دیوان اشعارش جائے بہ نظر نیامدہ - مگر در تذکرہ انتخابش بہ نظر آمدہ - لیکن اعتبار انشاید - سبب آنکہ اکثر شعرا اساتذہ صاحب آن تذکرہ بنام بیگم نوشتہ بود

گر پڑی۔ چنانچہ سعید اشرف نے اسپر ایک قطعہ لکھا جو آگے آئے گا۔ غالباً یہ اشعار کی بیاض ہوگی۔ تذکروں میں یہ دو شعر زیب النساء کے نام سے منقول ہیں +

بشکند دستے کہ خم در گردن یارے نشد　　کور بہ چشمے کہ لذت گیر دیدارے نشد

صد بہار آخر شد و ہر گل بہ فرقے جا گرفت　　غنچۂ باغ دلِ ما زیب دستارے نشد

زیب النساء کی تصنیفات و تالیفات سے زیب المنشآت کا ذکر البتہ تذکروں میں آیا ہے۔ تذکرۃ الغرائب کے مصنف نے لکھا ہے کہ میں نے اس کو دیکھا ہے'' یہ زیب النساء کے خطوط اور رقعات کا مجموعہ ہے +

علم پروری

زیب النساء نے خود کوئی تصنیف کی ہو یا نہ کی ہو لیکن اس نے اپنی نگرانی میں اہل فن سے بہت سی عمدہ کتابیں تصنیف کرائیں۔ مولوی غلام علی آزاد ید بیضا میں لکھتے ہیں

زیب النساء کا دربار حقیقت میں ایک اکاڈیمی (بیت العلوم) تھی ہر فن کے علما اور فضلا نوکر تھے جو ہمیشہ تصنیف اور تالیف میں مصروف رہتے تھے۔ یہ کتابیں عموماً اس کے نام سے موسوم ہوتی تھیں۔ یعنے ان کتابوں کے نام کا پہلا جز زیب کا لفظ ہوتا تھا۔ اس سے اکثر تذکرہ نویسوں کو دھوکا ہوا ہے اور انہوں نے وہ کتابیں زیب النسا کی تصنیفات میں شمار کیں +

زیب النساء نے جو کتابیں تصنیف کرائیں۔ ان میں زیادہ قابل ذکر تفسیر کبیر کا ترجمہ ہے۔ یہ مسلم ہے کہ تفسیروں میں امام رازی کی تفسیر سے زیادہ جامع کوئی تفسیر نہیں۔ اس لئے زیب النساء نے ملا صفی الدین اردبیلی کو جو کشمیر میں مقیم تھے۔ حکم دیا کہ اس کا فارسی میں ترجمہ کریں۔ چنانچہ اس کا نام زیب التفاسیر رکھا گیا۔ بعض تذکرہ

ہمت بہ ترفیہ حال ارباب فضل و کمال مصروف سے داشتہ۔ و جماعت کثیر از علما و شعرا و منشیان و خوشنویسان بہ سایۂ قدردانی او آسودہ بودند و کتب و رسائل بسیار بنام او بہمت تالیف پذیرفتہ۔

نویسوں نے غلط لکھ دیا ہے۔ کہ وہ زیب النسا کی مستقل تصنیف ہے +

زیب النساء نے تصنیف و تالیف کا جو محکمہ قائم کیا تھا۔ اس کے ساتھ ایک عظیم الشان کتب خانہ کا ہونا بھی ضرور تھا۔ جس سے مصنفین فائدہ اٹھاسکین چنانچہ بیگم موصوف نے ایک نہایت عظیم الشان کتب خانہ قائم کیا۔ مصنف مآثر عالمگیری کا بیان ہے کہ اس کتب خانہ کی نظیر کسی کی نظر سے نہ گذری ہوگی۔ مصنف مذکور کے اصلی الفاظ یہ ہین +

درسرکار علیہ کتاب خانہ گرد آمدہ بود کہ بہ نظر ہیچ یکے در نیامدہ باشد (صفحہ ۵۳۹[۱])

زیب النساء کے حسن مذاق سے بڑا نفع یہ ہوا کہ عالمگیر کی خشک مزاجی سے جو نقصان پہنچا یا تھا اس کی تلافی ہو گئی۔ یاد ہوگا کہ دربار میں ملک الشعرائی کا خاص عہدہ ابتدائے سلطنت سے چلا آتا تھا۔ جس پر فیضی۔ طالب آملی۔ قدسی۔ کلیم۔ مامور رہ چکے تھے عالمگیر نے اس عہدہ کو موقوف کر دیا۔ اور دفعۃً شعرا گویا بے خانمان ہو گئے۔ لیکن زیب النساء کی قدردانی نے پھر وہ دربار قائم کر دیا۔ مختلف تقریبوں پر شعرا قصیدے اور نظمین لکھکر پیش کرتے تھے۔ اور گران بہا انعام پاتے تھے۔ زیب النساء کی شعر دوستی کا یہ اثر ہوا کہ اہل سخن معمولی عرض معروض بھی شعر ہی میں کرتے تھے۔ اس قسم کے چند واقعات کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا +

اوپر ہم لکھ آئے ہین کہ ارادت فہم نام ایک خواص کے ہاتھ سے زیب النساء کی بیاض خاص حوض میں گر پڑی تھی۔ اس جرم کی معافی کے لئے ملا سعید اشرف نے یہ قطعہ لکھکر پیش کیا +

اے ادا فہمے کہ پیشت فاضلان عصر را	شستن مجموعۂ اندیشہ با آب افتادہ است
در خم افلاطون بیاد بو النشست سرخوش بود	ہیچ مجموعے کہ در فکر شراب افتادہ است

[۱] مآثر عالمگیری صفحہ ۵۳۹۔

گاہ گاہے گر ز بے آدابی باد صبا / از گلِ روے عرقناکت نقاب افتادہ است
آبِ حسرت در دہانِ اختران گردیدہ است / آتشِ غیرت بہ جانِ آفتاب افتادہ است
ذہن صافت تا علم گردیدہ در دانشوری / طبع افلاطون ز بس در اضطراب افتادہ است
دفتر فرہنگ در جنگش مجزا گشتہ است / از کفش مجموعۂ دانش در آب افتادہ است
عرض حالے ہست در خاطر کہ در اظہار آں / بند بندم موج سان در اضطراب افتادہ است
آں بیاضِ خاصۂ شاہی کہ در اطراف آں / جاے افشان نقطہائے انتخاب افتادہ است
آں مصحح خواں گہر ریزی کہ باشد جلوہ گر / درِّ الفاظش بسے با آب و تاب افتادہ است
دوش از دستِ ارادت فہم خاکم در دہن / چوں بیاضِ سینۂ ماہی در آب افتادہ است
نہ ہمیں از یادِ معدن رفت لعلِ آبدار / گوہرِ غلطان ہم از چشمِ سحاب افتادہ است
بحرِ شعرِ آبدارش تازہ طوفاں کردہ است / کشتیش در چار موجِ اضطراب افتادہ است
گوئیا از سر بدر رفت ست آب جدولش / کاین چنیں گلزارِ اشعارش خراب افتادہ است
آہ ازیں غم در دلِ پیر و جوان پیچیدہ است / لرزہ زیں ہیبت بہ جانِ شیخ و شاب افتادہ است
بسکہ می بندند ہر یک بر گلوے دیگرے / گر بیاض گردنش خوانند تاب افتادہ است
من چہ گویم کاں چو مژگان خودش برگشت بخت / در تبِ غم چناں از خورد و خواب افتادہ است
زاں ماں بالمار پریشاں حالی و آشفتگی / ہمچو زلفِ خویشتن در پیچ و تاب افتادہ است
رفت رنگِ آتشیں چوں شمعِ صبح از عارضش / ہمچو نبضِ موج از اضطراب افتادہ است
فیض بخشا ازدد تر پروانہ بخشائشے / کلاتشے در دے چو شمع از التہاب افتادہ است

ورنہ[1] خواہی دید، یکدم دفترِ افلاک را
از ہجومِ گریہ اش یک سر خراب افتادہ است

نعمت خان عالی اس زمانے کا مشہور شاعر تھا۔ ایک دفعہ اس نے ایک

[1] یہ تمام اشعار تذکرہ مجمع الغرائب اشرف سعید کے حالات میں نقل کئے ہیں۔

مرصع کلغی جو دستار پر لگاتے تھے زیب النسا کی خدمت میں فروخت کے لئے پیش کی۔ زیب النسا نے رکھ لی لیکن جیساکہ درباروں کا معمول ہے قیمت کے ملنے میں دیر ہوئی۔ نعمت خان نے یہ رباعی لکھ کر بھیجی *

اے بندگیت سعادت اخترمن	در خدمت تو عیاں شدہ جوہر من
گر جیغہ خریدنی ست پس کو زرمن	ورنیست خریدنی۔ بزن بر سر من
اگر خریدنا ہے تو دام دلوائیے	اور نہ خریدنا ہو تو میرے سر ماریئے

بیگم نے پانچہزار روپے دلوائے اور کلغی واپس کردی[1] *

ملا سعید اشرف جو زیب النسا، کا استاد تھا۔ اور زیب النسا، اُسی سے نظم ونثر مین صلاح لیتی تھی۔ بڑے پایہ کا شاعر تھا۔ تمام تذکرون میں اس کے حالات تفصیل سے لکھے ہیں۔ بیگم اس کو بہت عزیز رکھتی تھی۔ ایک دفعہ اس نے ایک لونڈی ملا صاحب کے پاس بھیجی کہ اس کو خدمت میں رکھئے۔ کنیز ملا صاحب کے مذاق کے موافق نہ تھی ایک طول طویل قطعہ اس کی ہجو میں لکھ کر بیگم کو بھیجا آغاز کا شعر تھا

قدر یہ والنشور شاسا۔ نور چشم عللما
ایکہ ہرگز قدرت ہم چشمیت سوراہا نداشت

مولوی غلام علی آزاد نے صرف یہی ایک شعر نقل کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس مین قافیہ قوسین اوادنی کا قافیہ فحش موقعہ پر استعمال کیا تھا" لیکن یہ نہایت تعجب کی بات ہے۔ زیب النسا، تو زاہدانہ مذاق رکھتی تھی شاہی بیگمات کے دربار میں کسی کو اس قسم کی بے اعتدالی کی جرأت نہیں ہو سکتی تھی۔ جہان آرا بیگم زیب النسا، کی پھوپھی) ایک دفعہ باغ کی سیر کو نکلی۔ ہر طرف پردہ کرادیا گیا۔ میر سیدی طہرانی ایک مشہور شاعر تھا۔ وہ کسی حجرہ میں چھپ کر سواری کا تماشا دیکھ رہا تھا۔ بیگم کا ہاتھی

[1] خزانہ عامرہ تذکرہ نعمت خان عالی۔

پاس سے گذرا تو بیساختہ صیدی نے یہ مطلع پڑھا +

برقع بہ رخ افگندہ برد ناز بہ باغش	تا نگہت گل بیختہ آید بہ دماغش
باغ میں برقع پہنکر اسلئے جاتی ہے	کہ پہول کی خوشبو چھنکر دماغ میں آئے

بیگم نے حکم دیا کہ شاعر کو کشاں کشاں سامنے لائیں۔ بیگم نے بار بار مطلع پڑھواکر سُنا اور پانچہزار روپے دلوادئے۔ لیکن ساتھ ہی حکم دیا کہ شہر سے نکال دیا جائے (یعنے یہ گستاخی کیوں کی) اس واقعہ سے اندازہ ہوسکتا ہی کہ بیگمات کیلئے کس قسم کے آداب قرینے

"اخلاق وعادات"

زیب النساء اگرچہ درویشانہ اور مصنفانہ مذاق رکھتی تھی۔ تاہم شاہجہان کی پوتی تھی۔ اس لئے نفاست پسندی اور امارت کے سامان بھی لازمی تھے عنایت اللہ خان جو امرائے عالمگیری میں مقرب خاص تھا۔ زیب النساء کا میر خانساماں[1] تھا۔ کشمیر میں جابجا خوشگوار اور خوش منظر چشمے ہیں انہیں سے ایک چشمہ جس کا نام احول تھا۔ زیب النساء کی جاگیر مین تھا۔ زیب النساء نے اس کے متصل ایک نہایت پرتکلف باغ اور شاہانہ عمارتین طیار کرائی تھیں چنانچہ عالمگیر جب ۱۰۷۳ھ مین کشمیر کے سفر کو گیا ہے تو اس مقام پر ایک دن قیام کیا۔ اور زیب النساء نے قاعدہ کے موافق نذر پیش کی اور روپے نچھاور[2] کئے +

۱۰۹۰ ہجری ابرک کا ایک بڑا خیمہ طیار کرایا تھا۔ جو تمامتر شیشہ معلوم ہوتا تھا نعمت خان عالی نے اسکی تعریف میں ایک چھوٹی سی مثنوی لکھی جسکے چند اشعار حسب ذیل ہیں

ازان خرگاہ طلقش چشم بد دور	کہ شد از جلوہ اش نور[؟] علی نور
تعالے اللہ چہ روشن بارگاہے	کدورت را درینجا نیست راہے
ز نورش گشتہ خیرہ چشم کوکب	کمینہ خانہ زادش ماہ نخشب

[1] خزانہ عامرہ ذکر صیدی طہرانی۔ [2] ماثر الامرا جلد دوم تذکرہ عنایت اللہ خان صفحہ ۸۲۹ -
[2] عالمگیرنامہ مطبوعہ کلکتہ ۸۳۶ -

فروغش گر چنین دارد جہانتاب	کسے شب را نخواہد دید درخواب
چو عاجز گشت نطقم از ثنائش	شدم جویائے تاریخ بنائش
پئے تاریخ آن گفت زمانہ	برد زنگ ولم آئینہ خانہ

بھائیوں سے نہایت محبت رکھتی تھی ۱۱۰۵ھ ہجری میں جب اعظم شاہ مرض استسقا میں سخت بیمار ہوا تو زیب النسا نے اس کی تیمار داری اس محبت سے کی کہ تمام ایام مرض تک اس پرہیزی غذا کے سوا جو خود شہزادہ کھاتا تھا۔ کوئی اور غذا نہیں کھائی۔ محمد اکبر جس زمانے میں عالمگیر سے باغی ہو کر راجپوتوں سے مل گیا ہے۔ اس زمانے میں بھی۔ زیب النساء نے اس سے برادرانہ راہ و رسم اور خط و کتابت ترک نہ کی۔ جس کے صلے میں اس کی تنخواہ اور جاگیر ضبط ہو گئی[1]۔

"زیب النساء کے متعلق جھوٹے قصے"

زیب النساء کے متعلق متعدد جھوٹے قصے مشہور ہو گئے ہیں جن کو یورپین مصنفون نے اور زیادہ آب و رنگ دیا ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ زیب النسا اور عاقل خان سے عاشقی اور معشوقی کا تعلق تھا اور زیب النسا اس کو چوری چھپے سے محل میں بلایا کرتی تھی ایک دن عالمگیر محل میں موجود تھا کہ اس کو پتہ لگا کہ عاقل خان محل میں ہے اور حمام کی دیگ میں چھپا دیا گیا ہے۔ عالمگیر نے انجان بن کر اسی دیگ میں پانی گرم کرنے کا حکم دیا۔ عاقل خان نے اخفائے راز کے لحاظ سے دم نہ مارا اور جل کر رہ گیا۔ مرنے کے وقت یہ مطلع کہا تھا۔

بعد مردن زجفائے تو اگر یاد کنم ۔۔۔ از کفن دست برون آرم فریاد کنم

عاقل خاں کا مفصل تذکرہ مآثرالامرا میں موجود ہے۔ اور چونکہ شاعر تھا۔ تمام تذکروں میں اس کے حالات مذکور ہیں۔ لیکن اس واقعہ کا کہیں نام و نشان نہیں۔ جن

[1] مآثرالامرا جلد اول صفحہ ۹۹ مآثر عالمگیری میں زیب النسا کی بجائے زینت النساء کا نام لکھا ہے لیکن یہ وہی لفظی اشتباہ ہے۔

کتابوں میں اس کا حال مل سکتا تھا اور مستند اور معتبر خیال کی جاتی ہیں حسب ذیل ہیں۔ عالمگیر نامہ۔ مآثر عالمگیری۔ مآثر الامرا۔ تذکرہ سرخوش۔ خزانہ عامرہ۔ سرو آزاد ید بیضا۔ ان کتابون میں ایک حرف بھی اس واقعہ کے متعلق نہیں۔ حالانکہ اسکی وفات کا تذکرہ سبنے لکھا ہے جو سنہ ۱۱۱۳ھ ہجری واقعہ ہوئی +

دوسرا واقعہ یہ مشہور ہے کہ ایک دفعہ زیب النساء نے یہ مصرع کہا۔

از ہم نمے شود ز حلاوت جدا لبم

چاہتی تھی کہ مطلع ہو جائے لیکن دوسرا مصرع اسکی جوڑ کا موزون نہیں ہوتا تھا۔ ناصر علی کے پاس مصرع لکھ کر بھیجا۔ اس نے برجستہ کہا۔

از ہم نمے شود ز حلاوت جدا لبم	شاید رسیدہ بر لب زیب النسا لبم

لیکن جو شخص تیموریوں کے جاہ و جلال اور آداب و آئین سے واقف ہے وہ سمجھ سکتا ہے کہ بیچارے ناصر علی کو خواب میں بھی اس گستاخی کی جرات نہیں ہو سکتی تھی اکثر مورخین لکھتے ہیں کہ اس عصمت مآب خاتون نے ۱۱۱۳ھ ہجری کو ۶۵ سال کی عمر میں وفات پائی اس کا مقبرہ لاہور میں موجود ہے اور تاریخ وفات یہ ہے وا دخلی جنتی بیان کیا جاتا ہے کہ جب زیب النساء کے انتقال کا وقت قریب آلگا تو اُسنے اپنے لوگوں کو بلا کر وصیت کی کہ دیکھو میری قبر کو پختہ نہ بنانا ایک کچا سا بنا کر یون ہی چھوڑ دینا اور زمین سے زیادہ اونچا بھی نہ کرنا چنانچہ اسکے انتقال کے بعد اسکی تجہیز و تکفین اور تدفین بالکل اسکی وصیت کے مطابق کیگئی یہ شعر بھی اسکا بیان کیا جاتا ہے

اغنیا سازند گنبد از طلا و نقرہ زر	بر سر گور غریبان گنبد گردوں بس است

زینت النساء بیگم

یہ بیگم نواب زیب النساء بیگم کی بہن ہے جو سنہ ۱۰۵۳ھ ہجری مین پیدا ہوئی اور جو

حسن وجمال کے علاوہ نہایت متین و سنجیدہ اور صاحب عقل و شعور تھی اسکی شادی اورنگ شاہ والی ترکستان سے ہوئی نکاح کے بعد اُس روز کی کیفیت کا سماں جو لڑکی کے رخصت ہونیکا دن تہا قابل دید اور یادگار زمانہ تہا تمام بازار کی دوکانیں مشجر سے بڑی جگمگا رہی تھیں اور ہزارہا زربفت اور کمخواب کے تہان درختوں پر لپیٹ دیئے گئے تھے صدہا خوبصورت لڑکے زرین کپڑے پہنے ہوئے ہاتھوں میں عطر کے ڈوبے ہوئے گلدستے گلوں میں گجرے سروں پر قندیلیں انپر جواہر نگار طرح عجب بہار دکہار ہے تھے یہ تمام حشمت انگیز سماں اور زرخیز حالت صاف عالمگیری شوکت اور سدید یہ اور امن کی پکار پکار کر شہادت دیتے تھے۔ زینت النساء کو جو جہیز عالمگیر کیطرف سے دیا گیا اسکا اندازہ صرف اس سے ہوسکتا ہے کہ عالمگیر نے جو حقہ اورنگ شاہ والی ترکستان کو دیا تہا وہ سر سے پاتک سبز یاقوت کا تہا جسکی قیمت کا اندازہ کئی لاکھ روپے کا کیا جاتا ہے۔ الغرض بڑی شان و شوکت۔ اور جاہ و جلال کے ساتھ یہ بیگم رخصت کیگئی اور شہنشاہ عالمگیر نے اس تقریب میں نہ صرف امراء دولت بلکہ شہر کے عام مساکین اور محتاجوں کی گوویاں زر و نقد سے لبریز کردیں ؛

زینت النساء بیگم چونکہ اعلےٰ درجہ کی تعلیم یافتہ اور مہذب و سنجیدہ اور حلیم الطبع اور سلیم العقل عورت تھی اُسنے شادی ہوتے ہی اپنے خاوند کو اسدرجہ اپنا مطیع اور گرویدہ بنالیا کہ چند روز میں تمام بخارا کی حکومت اس کے قبضہ میں آگئی اور اپنے شوہر کی جگہ خود بالاستقلال فرمان روائی کرنے لگی ؛

زینت المساجد جو دہلی میں ایک نہایت مشہور و معروف اور قابل دید عمارت ہے اسی بیگم کی یادگار ہے۔ یہ مسجد زینت النساء بیگم نے خاص اپنے صرف سے تعمیر کرائی اور ہمیشہ کے لیئے اپنی ایک عجیب اور قابل یادگار نشانی چھوڑگئی۔

زینت المساجد ایک بڑی نامی اور مشہور عمارت ہے جو دریا گنج میں دریا کے

کنارے واقع ہے اِس کے بلند اور اونچے اونچے مینار دور سے نظر پڑتے ہین
اور خود مسجد کوسوں سے دکہائی دیتی ہے اور مسجد کی فضا اور منبت کاری اور چمن
سازی کی بہار اور دہر سبزہ زار کا نظارہ اور دریا کا بہنا اور طرح طرح کی لہرین لینا
عجیب عالم دکہاتا ہے واقع مین جیسی کیفیت اور لطف اس مسجد مین ہے بہت کم کسی
مسجد مین ہوگا۔ مسجد سر سے پانون تک سنگ سرخ سے بنی ہوئی ہے اور تینون
برج جو نہایت خوبصورت اور عالیشان ہین سنگ مرمر کے بنے ہوئے ہین
اور اُن مین سنگ موسیٰ کی نازک دہاریان عجب بہار دکہارہی ہیں برجوں پر نہایت
خوشنما اور قیمتی سنہرے کلس چڑہے ہوئے ہیں جنکی دمک آفتاب کی چمک کو مات
کرتی ہے مینار آسمان سے باتین کرتے ہین۔ مسجد کے سات در ہیں مگر بیچ کا در
بہت بڑا اور نہایت خوشنما ہے صحن کے بیچ میں نہایت خوشنما حوض ہے جو
کسی زمانے مین بڑی دلربائی کی موجین لیتا ہوگا۔ مسجد کے پاس ایک بڑا عمیق کنواں
ہے جسمین سے حوض مین پانی پہونچایا جاتا تہا لیکن اب کنوان پٹ گیا ہے اِسی
مسجد کے صحن میں شمال کی طرف زینت النسا بیگم بانی مسجد کا مدفن بہی ہے یہ
ایک چہوٹا سا برج تہا اور اِس کے نیچے دو مختصر سے مجرے تہے ایک سنگ ماسی
کا اور ایک سنگ مرمر کا سنگ مرمر کے مجر مین فرش بہی سنگ مرمر ہی کا تہا مگر
اب یہ برج اور مجر خراب ہوگئے ہین سنگ مرمر کے مجر مین زینت النسا بیگم کی قبر
ہے اور قبر کے سرہانے ذیل کی عبارت کندہ ہے۔ قل یعبادی الذین اسرفو
اعلیٰ انفسہم لا تقنطوا من رحمۃ اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا انہ ھو الغفور الرحیم

مونس ما در لحد فضل خدا تنہا بس است — سایۂ از ابر رحمت قبر پوش ما بس است

امیدوار حسن خاتمہ خادمہ فاطمہ زینت النسا بیگم بنت شاہ محی الدین محمد عالمگیر
غازی انار اللہ برہانہ ۱۱۲۲ ہجری +

نواب زبدۃ النساء بیگم

یہ بیگم شہنشاہ عالمگیر کی دختر اور نواب زیب النساء بیگم کی حقیقی بہن ہے ۲۶ ر
رمضان المبارک سنہ ہجری کو بطن دلرس بانو بیگم صبیہ شاہ نواز خان صفوی سے
پیدا ہوئی اس کے پیدا ہونے پر شاہی محلسرا میں معمول سے زیادہ خوشی منائی گئی اور جب
کچھ ہوشیار ہوئی تو شاہی حرمسرا کے قاعدے کی مطابق لسے پڑہنے بٹھایا گیا عالمگیر
کے والد محترم شاہجہان نے ایک بوڑہی معلمہ سے جو دینی علوم اور بعض فنوں میں
اچھی مہارت رکھتی تھی تعلیم دلوائی اور تربیت و تعلیم میں نہایت اہتمام کے ساتھ
کوشش کی۔ لڑکی تھی ذہین اور پھر دادا کے معمول سے زیادہ کوشش تھوڑے
عرصہ میں رواجی علوم و فنون سے واقف ہوگئی اور ترکی و عربی زبان میں بلا
تکلف گفتگو کرنے لگی۔ اس کے چند روز بعد اس نے دیگر علوم کی طرف توجہ
کی اور اب اسکی قادر الکلامی اور سخن سنجی کی دہوم ہر طرف مچ گئی۔ سن بلوغ کو
پہونچی تو شاہ جہان نے عالمگیر سے درخواست کی کہ زبدۃ النساء کی شادی دارا شکوہ
کے چھوٹے فرزند سپہر شکوہ سے ہونی چاہیئے۔ اگرچہ عالمگیر اس تعلق کو اپنی پالیسی
کے بالکل خلاف سمجھتا تھا اور اسی وجہ سے اس نے فوراً اپنے والد کو ہاں ناکا
کچھ جواب نہیں دیا۔ لیکن شاہجہان کے باربار کہنے سے اسے بجز اظہار رضامندی
کے اور کچھ کرتے دہرتے بن ہی نہ پڑا آخر کار زبدۃ النساء کی شادی سپہر شکوہ
کے ساتھ ہوئی اور نہایت شان و شوکت اور عظمت و حشمت کے ساتھ ہوئی شادی
کی چند دنوں بعد زبدۃ النساء بیگم بیمار پڑ گئی اور اس بیماری نے اسقدر طول کھینچا
کہ پھر اسے بستر علالت سے اٹھنا نصیب ہی نہیں ہوا چنانچہ عین عالم شباب میں
اسی سال میں انتقال کر گئی جس میں شہنشاہ عالمگیر نے دنیا سے منہ موڑا مورخین کا

بیان ہے کہ عالمگیر کو زبدۃ النساء کے فوت ہونے کی خبر نہیں ہوئی +

سلطان بیگم

یہ جمیلہ خاتون شاہ طہماس والی ایران کی حقیقی بہن ہے جو عقل و دانش اور فرزانگی و تجربے مین اپنا نظیر نہیں رکھتی تھی۔ اس کی پختہ کاری اور عاقبت اندیشی کے افسانے کم و بیش ایران کے تمام اطراف مین زبان زد عام و خاص تھے اور پر مغزی و عالی دماغی کے چرچے نہایت رفعت اور ناموری کے ساتھ جستہ جستہ لوگوں میں پھیلے ہوئے تھے۔ شاہ طہماس ان ہی وجوہ سے اپنی بہن کو حد سے زیادہ محبوب رکھتا تھا اور تدابیر سلطنت اور امور جہانبانی مین اپنا ایک بڑا مدمغ اور صائب الرائے وزیر اور حکومت کا راز و سمجھتا تھا سلطان بیگم کی زندگی میں اسکی دانشمندی اور پُر مغزی کا سب سے بڑا واقعہ جو تاریخی صفحات میں ابتک سنہرے حرفون سے لکھا نظر آتا ہے اور جسنے اُسے تقریباً دنیا کے تمام حصول میں نامور و مشہور کر رکھا ہے ہمایون بادشاہ کا واقعہ ہے جو ۹۵۰ہجری مین پیش آیا۔ فارسی مورخون نے اس واقعہ کو بہت بڑھا کر لکھا ہے۔ لیکن مختصر یہ ہے کہ جب محمد ہمایوں بادشاہ قوم ازبکہ کے قلع و قمع سے فارغ ہوا تو آخر ۹۵۰ہجری میں ایران کی طرف متوجہ ہوا جب سیستان کی حد مین پہونچا تو طہماس شاہ ایران کی خدمت میں قاصد روانہ کیا اور ایک خط جس کے جملے جملے اور حرف حرف سے اتحاد و اتفاق سے اور محبت و شوق ٹپکتا تھا بھیجا اور ساتھ ہی یہ بھی اشارہ کیا کہ میرا ارادہ ہے کہ تھوڑے دنوں ایران کی سیر و سیاحت میں بسر کرون اور پھر تازہ دم ہو کر مخالفوں کے قلع قمع میں کوشش کروں +

احمد سلطان شاملو جو سیستان کا حاکم تہا یہ خبر سنکر معزز مہمان کی استقبال کی طیاریان کرنے لگا اور باوجودیکہ ابھی تک شاہ طہماس کا کوئی حکم اُسکے پاس نہ پہونچا تھا اپنی بہائی کو جو بڑا شجاع و دلیر اور شجاع و دلیر ہونے کے ساتھ نہایت خوش مذاق اور لطیفہ پسند تہا ساتھہ لیکر سیستان سے نکلا خراسان کے عمدہ اور بیش قیمت تحفے لذیذ فواکہ اور طرح طرح کے عجیب و غریب سامان جو معزز مہمان کی شان کے لائق تھے مہیا کیئے اور اپنے بہائی کو آگے بھیجا تاکہ وہ نہایت گرمجوشی اور اخلاص کے ساتھہ بادشاہ کے خیر مقدم کی رسم ادا کرے۔ احمد سلطان شاملو کا شجاع اور لطیفہ گو بہائی بہت جلد محمد ہمایون بادشاہ کی خدمت میں پہونچ گیا اور جو تحفے تحائف اور گرانبہا ہدیے ساتھہ لے گیا تہا پیش کیئے عقب سے خود احمد سلطان ضیافت کے ساز و سامان مہیا کر کے پہونچا اور شہنشاہ ہند کو ایک نہایت سرسبز اور شاداب باغ میں اُتارا +

ادہر شاہ طہماس کے پاس جب محمد ہمایون بادشاہ کا خط اور بیرم خان قاصد پہنچا تو وہ خط دیکھکر آب دیدہ ہوا۔ اور بیرم خان کی مہمان داری کا حکم دے کر نہایت مضمون جواب خط لکھا اور نہایت شوق اور اظہار محبت کے ساتھہ لکھا۔ ؎

ہمائے اوج سعادت بدام ما افتد ۔ ترا اگر گزرے بر مقام ما افتد

شہنشاہ ہند حضور محمد ہمایون بادشاہ کو معلوم ہو کہ میں حضور کا ایک مخلص اور بے ریا غلام ہون عرصے سے آرزو تہی کہ شہنشاہ کمترین کے غریب خانہ پر قدم رنجہ فرمائین الحمدللہ کہ تمنائے دیرینہ پوری ہوئی اور خادم کی دلی آرزو برآئی" خط ختم کر کے قاصد کو دیا اور دربار کے قاعدہ دان امراکو بادشاہ کی مہمان داری کے لئے متعین کیا اور تاکیدی حکم فرمایا کہ سیستان سے دارالحکومت ایران تک ہر ہر منزل اور فرودگاہ پر طرح طرح کی غذائین اور میوہ جات اور فاخرہ خلعت اور تمام وہ چیزین جس کی ضرورت

سلاطین کو ضرورت پڑتی ہے موجود کیجائین بہانتک پہنچے علاوہ اہل نغمہ و اسباب عیش و طرب ہر جگہہ مہیا کیئے جائین عراقی منتخب گھوڑے طلائی یراق سے آراستہ بادشاہ کی سواری مین رہین اور عربی اونٹ بار برداری کے کام مین لائے جائین الغرض شہنشاہ ہند کی ضیافت اور مہمانداری میں کوشش کا کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا جائے اور اُنکی رضاجوئی و خوشنودی میں کوبات دریغ نہ رکھی جائے -

محمد ہمایوں شاہ جب نہایت تزک و احتشام اور وقعت و احترام کے ساتھ حدود ہرات مین داخل ہوا تو شاہ طہماس کا فرزند رشید سلطان محمد مرزا جو منصب ولیعہدی کا معزز و ممتاز تمغہ حاصل کر چکا تہا اور نہایت پُر مغز حاتی دماغ حوصلہ مند شہزادہ تہا اپنے اتالیق شرف الدین اور دیگر امرائے دولت کو ساتھ لے کر ہرات میں پہونچا نہایت گرمجوشی اور فرط اخلاص سے بزرگانہ استقبال کیا اور لوازم تعظیم و تکریم مین ذرا کمی نہیں کی بالمشافہہ بادشاہ سے ملاقات ہوئی تو سلطان محمد میرزا نے قوانین آداب اور مخلصانہ ادائین ظاہر کر کے سلام کیا اور مودبانہ کہڑا ہو گیا - محمد ہمایون بادشاہ نے آگے بڑھ کر شہزادے کو سینے سے لگایا اور کچھ دیر تک اِدہر اُدہر کی باتین کرتا رہا - ازان بعد سلطان محمد میرزا رخصت ہوا اور شہنشاہ ہند چند روز تک ہرات کے پُر فضا اور دلکشا باغات کی سیر و شکار مین مصروف رہا چونکہ ہرات کی آب و ہوا بادشاہ کے مزاج کے بہت موافق تہی اور وہان کے سبزہ زار نہایت دلکش و دلربا تھے لہذا قریبًا دو مہینے تک بادشاہ نے یہان قیام کیا اور ۹۵۱ھ ہجری کے آغاز میں داخل دارالحکومت ایران ہوا - شاہ طہماس کو معلوم ہوا کہ بادشاہ مستقر حکومت کے دروازے پر آ پہونچا ہے تو وہ اپنے امرائے دولت کو ہمراہ لیکر شہر کے باہر پہونچا اور کمال گرمی و تپاک سے بادشاہ کا استقبال کیا شہر مین ایک بڑی آراستہ و عالیشان عمارت میں اُتارا اور میزبانی کی وہ شرطین بجالایا جو مہمان کو سزاوار و لائق تہیں ÷

مورخین کا بیان ہے کہ اگرچہ شہنشاہ ہمایون کئی مہینے تک شاہ طہماسپ کا مہمان رہا۔ اور بار ہا اُن پوست کندہ حالات میں گفتگو کرنے کا موقع ہوا جو ابھی تک کسی کے کان تک بھی نہ پہونچے تھے مگر شاہ طہماسپ نے اس بے تکلفی کی ملاقات پر بھی کبھی سرکش اور بدبخت افاغنہ کے واقعات کی نسبت حرف تک زبان پر نہیں آنے دیا۔ بلکہ جب کبھی اثنائے گفتگو میں بلا قصد و ارادہ تذکرہ ہوا بھی تو وہ فوراً ٹال گیا حتے کہ ایک مجلس مین خود بادشاہ نے افاغنہ کی سرکشی و بغاوت کا ذکر چھیڑا اور ساری سرگذشت تفصیلاً بیان کی اُسپر شاہ طہماسپ نے نہایت افسوس ظاہر کیا اور بادشاہ کی تسلی و دلجوئی کر کے سلسلۂ کلام کا رخ اور طرف پھیر دیا کہ مبادا اگر امیقدر اور عزیز مہمان کو کسی طرح کا ملال و صدمہ پہونچے۔ لیکن ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ مجلس میں تخلیہ تھا جس کمرے میں شہنشاہ ہند اور کجکلاہ شاہ ایران موجود تھے اُس میں ہر طرف عالم خموشی کا سناٹا چھایا ہوا تھا۔ ملازم و خدمت گار سب باہر تھے ایسی تنہائی کے موقع پر شاہ ایران نے بادشاہ سے اُس کے ملک کی برہمی اور امرا کی برگشتگی اور افاغنہ کے تمرد و سرکشی کی بابت استفسار کیا بادشاہ نے جواب دیا کہ ملک کی تباہی اور سلطنت کی شکستگی کا بڑا سبب ہم بھائیوں کا نفاق تھا ادھر ہم بھائیوں میں اختلاف و نفاق کی آگ بھڑکی اُدھر دشمنوں کو غیر معمولی قوت پہونچی سلطنت برباد ہوگئی۔ اور دشمنوں نے ہر طرف سے قبضہ کر لیا ٭

اس کے دوسرے روز پھر مجلس عیش و نشاط گرم ہوئی اور شاہ ایران سلطنت کے ضروری امور سے فارغ ہو کر شہنشاہ ہند کی خدمت میں پہونچا۔ مجلس کے خاتمہ پر وہی کل کی گفتگو شروع ہوئی۔ اور شاہ طہماسپ کے اس سوال پر کہ سلطنت کے ضعیف ہونے کا بڑا سبب کیا تھا شہنشاہ نے وہی جواب دیا کہ صرف بھائیوں کا نفاق اس موقع پر بہرام میرزا شاہ طہماسپ کا چھوٹا بھائی بھی موجود تھا اور

بزرگان ایران کے قاعدے کی مطابق کہ چھوٹے بھائی اور فرزند. والدین کی خدمت اور مہمان کی دلجوئی کو دو جہان کی سعادت جانتے اور خدام کی طرح شب و روز اُن کی خدمت میں سرشار رہتے ہیں ہاتھ میں طشت و آفتابہ لیئے ہوئے مصروف خدمت تھا - خدمت سے فارغ ہونے کے بعد بہرام میرزا نے طشت و آفتابہ ایک گوشہ میں رکھ دیا اور نہایت ادب سے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا - اُس پر شاہ طہماسپ نے بہرام میرزا کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ آپ لوگ فرزندوں اور بھائیوں کے ساتھ وہ طریقہ اور ادب ملحوظ رکھتے ہیں جو اُن کی حالت کے ساتھ نہایت ہی نا زیبا ہے یہی وجہ ہے کہ اُن کے دلوں میں بادشاہ کی عظمت و ہیبت بالکل نہیں ہوتی اور رفتہ رفتہ مدعی سلطنت ہو کر مقابلے کے لیئے اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں ایک ہم لوگ ہیں کہ اپنے فرزندوں اور بھائیوں کو اپنے کاموں میں ذرا دخل نہیں دیتے اور اُن کی وقعت و قدر ملازموں سے زیادہ نہیں کرتے یہی وجہ ہے کہ انکو ہمارے مقابلے اور ہمسری کی ذرا جرأت نہیں ہوتی - شہنشاہ نے طہماسپ کے اِس قول کی تصدیق کی اور فرمایا بے شک یہ لوگ اسی قابل ہیں کہ ان کے ساتھ اسی قسم کا سلوک و برتاؤ کیا جائے میں نے غلطی کی اور سخت غلطی کی کہ اپنے بھائیوں کو امور سلطنت میں اِس قدر دخیل کر لیا کہ وہ مجھپر قابو پا گئے - شہنشاہ کا یہ آخری حملہ بہرام میرزا کو بہت ناگوار معلوم ہوا اور یہی وجہ اس کے مزید رنج کی ہوئی اِس کے بعد بہرام میرزا کا معمول ہو گیا کہ موقع پا کر کوئی نہ کوئی ایسی چبھتی ہوئی بات شہنشاہ کی طرف سے شاہ ایران کو لگا دیتا کہ وہ اِس میں خواہ مخواہ غور و فکر کرنے لگتا ایک دن کا ذکر ہے کہ شاہ ایران کے سامنے محمد ہمایوں بادشاہ کی مذہبی پالیسی کا ذکر ہوا اور بیان کرنے والے نے نہایت وثوق و دلائل سے بیان کیا کہ شہنشاہ ہند مذہباً آپ کا مخالف ہے اور یہ جو کچھ اتحاد و اتفاق ظاہر کیا جاتا ہے حرف

ظاہری تملق اور بناوٹی چاپلوسی ہے اس پر بہرام میرزا نے وہ نمک مرچ لگایا چڑھا کر کہ شاہ ایران کا مزاج بگڑ گیا اور قریب تھا کہ مادہ انحراف اُس کے دل میں بیٹھ جائے اور یہ سارا اتحاد و اتفاق عداوت و نفاق سے بدل جائے۔ لیکن محمد ہمایون بادشاہ نے اس وقت بڑی عاقبت بینی اور دور اندیشی سے کام کیا اور سچ پوچھیے تو اسی عاقبت بینی اور دور اندیشی نے محمد ہمایوں کی عزت رکھ لی ورنہ دشمن نے تو اُس کے پریشان کرنے میں کوئی کسر باقی ہی نہیں رکھی تھی۔ وہ شاہ ایران کے تمام امرائے دولت اور اعیان ملک سے بملائمت و فروتنی پیش آتا تھا اور کسی کی بدخواہی کی نسبت کوئی کلمہ زبان سے نہیں نکالتا تھا۔ آخر کار انہی امرا دولت اور شاہی خاندان کے بزرگوں کی وجہ سے دونوں بادشاہوں میں صفائی ہو گئی اور ایک مدت تک اتحاد و اتفاق جانبین میں قائم رہا۔

اس نازک اور نہایت خطرناک موقع پر سلطان بیگم شاہ طہماس کی ہمشیرہ شہنشاہ ہند کے بہت کام آئی اور اس کی دور اندیشی اور اصابت رائے نے نہایت آسانی اور سہولت کے ساتھ دونوں گھر آباد رکھے۔ سلطان بیگم نے جب یہ وحشتناک خبر سُنی تو اس نے قاضی جہاں اور حکیم نور الدین کو جو سلطنت ایران کے رکن اعظم اور نہایت معزز و ممتاز شخص تھے بلایا اور تمام واقعہ اول سے آخر تک گوش گزار کیا۔ ان دونوں بزرگوں نے سلطان بیگم کی رائے سے اتفاق کیا۔ اور تینوں نے ملکر اُس وسوسے کے رفع کرنے میں انتہا سے زیادہ کوشش کی جو طہماس کے دل میں شہنشاہ کی طرف سے بیٹھ چلا تھا۔ سلطان بیگم خود شاہ طہماس کی خلوتگاہ میں گئی اور نہایت متین و سنجیدہ لفظوں میں کہا کہ بھائی جان شہنشاہ کی نسبت جو آپ سے بیان کیا گیا ہے کہ وہ آپ کے مذہب کا سخت مخالف ہے اور مذہبی تعصب اُس کے دل میں مخفی ہے محض غلط اور بے بنیاد ہے

خاندان امیر تیمور صاحبقران غازی کے سب لوگ ہمیشہ سے اہلبیت کے ساتھ
بے انتہا محبت رکھتے اور اُن کے نام پر جانین فدا کرتے آئے ہیں۔ غور فرمایئے
کہ ذیل کی رباعی خود شہنشاہ ہند کی کہی ہوئی ہے اور جو زور طبع اس سے ظاہر
ہوتا ہے وہ اُس کی دلی عقیدت اور سچی محبت پر دلالت کرتا ہے وہ کہتا ہے رباعی

مائیم زجان بندۂ اولاد علی　　　　هستیم همیشه شاد با یاد علی

چون سر ولایت زعلی ظاهر شد　　　　کردیم همیشه ورد خود نادِ علی

دانشمند اور عالی دماغ سلطان بیگم نے اثناء تقریر مین یہ بھی کہا کہ حضور آپ کو یہی
معلوم ہے کہ امرائے چغتہ شہنشاہ ہند سے کیوں مخالف ہوئے اور بھائیوں
خصوصًا میرزا کامران میں اور ہمایوں شاہ میں نفاق و اختلاف کی بنیاد کس طرح
قائم ہوئی اسکا اصلی سبب بلکہ علت غائی یہی تھی کہ بادشاہ نے عنان حکومت
ایرانیون کے ہاتھ میں دے دی تھی اور سلطنت ہند میں جو اقتدار اہل ایران کو
نصیب تھا وہ کسی اور شخص کو نصیب نہ تھا علاوہ ازین وہ اہل بیت کی اظہار
محبت مین افراط کرتا تھا یہ امر امرائے چغتہ اور شہنشاہ کے بھائیوں بالخصوص
مرزا کامران کو سخت ناگوار و گران گزرا اور انہوں نے خفیہ خفیہ سازش کرنی
شروع کی سچ یہ ہے کہ مذہب تشیع کو جسقدر تقویت اور مدد شہنشاہ سے پہونچی
وہ قابل تعریف ہے اور یہ شہنشاہ ہند کا ایرانیوں پر ایسا گراں بار احسان ہے۔
جس سے انہیں سر اُٹھانے کی گنجایش نہیں ۔

الغرض سلطان بیگم کی اس موثر اور پر مغز تقریر کا جادو شاہ طہماس پر چل گیا
اور وہ اپنی بہن کی اس مسلسل اور نتیجہ خیز گفتگو سنکر ششدر رہ گیا۔ تعصب کا جنون
جو چند روز سے اُس کے سر پر سوار تھا دفعتہً اُتر گیا اور اب وہ سمجھا کہ یہ ساری کارروائی
بہرام میرزا اور اسکے ہمراہیوں کی ہے شہنشاہ ہند اس قسم کی فضول اور لا یعنی

باتون سے مایُس ہے لوث اور پاک ہے اُس نے تھوڑی دیر کے سکوت وخاموشی کے بعد سر اُٹھایا اور سلطان بیگم کی طرف روئے سخن کر کے کہا۔ بیگم! تم مجھے معاف کروگی کہ ایسے ناہموار اور گھناؤنے خیالات کو مین نے اپنے دل ودماغ مین جگہہ دی اور ایک بے لوث اور پاک شخص کی طرف سے بدظن ہوا۔ تمہاری اس سچی اور پراثر تقریر نے میرے تمام شکوک وشبہات کو مٹا دیا اور اُن سارے خطرات ووساوس سے دلکو دھو دیا جو شہنشاہ ہند کی طرف سے میرے ذہن مین خطور کرتے تھے بیگم! مین تمہارا مشکور ہون کہ تم نے مجھ مین اور شہنشاہ مین ہمیشہ کے لئے صفائی کرا دی اور جو رکاوٹ باہم تھی اُسے جڑ پیڑ سے اُکھاڑ پھینکا!!

اس کے بعد شاہ طہماسپ ہمایون شاہ کی خدمت مین حاضر ہوا اور مراسم مہمانداری مین کوشش کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا۔ اب ہمایون شاہ کی طبیعت ایران سے دفعتہً اُچاٹ ہوگئی اور اُس کی اس برخاستگی طبع کا بڑا سبب یہ ہوا کہ اُسے اپنے عزیز و قریب اور اہل وعیال اور ملک وسلطنت یاد آئی اور اُس جاہ وجلال اور حشمت وشوکت کا سمان دوبارہ آنکھون تلے پھر گیا جو اُسے اب سے تھوڑے دنون پیشتر میسر تھا اُس نے فوراً سامانِ سفر مہیا کرنے کا حکم دیا اور ایکایک ایران سے چل کھڑا ہوا۔ شاہ طہماسپ کو بادشاہ کے ارادے پر اطلاع ہوئی تو اُس نے دس ہزار سوار قزلباش اور دس ہزار خراسانی پیادے جو سر سے پاؤن تک فولادی ہتیارون مین ڈوبے ہوئے تھے اور دس ہزار ایرانی مسلح سوار اور بہت سے نامدار سردار بادشاہ کی ہمرکابی اور جان نثاری کے لئے طیار کر کے حکم دیا کہ سفر وحضر مین ہمیشہ شہنشاہ کے ساتھ رہین اور اُس کے قدمون پر جان قربان کرڈالنے کو اپنا فخر سمجھین ۔ بعد شاہ ایران نے دوسری طرف عنان توجہ موڑی اور اُن چیزون کی سرانجام دینے مین مشغول ہوا۔ جو لوازم سفر تھین +

جب سامان سفر بالکل مہیا اور فراہم ہوگیا تو شہنشاہ ہند ایران سے رخصت ہوا اور شاہ طہماسپ خود بطریق مشایعت کئی کوس تک بادشاہ کے ساتھ آیا از ان بعد ہمایون شاہ رخصت ہوا اور شاہ ایران دارالحکومۃ ایران میں واپس آیا۔ ایران سے نکلکر ہمایون شاہ نے فتح قندہار کا عزم بالجزم کیا اور سرداران ایران پر اس امر کو ظاہر کیا کہ میرا ارادہ ہے کہ قندہار پر حملہ آور ہوں اور اُسے فتح کرکے تبریز کی راہ سے مشہد مقدس جاتا ہوا ہندوستان میں پہونچوں چنانچہ سرداروں اور فوج کے افسروں نے نہایت ترتیب و آراستگی کے ساتھ فوج کو قندہار کی طرف بڑہنے کا حکم کیا اور یہ فوج نہایت آہستگی کے ساتھ قندہار روانہ ہوئی۔ اندنوں میرزا عسکری قندہار پر حکمران تھا اور اُس نے ہمایون شاہ کے مقابلے کے لیئے بہت کچھ فوج جمع کر رکھی تھی گو سامان حرب کافی و وافی تھا مگر خود بہت بڑا تھڑدلا تھا جب اُسے معلوم ہوا کہ شہنشاہ ہمایون قندھار پر چڑھا چلا آتا اور آندھی و مینہ کی طرح بڑھا چلا آتا ہے تو وہ مع اہل و عیال اور فوج و حشم کے قلعہ بند ہوگیا۔ ہمایون شاہ کی فوج نے قندہار کا چاروں طرف سے محاصرہ کرلیا اور برابر چھ مہینے تک محاصرہ کئے رہی انجام کار ۹۵۲ھ ہجری میں اوائل رمضان کو قندھار فتح ہوا ہمایون شاہ نے قندھار کی باگ حکومۃ شاہزادہ محمد مراد کے سپرد کی اور خود براہ تبریز روانہ مشہد مقدس ہوا +

سلیمہ سلطان بیگم

یہ ہوشمند اور عالی دماغ بیگم محمد ہمایون بادشاہ کی بھانجی تھی جو حسن صورت اور دلربائی میں اپنی آپ ہی نظیر تھی۔ فارسی مورخون نے اس حسینا ور بے نظیر بیگم کو حسن کی دیوی اور نور کی پتلی لکھا ہے اور سچ یہ ہے کہ اس بیگم کے فوٹو سے اعلے درجہ کی نزاکت و لطافت ظاہر ہوتی ہے۔ میں نے بچشم خود اس بیگم کا

اصلی مرقعہ دیکھا ہے جو قریباً تین سو سال سے ایک خاندانی مصور کی وراثت میں
چلا آیا ہے۔ حسن و خوبصورتی اور ملاحت و نزاکت کے علاوہ اِس کے چہرے سے
متانت و سنجیدگی کے آثار نمایان ہین اور شان و شوکت عظمت و جلال کی علامات
ظاہر۔ اس کی دلکش تصویر سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ قدرت نے تمام اوصاف
جمیلہ اور آثار حمیدہ اِس بیگم کی فطرت میں کوٹ کوٹ کر بھر دیئے ہیں اُس کے
ناز و کرشمے حقیقت مین زہر کے بجھے ہوئے تیر ہونگے اور انداز و عشوے ہندی
شمشیر سے بڑھکر اثر رکھتے ہوں گے +

سلیمہ سلطان بیگم تعلیم یافتہ اور نہایت مہذب شہزادی تھی اُس نے بہت سی شریف
زادیوں۔ اور بوڑھی اُستانیوں سے تعلیم پائی تھی۔ جنہین مذہبی علوم مین بڑا دخل
تھا اور جو اِس زمانے مین شاہی محلسرا کی بیگمات کی تعلیم کے لئے منتخب کی گئی تھین
سلیمہ سلطان بیگم تمام علوم مروجہ مین تھوڑا بہت ضرور دخل رکھتی تھی اور ریاضی و علم
ہیئت میں تو انتہا درجے کی مشاق تھی۔ جب ہم ان نامور شہزادیوں اور بادشاہ
بیگموں کے حالات تاریخ مین پڑھتے ہیں تو ہمین کامل طور پر ثابت ہوتا ہے کہ وہ
کسی فن میں عاری نہ تھین یہ اور بات ہے کہ ہم اپنی ناواقفیت اور لاعلمی کیوجہ سے
شاہی بیگمات پر وہ الزام لگائیں جو دہرے جائین اور نہ اُٹھائے جائین اور اندھے
بن کر سب کو ایک ہی لکڑی ہانکیں یہ انتہا درجے کی ناانصافی اور سخت حماقت ہے
کہ ہم اپنے قصور فہمی کے سبب سے یا مذہبی تعصب اور بیہودہ جوش کی وجہ
سے شاہی مستورات کو اُن الفاظ سے یاد کرین جو اُن کی شان میں کسی طرح زیبا
نہون یہ سچ ہے کہ سب شہزادیان نہ عالم ہی ہوتی تھین نہ جاہل ہی۔ لیکن تاریخ
پڑھنے والے ڈنکے کی چوٹ کہہ سکتے ہیں کہ اکثر شہزادیان تعلیم یافتہ مہذب۔ متین
سنجیدہ ہوتی تھین۔ بعض چاہے بے لکھی پڑھی ہون جن بیگمات کے ہم حالات قلمبند

کرچکے ہیں یا آیندہ قلمبند کرینگے اُن سے ہر شخص کو اس بات کا کافی اندازہ ہوجائے گا کہ شاہی بیگمات کی لائف کس درجہ وقعت رکھتی ہے اور جو لوگ اُن کے بارے مین بے بنیاد اعتراض کرتے ہیں وہ کہانتک صدق اور راستی کے کانٹے مین وزن کئے جا سکتے ہین - اس بات کا بیشک ہمین اعتراف ہے کہ مغلیہ گورنمنٹ نے اپنی بیگمات اور شہزادیوں کو پورا آزاد بنا رکھا تھا - اور جس طرح شاہان فرنگستان کی لیڈیان نہایت آزادی کے ساتھ محل مین تہین اور ضرورت کے وقت بازارون اور باغات مین پھرتی ہین شاہان مغلیہ کی مستورات بھی اسی طرح آزادی کے ساتھ زندگی بسر کرتی تھین لیکن ساتھ ہی اُن کی طرز معاشرت اور چال چلن ایسے مہذب اور شریف تھے کہ کبھی کسی کو اپنے اوپر مشتبہ ہونے نہین دیا - عیب جو آنکھین اور ہٹ دھرم نظرین گو کتنی ہی کوشش کرین مگر وہ مغلیہ خواتین کی مشتبہ حالت ثابت کرنے مین بہت کم کامیاب ہوسکتی ہیں اُن کی اس آزادی کو خواہ کوئی اشتباہ اور بے وقعتی کی نظر سے دیکھے مگر ہم تو اس کو بھی مصلحت وقت سمجھتے ہین شاہی حرم سرا میں بے شک آزادی تھی اور عموماً تمام بادشاہ بیگمین ہتھیار بند رہتی اور جنگ میں مردون کے پہلو بہ پہلو داد شجاعت دیتی تھین پھر وہ کیونکر ممکن تھا کہ اُنھین مقید کرکے رکھا جاتا ÷

سلیمہ سلطان بیگم کو بھی شاہی گورنمنٹ سے پوری آزادی حاصل تھی وہ جو کچھ چاہتی کرتی کوئی مانع و مزاحم نہ ہوتا تھا کیونکہ اُس کے طرز معاشرت کی ابتدائی نشوونما سے عالم شباب تک کبھی اپنے پرائے کو اپنی حالت پر مشتبہ ہونے نہین دیا - اس کی طبیعت نہایت موزون اور سنجیدہ واقعہ ہوئی تھی اور شعر گوئی - لطیفہ سنجی کی دھوم سارے میں مچ گئی تھی برجستگی اور شیرین زبانی اور بندش الفاظ اور بے ساختگی جو سلیمہ سلطان بیگم کو حاصل تھی کم شعرا مین دیکھی جاتی تھی اس کے اشعار

نہایت مضمون خیز اور پُر لطف ہوتے تھے۔ ہمین افسوس ہے کہ باوجود بے حد
تلاش کے اُس کا کوئی قصیدہ یا غزل دستیاب نہیں ہوئی خافی خان موسخ نے
صرف ایک شعر لکھا ہے۔ جسے ہم یہان درج کرتے ہین ؎

کاکلت را من ز مستی رشتہ جان گفتہ ام   مست بودم زین سبب حرف پریشان گفتہ ام

مرزا نورالدین محمد سلیمہ سلطان بیگم کا باپ اِس کی طفلی کی حالت میں انتقال کر گیا تھا اور
اسی وجہ سے سلیمہ سلطان بیگم نے ابتدا ؑ محمد ہمایون بادشاہ کے سایۂ عاطفت میں
پرورش پائی اور بعد کو جلال الدین اکبر بادشاہ اس کا متکفل ہوا ۹۶۵ھ ہجری مین
جلال الدین اکبر نے اسکی شادی بیرم خان المخاطب بہ خانخانان سے کی اور نہایت
شان وشوکت اور تزک واحتشام کے ساتھ کی صاحب منتخب اللباب کہتا ہے کہ
سلیمہ سلطان بیگم کی شادی کی تقریب دہلی میں واقع ہوئی مگر تاریخ فرشتہ سے
ثابت ہوتا ہے کہ یہ تقریب جالندھر میں ہوئی۔ الغرض اس تقریب میں بادشاہ
نے نہایت فراخ حوصلگی سے کام لیا۔ اور سلیمہ سلطان بیگم کو اس قدر سامان جہیز اور
زر ونقد عطا کیا کہ اُس سے زیادہ ممکن نہ تھا۔

بیرم خان جو جلال الدین اکبر کا ایک نہایت لائق مشیر اور سلطنت کا بازو تھا جسے
اب سلیمہ سلطان بیگم کے شوہر بننے کی عزت حاصل ہوئی علی شیر قرکان کی اولاد
میں تھا اس کے آباء واجداد خاندان امیر تیمور کے نمک پروردہ تھے اور یہ خود اس
خاندان کے تین بادشاہوں کی خدمت کا گرانبہا تمغہ حاصل کر چکا تھا اسکی بے دھڑک
شجاعت اور بیخوف جرأت کی دھوم سب طرف پھیلی ہوئی تھی اور امور ریاست
کی تمشیت وتدبیر مین ضرب المثل تھا۔ ہمایون شاہ کے عہد سلطنت میں جو کارنمایان
اس سے ظہور مین آئے اُن کی نظیر تاریخ میں نہین ملتی۔ جلال الدین اکبر اسکی
جان نثاریوں کا معترف تھا اور تمام اُمرائے دولت سے زیادہ تعظیم کرتا تھا بیرم خان

نہ صرف امور سلطنت کی تدابیر مین ید طولے رکھتا تھا بلکہ علوم مروجہ سے بھی بخوبی واقف تھا۔ بالخصوص علم موسیقی مین اُستاد مانا جاتا تھا +

بیرم خان اگرچہ اپنی عمدہ کارگذاریون اور روزافزوں ترقیون اور مزید اختیارات سلطنت کیوجہ سے مسعود زمانہ تھا اور تنگ چشم اُمرائے دولت کی آنکھون مین ہمیشہ کانٹا ہنکر کھٹکتا تھا۔ بالخصوص بادشاہ کی اس عزت افزائی کے سبب سے کہ اِس نے سلیمہ سلطان بیگم کو اس کے عقد ازدواج میں دیدیا تھا اور بھی لوگونکو حسد تھا چنانچہ اُمرا چغتہ کو اس کا یہ تعلق نہایت ہی ناگوار اور گران تھا اور اِسی وجہ سے وہ اس کے جانی دشمن ہو گئے تھے انہوں نے اُس پر طرح طرح کی تہمتین تھو پین اور آخر کار اسے بادشاہ کی مخالفت اور بغاوت سلطنت کے ساتھ متہم کیا لیکن طبقات اکبری کے مطالعہ کرنے والون کو صاف معلوم ہوگا کہ خاندان ترکمان کے تمام لوگ اپنی ولی نعمت کے ہمیشہ فدائی اور جان نثار ثابت ہوئے اور اُن سے نمک حرامی بہت کم ظہور میں آئی۔ بیرم خان اُن الزامات سے بالکل بری اور پاک تھا جو معاندون نے اُس پر لگائے تھے۔ اور یہی وجہ تھی کہ بادشاہ کی طرف سے کبھی اُسکے دلجوئی اور مدارات میں کمی واقع نہین ہوئی اور مخالفون نے اس کے مقابلے میں ہمیشہ ذلت وزک اُٹھائی۔ الغرض سلیمہ سلطان بیگم کی بیرم خان سے شادی ہو گئی۔ اور اِس ذہین اور عاقلہ بیگم نے شادی ہوتے ہی اپنے خاوند کو ایسا گرویدہ اور مطیع کر لیا کہ دیکھنے والون کو حیرت تھی مگر افسوس کہ شادی کے بہت تھوڑے عرصہ بعد بیرم خان کا انتقال ہوگیا اور کچھ عرصہ کے لئے سلیمہ سلطان بیگم کا عیش زندگی منغض و مکدر ہوگیا۔ بیرم خان کا واقعہ انتقال نہایت مزیدار اور دلچسپ ہے اور وہ موقوف ہے ایک بڑے تاریخی واقع پر چنانچہ میں نہایت اختصار کے ساتھ ہدیۂ ناظرین کرتا ہون +

اس تاریخی دلکش سین حسین غالباً ناظرین کی دلچسپی کے بہت کچھ سامان ہیں بیرم خان کی حیرتناک ترقی و تنزل کی دونوں تصویرین دکھائی جائینگی۔ جن سے زمانہ کا انقلاب اور عروج و پستی کا رنگ صاف طور پر نظر آئے گا۔ بیرم خان اصل مین شہنشاہ بابر کے عہد سلطنت مین ملازمان شاہی کے برگہ مین داخل ہوا جو بانی سلطنتہ مغلیہ امیر تیمور شاہ کا پانچوان تاجدار تھا۔ اور رفتہ رفتہ سلطنت میں وہ رسوخ پیدا کیا کہ تھوڑے عرصہ مین فوج کا سپہ سالار ہو گیا۔ پھر ہمایوں شاہ کے زمانہ میں اُسے وہ عروج و اقتدار حاصل ہوا کہ معتمد علیہ سلطنت ہو گیا اور حق یہ ہے کہ بیرم خان نے ہمایون بادشاہ کی رفاقت میں وہ نمایان کام کئے جن کی نظیر تاریخ میں بمشکل نظر آسکتی ہے جس زمانہ مین شیر شاہ سلطنت ہند پر قابض ہوا اور ہمایون شاہ کو مجبوراً جلاوطنی اختیار کرنی پڑی بیرم خان اُسکے ساتھ تھا اور ایسے اندیشناک اور نازک وقت مین اسکے بہت کام آیا۔ ہمایون شاہ ایران مین پہنچا ہے۔ تو پہلے ہی بیرم خان سفیر بنکر ایران گیا اور بادشاہ کا اقتدار ایرانیوں کے دلون میں بہت کچھ پیدا کیا۔ بادشاہ نے بھی اِس کی جان نثاریون کی معتد بہ قدر کی اور اس کی تسلی ودلجوئی مین کوئی دقیقہ اُٹھا نہین رکھا۔ یہانتک کہ وزارت کا عظیم الشان اور معزز منصب عنایت کیا۔ اور امور سلطنت کی باگ اُس کے ہاتھ میں دیدی جلال الدین اکبر کا دور دورہ ہوا تو اُس نے بھی بیرم خان کی قدر افزائی میں کوئی بات اُٹھا نہین رکھی مگر اس زمانہ مین بیرم خان کے بہت سے حاسد و دشمن پیدا ہو گئے۔ اور اُس کی سالہا سال کی حاصل کی ہوئی عزت و وقعت کو خاک میں ملانے کے لیئے ہر طرف سے کمر باندھ کر کھڑے ہو گئے۔ مخالفون کو بیرم خان کی منہم بالشان مناصب سے جو رنج اور حسد تھا وہ ایک معمولی رنج تھا وہ اکثر اوقات معاصرین مین ہوا کرتا ہے اور کوئی زمانہ کبھی ایسا نہیں گذرا جس میں اس قسم کے حسدات ہمعصرون میں نہ ہوتے ہون

لیکن سلیمہ سلطان بیگم کے تعلق عقد نے دشمنوں کے معمولی حسدوں کو ایک بالکل نیا اور انوکھا رنگ دیدیا تھا اس تعلق کیوجہ سے دربار کے بڑے بڑے امراء خاصکر منعم بیرم خان کے جانی دشمن ہو گئے تھے اور اُنکی آنکھوں مین دُنیا اندھیر ہو گئی تھی انہین رات دن یہی فکر تھا کہ جس طرح ممکن ہو بیرم خان کو بادشاہ کی نظرون میں بے وقعت کردیا جائے چنانچہ اُنہوں نے بہت سے منصوبے گانٹھے اور بیرم خان کی دلکش اور خوبصورت تصویر کو بادشاہ کی نظرون مین نہایت بھدی اور عیب دار کرکے دکھائی وہ تو بادشاہ ہی ایسا دماغ اور وسیع نظر تھا جس نے مخالفون کی مصنوعی باتون پر ذرا التفات نہین کیا - مگر تاہم حاسدوں کی مخالفانہ انتھک کوششوں اور ریشہ دوانیوں نے کئی بار بادشاہ کا مزاج بیرم خان کی طرف سے منحرف کر کر دیا - اور اس عہد میں اُسے بہت سے ایسے دلخراش اور جانگزا جھگڑے پیش آئے کہ کوئی شخص کیسا ہی مستقل مزاج اور ثابتقدم ہوتا اُسکے قدم ضرور ڈگمگا جاتے اور وہ ان زہر کے بجھے ہوئے تیرون کی ہرگز تاب نہ لا سکتا - لیکن یہ بیرم خان ہی کا جامہ تھا کہ وہ ان ناگوار اور شاق حملوں کو نہایت استقلال کے ساتھ جھیلتا اور دشمنوں کے وار روکرتا رہا اور اس حالتمین بھی اپنے ولی نعمت کیخدمت میں ویسا ہی جان نثار ثابت ہوا جیسا کہ پہلے تھا -

جس زمانہ مین قلعہ گوالیار کی مہم درپیش تھی اور باوجود جلال الدین اکبر کی انتہائی کوشش کے بھی اس کے فتح ہونے کی کوئی صورت نظر نہ آئی تھی - بیرم خان نے بادشاہ کے رفع ملال کی غرض سے اِس مہم کے سر کرنے کا خود ذمہ کرلیا - اور عرض کیا کہ ولی نعمت قلعہ گوالیار کی تسخیر میرے سپرد کرین میں بغیر اس کے کہ خزانہ شاہی میں کسیطرح کی کمی واقع ہو اور فوج مین نقصان حاصل ہو بفضلہٖ تعالےٰ تن تنہا فتح کرلوں گا بادشاہ بہت خوش ہوا اور خلعت فاخرہ دیکر رخصت کیا - بیرم خان صرف اپنے بادشاہی گارڈ کے رسالہ کو ساتھ لیکر گوالیار پہنچا اور اپنی بے مثل شجاعت اور بے دھڑک جرأت کے

وہ جوہر دکھائے کہ بہت تھوڑے عرصہ مین قلعہ گوالیار فتح ہوگیا اور اُس کے اونچے اونچے گنبدون پر اکبری جھنڈے ہوا میں فرانٹے بھرنے لگے - بیرم خان قلعہ گوالیار کی مہم سے فارغ ہوا تو اب اُس نے اُن شرقی شہرون کی طرف عنان توجہ موڑی جو افاغنہ کی نوجکشی اور فساد سے پامال ہو رہے تھے اور اکبری دربار کے اُمرا میں سے کوئی اُسکی طرف پیش قدمی نہیں کرتا تھا - اگرچہ اس وقت بیرم خان کی فوج افغانون کے مقابلہ میں جو مور و ملخ کی طرح تمام مشرقی حصوں میں پھیلے ہوئے ہوئے تھے اور سلطنت میسور کے دعوے ارث مین جمع ہوکر ہر طرف تاخت وتاراج کر رہے تھے بہت تھوڑی تھی مگر بیرم خان نے اس امر کی ذرا پرواہ نہین کی اور نہایت آزادی و دلیری کے ساتھ آگے بڑھا چلا گیا - افغانون کو خبر ہوئی تو وہ سب فراہم ہوکر بیرم خان کے مقابلہ مین آئے اور دونون طرف سے لشکر صف آرا ہوئے بیرم خان نے پہلے ہی حملہ میں دشمنوں کو پسپا کر دیا اور چند نامی سردارون کو جو اس بغاوت کے بانی اور سرغنہ تھے تہ تیغ کیا - آخر کار فوج مخالف بھاگی اور بیرم خان دریائے گنگ کے کنارے تک مخالفون کی گرد کو آپ شمشیر سے دھوکر پاک و صاف کر دیا - اور یہ تمام شہر جلال الدین اکبر کی قلمرو میں داخل ہوگئے - وہان سے بوٹیتو نکو بیرم خان میوات کیجانب متوجہ ہوا اور سرکشون کا قلع قمع کرتا ہوا نواح دہلی اور آگرہ مین آپہنچا - بادشاہ نے اُس کی خطا بخشی کا اقرار کیا اور از سرنو وزارت کا معزز و ممتاز عہدہ عنایت فرمایا *

لیکن معاندین و حاسدین ہمیشہ بیرم خان کی تاک میں لگے ہوئے تھے اور شب و روز اُس کے اعتبار و دولت کے مٹانے اور عزت و آبرو کے کھونے میں مصروف و مشغول تھے ہر روز ایک نیا شگوفہ کھلاتے اور ہر ہفتہ اور ہر مہینہ مین تازہ تہمتیں پیش کرتے تھے مگر اِسے بیرم خان کی خوش قسمتی کہنا چاہیئے کہ اسپر اُن کا کوئی داؤن

چلتا نہ تھا - اور برسوں کی بنائی ہوئی عمارتیں آناً فاناً میں گر پڑتی تھیں ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ جب مخالفوں نے دیکھا کہ ہماری کوئی کوشش ٹھیک نہیں لگتی تو باہم مشورہ کرکے جلال الدین اکبر سے تخلیہ میں عرض کیا کہ بیرم خان روزانہ شاہ ایران سے خط و کتابت کرتا اور یہاں کے تمام پوست کندہ حالات لکھ کر بھیجتا ہے - شاہ ایران اس کے معاوضہ میں اُسے گرانبہا تحفے اور بے انتہا زر و نقد اہل قافلہ اور تاجروں کی معرفت نذر کرتا ہے - بادشاہ نے اس شکایت پر بھی چنداں توجہ نہیں کی اور بیرم خان سے کچھ جواب طلب نہیں کیا - یہانتک کہ اُن لوگوں نے باہم انگہ اور ادھم خاں کوکہ اور احمد خان کو اپنا ہمدم و ہمراز کر لیا اور سب ملکر شاہ غوث کی خدمت میں حاضر ہوئے - جو بادشاہ پر ہر طرح سے حاوی ہو گیا تھا اور بیرم خان بھی اسی کا ساختہ کہلایا جاتا تھا - شاہ غوث اصل میں نہایت نیک مزاج اور عالی حوصلہ شخص تھا اور اُسے بیرم خان کے عادات و اطوار پر کبھی شُبہ کرنے کا موقع نہیں ملا تھا - مگر نہیں معلوم کہ مخالفوں نے کیا افسوں پڑھا کہ آخر کار اُن کی بیہودہ اور محض بے سر و پا باتوں کا جادو اسپر چل گیا اور وہ بھی اُن کا شریک و معاون ہو گیا +

سنہ ۹۶۶ ہجری میں جلال الدین اکبر بادشاہ سیر و شکار کی غرض سے سکندر آباد کی جانب روانہ ہوا اور اُن دنوں بادشاہ کا عام قاعدہ تھا کہ جب چند روز کے لئے سیر و شکار کے واسطے جایا کرتا تو امور ملکی و ملی کے انتظام کے لئے بیرم خان کو اپنی جگہہ مقرر کر جاتا - اسی قاعدہ کے موافق اس مرتبہ بھی بادشاہ نے بیرم خانکو اپنا قائم مقام کرکے آگرہ میں چھوڑ گیا اور شکار کھیلتا ہوا دریائے جمنا کے کنارے پھر وہاں سے سکندر آباد میں پہنچا اس اثناء میں باہم انگہ اور ادھم خان نے بادشاہ کی خدمت میں عرض کیا کہ حضور کی والدہ محترمہ کا مزاج نہایت ناساز ہے اگر حضور بطریق عیادت دلی ہوتے چلیں تو بہت مناسب معلوم ہوتا ہے بادشاہ

یہ سُنکر متوجہ دہلی ہوا شہاب الدین جو ماہم انگہ کا داماد تھا ان دنون دہلی کا حاکم تھا اور جلال الدین اکبر بادشاہ کی طرف سے یہان کے لوگون پر حکومت کرتا تھا اس نے جب سُنا کہ بادشاہ دہلی مین آتا ہے تو استقبال کے لئے شہر سے باہر نکلا اور شرف قدمبوسی حاصل کرنے کے بعد قاعدہ کے مطابق ایثار و نیاز بجالایا اور اور ساتھ ہی آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا بہا کر کانپتی اور تھرآتی زبان میں عرض کیا کہ اگر بیرم خان کو یہ معلوم ہوگیا کہ حضور ہماری التماس سے دہلی میں رونق افروز ہوئے تو بس ہماری جان ہی جاتی رہے گی اور فوراً ہمین مروا دے گا نہیں تو ہمارے ننگ و ناموس کو ضرور خراب کرے گا - لہذا التماس ہے کہ حضور ہمین مکہ معظمہ جانے کی اجازت دین تاکہ ہم باقی عمر امن و امان اور عزت و آبرو کے ساتھ وہان بسر کرین اور اپنی جانین اور ننگ و ناموس کو بیرم خان کے ہاتھ سے بچالین ان خانہ برانداز اور جوش دلانے والی باتوں نے اگرچہ بادشاہ کا مزاج بیرم خان کی طرف سے فی الجملہ منحرف کردیا - اور اُسے بہت کچھ طیش و غضب دلایا مگر پھر اُس نے نہایت تحمل اور لطف سے فرمایا کہ خان بابا کو لکھ دینا چاہئے کہ ہم قلعہ دہلی مین والدہ محترمہ کی عیادت کی غرض سے اپنے ارادے اور اختیار سے آئے ہیں تم اس بات کا ہرگز خیال نہ کرنا کہ ہم کسی کے بُلائے ہوئے آئے ہین - بادشاہ کی زبان سے نکلتے ہی یہ سارا مضمون فوراً قلمبند کیا گیا اور اُسیوقت قاصد کے ہاتھ بیرم خان کے پاس بھیجا گیا بادشاہ قلعہ دہلی مین پہنچا تو شہاب الدین خان نے جو اس بات کا بیڑہ اُٹھا چکا تھا کہ مین بادشاہ کا مزاج بیرم خان کی طرف سے منحرف کردون گا خلوت مین بہت ایسی غیر دو قومی اور بے سروپا باتین بادشاہ کے گوش گذار کین جن سے بیرم خان کا دامن بالکل بے لوث اور پاک تھا اور ساتھ ہی ادہم خان اور احمد خان نے چند بے بنیاد اور جھوٹے واقعات بیرم خان کی نسبت بیان کئے - اور اُنپر بہت سی شہادتین گذرین کہ بادشاہ

کو بجز تسلیم کرنے کے اور کچھ کرتے دھرتے بن ہی نہین پڑا - اب بادشاہ کا دل بیرم خان
کی طرف سے بالکل منحرف ہوگیا اور اُس کی تمام پہلی خدمتین اور وفاداریان ایک ایک
کرکے بادشاہ کے خیال سے نکل گیئن - یہ آغاز ہے بیرم خان کی دولت و اعتبار کے مٹنے
اور عزت و آبرو کی بنیادین متزلزل ہونے کا - بادشاہ کا فرمان اُسکے پاس پہنچا تو
وہ اُسے پڑھکر سر سے پاؤن تک تھرتھر کانپنے لگا اور سمجھ گیا کہ مخالفون کا منتر بادشاہ
پر چل گیا - اب اپنی خیر نظر نہین آتی - سلیمہ سلطان بیگم جو بیرم خان کی محرم راز تھی اور دشمنون
کے ٹنک دفع کرنے مین انتہا سے زیادہ مدد کرتی تھی - بیرم خان کی یہ حیرت انگیز کیفیت
دیکھکر گھبرا گئی اور دریافت کرنے کے بعد اصل واقعہ پر مطلع ہوئی تو پہلے بیرم خانکی
تسلی کی پھر اُسے فرمان کا جواب لکھنے کا مشورہ دیا - بیرم خان نے نہایت عجز و انکسار
کے ساتھہ جواب لکھا اور مغلظہ قسمین کھاکر معذرت کی کہ جو خیال حضور کے ذہن نشین
کیا گیا ہے عاجز کے دل مین اُسکی ہوا تک نے راستے نہین پائی یہ صرف میرے مخالفون
کے من گھڑت منصوبے ہین جو عمدہ اور مقبول صورت مین حضور کے گوش گذار
کئے گئے ہیں - معذرت نامہ تیار ہوا تو بیرم خان نے حاجی محمد خان کو جو ایک لائق اور
مدبر اور رکن سلطنت تھا بادشاہ کی خدمت مین روانہ کیا اور دو اور شخصون کو جو معتمد
علیہ تھے ساتھ کیا - حاجی محمد خان سر پر قرآن مجید لئے ہوئے بادشاہ کی خدمت مین
پہنچا اور قسم کھاکر عرض کیا کہ جو کچھ اِس معذرت نامہ میں لکھا گیا ہے فی الحقیقت بیرم خان
اس میں بالکل سچا ہے مگر مخالفون کی پچھے دار اور مزیدار تقریر سنے بادشاہ کی طبیعت کو
ایسا منغض کر دیا تھا کہ اُس نے کسی کی بات سمع قبول سے نہین سُنی بلکہ حاجی محمد خان
اور اُس کے دونون ہمراہیون کو قید کر دیا - یہ خبر سارے میں منتشر ہوگئی اور بیرم خان
کی بدنامی ایسی طشت از بام ہوئی کہ ہر خاص و عام کے کانون مین نہایت ناگواری کے
ساتھ پہنچی اور دوست و دشمن کی زبان پر جستہ جستہ اُس کا ذکر آنے لگا - اب بیرم خان

کی کامرانی کا زمانہ دشمن کامی سے بدل گیا۔ اور شاہی توجہات و عنایات نے تنزل و پستی کی طرف رخ کیا۔ اُس کے تمام اقتدارات و عروج ایک ایک کرکے مٹ گئے اور مذلت و پستی کی گھٹا ٹوپ اندھیری ہر طرف سے اُمنڈ آئی +

جلال الدین اکبر بادشاہ آگرہ پہنچا تو بیرم خان معذرت کے لئے حاضر ہوا۔ مگر اُس نے رُخ دیکر کوئی بات نہین کی۔ اُس پر بیرم خان نے ولی نعمت کے رفع ملال کی غرض سے تسخیر مالوہ کی مہم پیش کی اور بغیر کسی کی رفاقت و مدد کے بادشاہ سے رخصت حاصل کرکے اُس طرف فوج کشی کی اس مہم کے سرکرنے مین اگرچہ شاہی خزانہ بہت کچھ صرف ہوا۔ لیکن بخت و اتفاق کی شومی اور بد فرجام دشمنون کی ریشہ دوانیوں سے کسی طرح کی کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ معاندوں نے اُس طرف کے زمینداروں کو بادشاہ کی زبانی خفیہ احکام لکھ کر بیرم خان سے برگشتہ اور بد دل کر دیا۔ اور ہر طرح سے بیرم خان کے سد راہ ہوئے۔ جب مالوے کی تسخیر سے بیرم خان کا دل اُچاٹ ہوگیا اور کوئی کام کام کرتے دھرتے بن نہین آیا۔ تو بے نیل مرام واپس ہوا۔ اور دوبارہ بخت آزمانے کے لیے مہم بنگالہ کو اپنے ذمہ لیا۔ لیکن باوجود انتھک کوششوں اور سرگرمیوں اور نمایان تردّدوں کے قریب و بعید کے امرا سے ناموافقت کیوجہ سے پھر بھی کامیابی نہین ہوئی بلکہ ایک طرح کی الٹی بدنامی سر چپک گئی کہ جہان جاتا ہے عمداً اور قصداً سرکاری کام کو درہم و برہم کر دیتا ہے اور جس کام مین پیش قدمی کرتا ہے اُس سے بہبودی نظر نہیں آتی۔ اب بیرم خان اپنی بدقسمتی سے بالکل مجبور ہو گیا۔ اور بدگویوں کی زبان سے بچنے اور ننگ و ناموس کی حفاظت کے لیے ارادہ بیت اللہ کو وسیلہ قرار دیکر بادشاہ سے رخصت کی التماس کی یہ التماس فوراً منظور ہوئی اور اسی وقت بادشاہ نے اپنے اتالیق میر عبد اللطیف قزوینی کو بیرم خان کی طرف روانہ کیا اور پیغام دیا کہ ابتدا مین بتقاضائے ایام سن اور ذوق سیر و شکار اور ناتجربہ کاری کی وجہ سے

ہم نے تمہین اپنا قائم مقام کر دیا تھا۔ اور رجوع مدار سلطنت تم پر چھوڑ دیا تھا لیکن اب منظور یہ ہے کہ خود بدولت خلق و سلطنت کے کاموں کی طرف متوجہ ہون دوسرے جب تم نے بیت اللہ کی زیارت کا عزم کر لیا ہے تو ادائے حج تم پر واجب ہو گیا مناسب ہے علائق دنیا سے کنارہ کشی کر کے روانہ بیت اللہ ہو جاؤ +

بیرم خان نے بادشاہ کا یہ پیام پاتے ہی علم و نقارہ اور ہاتھی اور گھوڑے غرضکہ تمام سامان تجمل اور اسباب عمارت جو کچھ اُس کے پاس تھا سب حسین قلی کے ہاتھ جو اُس کا ایک بڑا معتمد اور وفادار نوکر تھا بادشاہ کی خدمت مین روانہ کر دیا۔ اور خود سامان سفر بیت اللہ کے مہیا کرنے کی طرف متوجہ ہوا۔ چند روز مین سامان فراہم ہو گیا اور بیرم خان نے کوئی تاریخ مقرر کر کے کوچ کا اعلان دیدیا۔ ضرورت سے زیادہ جو اسباب تھا اُسکو محمد اوزبک اور شیر محمد خان خواجہ کے حوالہ کیا اور سلیمہ سلطان بیگم کو معہ دیگر پردہ نشینوں کے روانہ بیت اللہ ہوا۔ مگر مخالفون نے اب بھی اُس کا پیچھا نہیں چھوڑا اور برابر اسکی ایذا رسانی مین کوشش کرتے رہے چنانچہ جس منزل مین بیرم خان پہنچتا تھا وہان کے زمیندار اور حکام سے جو بد انجام معاندون کے متوسل اور ہوا خواہ تھے تصدیعہ و ہرج زیادہ کھینچتا تھا۔ یہانتک کہ اُسے اپنی جان اور ناموس و ننگ کی حفاظت سے بالکل نا اُمیدی ہو گئی کیونکہ یہ خبرین متواتر پہنچ رہی تھین۔ کہ مخالفون نے مدعیون کے اشارہ سے اس کے ارادہ قتل پر مستعدی ظاہر کی ہی اس اثناء میں بیرم خان کے بہت سے خادم اُس کے علیحدہ ہو گئے اور عین موقع پر ترک رفاقت کر کے اپنے اپنے گھر واپس چلے آئے۔ یہ موقع بیرم خان کے لئے نہایت اندیشناک اور پرخطر تھا اُسے نہ تو یہی بن آتا تھا کہ حج بیت اللہ کا عزم فسخ کر کے واپس چلدے نہ یہی ممکن تھا کہ سیدھا منہ اُٹھائے مکہ معظمہ پہنچ جائے کیونکہ اُسے یقین تھا کہ دشمن میرے خون کے پیاسے ہین اور قلمرو ہند مین سے باہر قدم رکھنا مشکل اور بہت مشکل ہے اثنے میں

ملا پیر محمد نے اپنے ہمدموں کے لکھنے کی بموجب بادشاہ کی خدمت مین پہنچا اور از سر نو خطاب و اضافہ منصب سے معزز و ممتاز ہو کر برفاقت دیگر ملازمان امرائے فتنہ جو بیرم خان کی تنبیہ کے لیئے روانہ ہوا ادھر بیرم خان کو جب آگے چلنے کا رستہ نہین ملا تو وہ اپنی بدقسمتی اور برگشتگی ایام پر راضی ہو کر ما بین ارادہ متوجہ پنجاب ہوا کہ قندہار کی راہ سے مشہد مقدس ہوتا ہوا اور مرقد امام رضا اور نجف اشرف کی زیارت کرتا ہوا بیت اللہ پہنچے مگر جب اُسے یقیناً معلوم ہو گیا کہ ملا پیر محمد میری گرفتاری کے لیئے متعین ہوا ہے تو ناچار اپنی جان و آبرو کی محافظت کی غرض سے جو کچھ فی الوقت بن پڑا۔ بندوبست کیا اور تھوری سی جمعیت فراہم کر کے قندہار جانے کے لیئے راہ پنجاب اختیار کی +

بیرم خان سرہند کے قریب پہنچا تو اُس نے بیرم خان کی اس قدر شکایت بادشاہ کو لکھی کہ اُس سے پہلے سے دس گنا رنج بیرم خان کی طرف سے بڑھ گیا اور وہ سوچنے لگا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہیئے۔ اودھر جب بیرم خان پر زمین تنگی کرنے لگی اور اُسے کچھ کرتے دھرتے بن نہ پڑا۔ تو بادشاہ کی خدمت مین ایک عریضہ لکھا۔ بیرم خان کا یہ عریضہ چونکہ نہایت دردناک اور پُر دردناکی کے علاوہ مضمون عجز اور نصیحت آمیز بھی ہے اس لیئے ہم اس کو بیرم خان ہی کی زبان مین ادا کرتے ہیں وہ لکھتا ہے بعد ما وجب آنکہ چون بموجب اظہار و آرزوئے حاسدان حقوق خدمت دیرینہ سہ واسطہ ان دودمان پامال تہمت کفران نعمت در خدمت ولی نعمت گردیدہ و معاندان در حلال دانستن خون رافضی وادہ اند۔ برائے محافظت جان کہ در ہمہ مذہب واجب است میخواہم بہ دو در رفاقت چندے خود را ازین بلیہ نجات دہم و ہم بدین ہیئت کہ باظہار اہل غرض اسباب بغی آمادہ میدانند در خدمت آن خداوند ہر چند نفس الامر ارادہ بیت اللہ باشد۔ آمدن کفر میدانم و بر عالمی ظاہر است کہ در خاندان با ترکمان نمک بحرامی ظہور نیامدہ و بہ ارادہ مشہد اختیار نمودہ ام کہ بعد طواف روضۂ امام رضا علیہ السلام و

وعطیات بنجف اشرف وکربلا خواندن فاتحہ درآن مکانہائے شریف تعالےٰ عمر و سلطنت ولی نعمت از سر نو احرام کعبۃ اللہ بندم التماس آنست اگر بندہ را در جرگہ نمک بحرامان واجب القتل میدانند یکے از بندہائے بے نام ونشان را تعین فرمایند کہ سر بیرم را بریدہ سر سنان جلوہ وہان برائے تنبیہ وعبرت دیگر بدخواہان دولت بحضور بیارد۔ گر قبول رہے عزوشرف۔ والا سردارے فوج سوائے ملائے خارجی کہ از نمک پروردہ ہائے نمک بحرام واخراجی فدویست بدیگرے یکے از بندہائے درگاہ والا مقرر شود۔ جب یہ دردانگیز اور غمناک عریضہ بادشاہ کی خدمت میں پہنچا۔ اور وہ مضمون پر مطلع ہوا تو پڑھتے ہی دل پر سخت رقت طاری ہوئی اور بیرم خان کی خدمات سابقہ اور کارہائے نمایان نے اس کے دل پر ایسا اثر ڈالا کہ بے چین ہوگیا مگر بیرم خان کے حاسدون اور مخالفون نے اس میں وہ نمک مرچ لگایا کہ بادشاہ کو ذرا اُس کے حال زار پر متوجہ نہین ہونے دیا۔ انجام کار جلال الدین اکبر نے پیر محمد خان کو حضور مین طلب کیا اور شمس الدین خان کو خان اعظم کا خطاب دیکر حاکم لاہور مقرر کیا اور دونون سردارون کو لاہور روانہ ہونے کا حکم دے کر چلتے وقت خفیہ طور پر فرمایا کہ اگر بیرم خان مین نافرمانی اور بغاوت کا اثر مشاہدہ کرو تو اُسکی فتنہ انگیزی کی آگ فوراً آب شمشیر سے بجھا دینے کی کوشش کرو۔

چونکہ بیرم خان کی برگشتگی طالع اور انتہائے دولت کمال عروج پر پہنچ گیا تھا اور نحوست وبداقبالی کی گھنگور گھٹانے ہر طرف سے اُمنڈ کر اسے چارون طرف سے گھیر لیا تھا اس لیئے اب اُسکی یہ کیفیت ہوگئی تھی کہ اگر اپنے برادر حقیقی اور فرزند صلبی کی طرف بھی متوجہ ہوتا تھا تو وہ بھی اُس سے کنارہ کشی اور نہ صرف کنارہ کشی بلکہ اُس کی تذلیل وتفضیح مین کوشش کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھتا تھا۔ جس قدر اُس کے ہمدم اور محرم راز اور قدیمی پروردہ تھے سب ایک ایک کرکے علیحدگی اختیار کر چکے تھے۔ اور اب

بجز چند اہل و عیال اور خدام کے کوئی اس کا مونس و غمخوار نہ تھا۔ اس وقت اسکی تنہائی اور بیکسی کا اندازہ اور کافی اندازہ کچھ وہی شخص کر سکتا ہے جو تاریخوں کو غور بین نظروں سے دیکھتا ہے +

جس وقت بیرم خان ہندوستان سے بارادہ ہجر بیت اللہ روانہ ہوا تھا تو اپنا سارا ساز و سامان درویش محمد خواجہ۔ اور شیر محمد خواجہ کے پاس اس غرض سے چھوڑ گیا تھا کہ اگر کسی موقع پر ضرورت پڑیگی تو کام میں آئے گا۔ اور کسی حادثہ کے وقت تاراجیوں کی دست برد اور تاراج سے محفوظ رہے گا۔ اس بے سر و سامانی اور مفلسی کے وقت مین اُسے اپنا وہ اسباب و سامان یاد آیا۔ اور چند محرمان خاص کو بعض ضروری اشیار کے مطالبہ کے لیئے درویش محمد خواجہ اور شیر محمد خواجہ کے پاس روانہ کیا۔ مگر اُن غداروں نے بیرخان کے فرستادوں کو قید کر لیا اور امانت سے صاف انکار کر گئے۔ اور وہ ساز و سلمان جو بیرم خان نے نہایت جانکاہیوں اور سخت کاوشوں سے مدۃ العمر میں جمع کیا تھا اور آڑے وقت کا سہارا جانتا تھا ان عہد شکن اور بے وفاؤں نے ایسا تل بٹ کر دیا کہ نام و نشان تک باقی نہین رہا۔ اس خبر کے سننے سے جو قلق اور صدمہ بیرم خان کے دل پر گذرا اسکی انتہا نہین ایسے مایوس اور ناکامی کے وقت اگر وہ خودکشی کر لیتا یا کسی کنوئین کھائی میں گر کر مرجاتا تو عجب نہ تھا لیکن اُس نے پھر بھی اپنے آپ کو بہت سنبھالا اور استقلال و ثابت قدمی کا دامن نہ چھوڑا اس ناامیدی اور یاس کے وقت جو کارنمایاں سلیمہ سلطان بیگم سے ثابت ہوئے وہ قابل نوٹ ہین اُس نے کبھی ان تکلیفون اور سختیون کی شکایت اپنے مصیبت زدہ شوہر سے نہیں کی جو اُسے برگشتگی ایام اور بیرم خان کی بدقسمتی کے زمانہ مین پیش آئین بلکہ ہمیشہ اپنے مصیبت زدہ شوہر کی دلدہی اور تسلی مین سرگرم رہی اور اسے جادۂ استقامت سے منحرف نہین

ہونے دیا۔ جس وقت بیرم خان کو خبر ملی کہ درویش محمد خواجہ اور شیر محمد خواجہ میل تمام مال و اسباب ہضم کر لئے۔ اور بیرے قاصدون کو مجرم قرار دے کر قید مین ڈالدیا تو اُسے سخت صدمہ ہوا۔ سلطان سلیمہ بیگم نے فوراً اپنا تمام زر و نقد اور زیور بیرم خان کے قدمون میں ڈالدیا اور انس و محبت کے لہجہ میں کہا کہ آپ خرچ کی تنگی سے ہرگز پریشان نہ ہون جس قدر چاہیئے اس مین سے صرف کیجئے۔ اور بے دغدغہ صرف کیجے خدا مسبب الاسباب ہے اُس پر اعتماد کرنے اور اُسی سے اپنی حاجات کے برلانے کی التجا کرنی چاہیئے آدمی پر سدا ایک زمانہ نہین رہتا ہے دنیاوی دولت ڈہلتی پھرتی چھاؤں ہے اس کے ہونے کی خوشی اور نہ ہونے کا رنج ہی کیا۔ بیرم خان نے سلیمہ سلطان بیگم کی یہ تسلی آمیز تقریر سنکر اس کی غمگساری کا وزنی لفظوں میں شکریہ ادا کیا۔ اور جو زر و نقد اور زیورات کا ڈھیر سلیمہ سلطان بیگم نے ایک جگہہ لگا دیا تھا سب واپس کر دیا ✤

آہ زمانہ کا انقلاب اور ایسا سخت و ناگوار انقلاب کسی کو چین سے بیٹھنے نہین دیتا اِس نے صدہا ممتاز اور با اقتدار لوگون کی آبروریزی کر دی اور دیکھتے دیکھتے آناً فاناً مین کرسی حکومت پر سے اُتار کر خاک مذلت پر بٹھادیا۔ ایک وہ زمانہ تھا کہ بیرم خان کے اقتدارات سارے ہندوستان مین پھیلے ہوئے تھے۔ اور بڑے بڑے مقتدر اور باوقعت لوگ اُسے آنکھون مین بیٹھنے کے لئے جگہہ دیتے تھے۔ ایک یہ زمانہ ہے کہ ادنےٰ آدمی بھی اُسے اپنے پاس بٹھانے کا روادار نہین۔ ایک وہ موقع تھا کہ اُسکی بے دھڑک شجاعت اور بے مثل جرأت کے چار دانگ عالم مین بڑے زور سے ڈنکے بج رہے تھے۔ اور بڑے بڑے شیر دل اور جانباز اُسکے نام سے تھرلاتے تھے ایک یہ وقت ہے کہ کمینے اور نمک حرام ملازم اُسکے اوپر ظلم توڑ رہے ہین اور وہ خاموش بیٹھا سہ رہا ہے جس وقت بیرم خان

ہمایون کا قاصد بنکر ایران گیا ہے تو کجکلاہ ایران اُسے دیکھ کر کانپ گیا لیکن جب اُس نے اپنی اور ہمایون کی مہمانی کا ذکر کیا تو طہماسپ شاہ کے دم میں دم آیا اور نہایت شان وشوکت اور جاہ وجلال سے بیرم خان کو مہمان رکھا۔ یا اب یہ وقت ہے کہ جنگل کا ایک گڈریا اُسے اپنے کہنہ اور ٹوٹے ہوئے جھوپڑے مین شب باشی کی اجازت نہین دیتا۔ ایک وہ زمانہ تھا کہ یہی بیرم خان جو اب جنگلون اور صحراؤن میں اپنی ننگ وناموس کو ساتھ لئے ہوئے مارا مارا پھر رہا ہے۔ ہندوستان کے قدیم دار الخلافہ اور مستقر حکومت آگرہ مین شاہی تخت پر جلوہ آرا نظر آتا تھا۔ اور تمام درباری اُمراء اُس کے سامنے مودب کھڑے دکھائی دیتے تھے۔ اکبر جیسا کہ متلون اور مغلوب الغضب بادشاہ اُسے بابا کے معزز خطاب سے یاد کرتا تھا اب یہ موقع ہے کہ اُس کے تمام ساختہ پرداختہ لوگ اُس کے خون کے پیاسے اور خود بادشاہ جانی دشمن ہے ابھی تھوڑا عرصہ نہین گذرا۔ کہ جلال الدین اکبر نے صرف بیرم خان کی عزت افزائی کے لئے اپنی پھوپھی زاد بہن سلیمہ سلطان بیگم کو کن اُمنگوں اور آرزؤں سے بیرم خان کے عقد نکاح میں دیا تھا۔ اور اُسکی تسلی ودلجوئی مین کوئی دقیقہ اُٹھا نہین رکھتا تھا لیکن اب وہ وقت ہے کہ ان باتون کا خیال بادشاہ کو کبھی بھولے سے بھی نہیں گذرتا۔

الغرض شمس الدین خان خان اعظم کا معزز خطاب حاصل کر کے نہایت مستعدی اور سرگرمی کے ساتھ لاہور پہنچا یہ شخص اگرچہ فی نفسہ بیرم خان کا دشمن نہ تھا اور دل سے چاہتا تھا کہ بیرم خان پنجاب سے نکل کر کسی اور طرف کو چلا جائے تاکہ میں اُس کے سامنے نہ پڑون۔ اور اس بدنامی کے ٹوکرے کو اپنے سر نہ لوں لیکن مجبوراً اُسے بیرم خان کو زبان شمشیر سے جواب دینا پڑا *

بیرم خان کو پہلے ہی سے معلوم ہوگیا تھا کہ میرے عریضہ پر بادشاہ نے بالکل توجہ نہیں کی اور میرے حال زار پر اُسے ذرا رحم نہین آیا بلکہ اُلٹا شمس الدین خان کو

میرے قتل یا میری گرفتاری کے لئے روانہ کیا ہے اِس لئے اِس نے اپنے ساتھیوں سے
صاف کہدیا کہ تم لوگ اگر اپنی زندگی چاہتے ہو تو مجھ سے علیحدگی اختیار کرو۔ ورنہ
شاہی فوجین مجھے اور میرے ساتھ تمہین سب کو تہ تیغ کر دینگی۔ مجھے اپنے قتل کا کچھ
خوف نہین زیادہ اندیشہ اِس بات کا ہے کہ تم لوگ بلا وجہ میرے ساتھ قتل کئے جاؤ
گے۔ بیرم خان کے ہمراہیون نے نہایت استقلال وجرأت سے کہا کہ جب تک
جسمون مین جان باقی ہے ہاتھ پاؤں مین قوت موجود ہے ہم آپ کا ساتھ نہین چھوڑ
سکتے۔ اور اب عنقریب وہ زمانہ آتا ہے جو آپ ہم مین وہ باتین دیکھین گے جو
شریف ملازمون اور وفادار غلامون مین دیکھی جا سکتی ہیں ✤

اب شمس الدین خان بہت قریب پہنچ گیا اور ایک قاصد کی زبانی بیرم خان
کو پیام دیا کہ یا تو تم گرفتار ہو کر خود میرے دربار مین چلے آؤ ورنہ شمشیر زنون کی تیز
نوکون کے لئے اپنے سینون اور جگرون کو سامنے لئے رہو یہ پیام پاتے ہی بیرم خان
اپنی بدقسمتی اور نگون بختی پر رو دیا اور نہایت دردناک لہجے میں ذیل کے شعر پڑھے

بقہر خدا چوں کسے اوفتاد ۔۔۔ ہمہ عالمش پائے بر سر نہند
چو بیند کہ اقبال دستش گرفت ۔۔۔ ستایش کناں دست بر بر نہند

ازان بعد قاصد کو جواب دیا کہ خود گرفتار ہو کر آنا نامردون کا شیوہ ہے اگر
تجھ مین مردی اور جوش قوت ہے تو گرفتار کر کے لے جاؤ شمس الدین خان یہ سنکر
آگ بگولہ ہو گیا اور فوراً فوج کو بڑھنے کا حکم دیا۔ قصبہ ماچی بجلارہ میں دونوں فوجیں
صف آرا ہوئین اور تھوڑی دیر مین میدان جنگ گرم ہو گیا اگرچہ بیرم خان کے
پاس اتنی جمعیت اور جنگ کا ساز وسامان نہ تھا۔ علاوہ ازین کچھ لوگ اس وقت
پہلو تہی بھی کر گئے تھے اور چند افسر جن پر بیرم خان کو پورا بھروسہ تھا کھلم کھلا مخالف
کے لشکر مین جا ملے تھے مگر پھر بھی بیرم خان نے اپنی فطری شجاعت کے وہ

جوہر دکھائے کہ خان اعظم کو میدان جنگ چھوڑ کر بھاگنے کے سوا اور کچھ کرتے
بن نہ آیا شمس الدین خان شکست کھا کر بھاگا کہ بیرم خان کے ہمراہیوں نے
فوج کا تعاقب کرنا چاہا مگر بیرم خان نے انھیں روکدیا اور کہا فوج ولی نعمت پر
حملہ آور ہونا اور اُن کا تعاقب کرنا بہتر نہیں ہے +

اب بیرم خان نے پنجاب کو خدا حافظ کہا اور اپنے ہمراہیون سمیت کوہ سوالک
کی طرف روانہ ہوگیا - جلال الدین اکبر نے اعظم خان کی شکست اور بیرم خان کے
کوہ سوالک کی جانب بڑھنے کی خبر سُنی تو غصہ میں بھڑک اُٹھا اور بعض درباری امرا
کی تحریک و مشورہ سے خود متوجہ لاہور ہوا - اسی اثناء مین منعم خان کابل
سے واپس آیا اور خان خانان کے معزز خطاب اور مناصب علیہ سے سرفرازی
پاکر بیرم خان کی تنبیہ کی غرض سے لکھی کے جنگلوں کی طرف روانہ ہوا کوہستان
میں داخل ہوا تھا کہ وہان کے زمیندار بیرم خان کی مدد کو کھڑے ہوگئے اور شاہی
فوج ہراول سے جنگ شروع کردی - بیرم خان نے جب دیکھا کہ دونون صورتوں
مین بجز اطاعت ولی نعمت کچھ چارہ نہین اور مخالفت و بغاوت میں مردود ہر دو جہان
ہونے کا بدنما دھبہ صاف پیشانی پر لگتا ہے زمینداروں کو اس عزم فاسد سے منع
کیا اور شاہی افسرون سے خواستگار امان ہو کر اپنے دونوں ہاتھ دستار ندامت
سے گردن میں باندھ کر خدمت بادشاہ مین روانہ ہوا - لاہور پہنچ کر حضور شاہی مین
حاضر ہوا - اور عرش آشیانی کے قدموں مین سر ڈال کر دردناک آواز میں رونے لگا
اور اس دردانگیز لہجہ میں رویا کہ بادشاہ کو سخت رقت طاری ہوئی - اور اُس
نے نہایت لطف و مہربانی کے ساتھ دست مبارک سے بیرم خان کا سر اُٹھایا اور
دست شفقت پشت پر پھیر کر خلعت فاخرہ عنایت فرمایا اور دُر دبار زبان سے ارشاد
ہوا کہ بیرم خان تمہارے حقوق خدمت موروثی ہم پر بہت سے ہیں اگر تم پھر

نوکری کرنا چاہتے ہو تو میں کالپی اور چندیری کی صوبہ داری پر تمہین مقرر کر دون اور
شدہ شدہ تمہاری تمہی قدیم مناصب تمہاری طرف رجوع کریں اور اگر ملازمت
تمہارا دل اُچاٹ ہوگیا ہے تو میرے پاس بیٹھے رہو میں ہر حال میں تمہارا نگران بھی
گا اور حتے الامکان غمخواری کرون گا اور بیت اللہ کا ارادہ ہے تو تمہین عزت و آبرو
سے روانہ کر دون - بیرم خان نے قوانین آداب ظاہر کرکے عرض کیا کہ حضور میں خدا
کے شکر سے کسی طرح عہدہ برآ ہو نہین سکتا کہ انسان کی آرزون کی جو حد اور
انتہا ہوتی ہے وہ مجھے حضرت فردوس مکانی کے بندگی اور جنت آشیانی
کی غلامی اور آپ کی رکاب سعادت مین حاصل ہوئی اور خاطر خواہ حاصل ہوئی
اِس وقت میری دلی تمنا یہ تھی کہ سعادت قدمبوسی حاصل کرنے اور عفو جرائم کا
پروانہ لینے کے بعد کعبۃ اللہ کی اجازت حاصل کرون الحمد للہ کہ میری یہ آخری
آرزو بھی بوجہ احسن پوری ہوئی - اور اس خوبی و عمدگی سے پوری ہوئی کہ میں اسکا
شکریہ کسی زبان سے ادا نہین کرسکتا - اور وہ الفاظ کہین ڈھونڈے نہین پاتا
جن سے ادائے شکر ہو سکے بیت -

زانجا کہ لطف شامل خلق کریم تست
جرم نکردہ عفو کن و ماجرا مپرس

یہان تک پہنچکر بیرم خان خاموش ہوگیا اور نہ معلوم اُس کے دل میں کیا خیال
آیا کہ زار قطار رونے لگا - ادہر جلال الدین اکبر نے بیرم خان کو روتے دیکھا تو خود
اُس کی بھی آنکھین پُرنم ہوگئین اور بیرم خان سے بغلگیر ہوا اور کہا بیرم خان اب
تو اطمینان رکھ اور جو خواہش رکھتا ہے بیان کر - بیرم خان نے عرض کیا کہ کمترین
کی التجا یہ ہے کہ حضور محض اپنے بے انتہا فضل و کرم سے اس تبہ کار روسیہ نامہ
کے صحیفۂ اعمال پر قلم عفو کھینچ دین اور بیت اللہ جانے کی اجازت مرحمت فرمائین
اور ساتھ ہی پچاس ہزار روپیہ دیگر لوازمات سفر عنایت فرمائین - بادشاہ نے

بیرم خان کی اس التجا کو جامۂ قبولیت پہنایا اور پنجاب کے بند و بست اور بعض مفسدوں کی تنبیہ سے فارغ ہونے کے بعد متوجہ آگرہ ہوا ✤

الغرض بیرم خان ۹۶۸ھ ہجری میں معہ اہل و عیال اور چند رفیقوں کے متوجہ بیت اللہ ہوا - اور نہایت ساز و سامان اور تزک و احتشام کے ساتھ متوجہ ہوا منزل بمنزل کوچ کرتا ہوا جب بندر کمپایت مین پہنچا - جو احمد آباد کی انتہائی سرحد مین واقع تھا تو یہان چند روز اسے قیام کرنے کا اتفاق پڑا - ایک افغانی مبارک خان نام جس کا باپ جنگ ہیمون مین بیرم خان کے ہاتھ سے مارا گیا تھا مدت سے تاک مین لگا ہوا تھا اور موقع کا منتظر تھا اس سفر مین بیرم خان کے چند معاندین کی رفاقت و امداد سے یہان پہنچا - اور یہ بہانہ کرکے کہ مین بھی حج بیت اللہ کو جاتا ہون بیرم خان کے قافلہ مین شریک ہو کر فرصت کے موقعہ کا منتظر رہا - ایک دن کا ذکر کہ غافل بیرم خان خیمہ سے نکل کر تفریح کے لیئے تھوڑی دور چلا گیا - مبارک خان جا ایسے موقعہ کا منتظر تھا فوراً اُس کے سر پر پہنچا اور ایک ہی زخم مین بیرم خان کا کام تمام کر دیا - یہ دیکھ کر دوسرے افغان جو مبارک خان کے مددگار تھے گھات کی جگہ سے باہر نکل کھڑے ہوئے اور خیمہ خرگاہ مین جس قدر سامان تھا سب لوٹ گھسوٹ کر لے گئے ✤

بیرم خان کی گردن مین ایسا زخم کاری لگا تھا کہ زمین پر گرنے کے بعد اُس سے اُٹھا نہین گیا اور اُس کے ہمراہیون کو اُس وقت خبر ہوئی جبکہ اُس کی روح جسم سے پرواز کر چکی تھی اُس کی زبان پر کلمہ شہادت جاری تھا اور یہ الفاظ رک رک کر نکل رہے تھے کہ خدا کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اپنے دلی نعمت کی راہ میں اور سفر بیت اللہ میں شہادت کے درجے کو پہنچا - اس وقت غمزدہ سلیمہ سلطان بیگم کو جو قلق و اضطراب تھا اس کا کچھ وہی اندازہ کر سکتا ہے جس کی نظر سے کبھی اس

طرح کا کوئی غمناک سین گذرا ہو۔ وہ پر نم آنکھوں سے آنسوؤن کی ندیان بہا رہی تھی
اور اپنے شوہر کی مُردہ لاش کو زانون پر رکھے ہوئے اُس کی صورت کو تک رہی
تھی۔ سارے جنگل مین ایک شور محشر برپا تھا اور ہر شخص غریب الدیار بیرم خان
پر خون کے آنسو رو رہا تھا۔ آخر کار لوگون نے تجہیز و تکفین کا سامان مہیا کیا اور
ایک خوشنما منظر مین بیرم خان کی نعش کو دفن کر دیا۔ بیرم خان کے قتل ہونے کا
کسی شاعر نے تاریخی مادہ یہ کہا ہے۔ شہید شد محمد بیرام ؁
تجہیز و تدفین سے فارغ ہونے کے بعد سلیمہ سلطان بیگم اور مرزا عبدالرحیم بیرم
خان کا فرزند جو اِس وقت چار سالہ تھا اور دیگر متعلقین احمد آباد مین واپس چلے
آئے اور پھر حاکم آباد کی مدد و رہنمائی سے جلال الدین اکبر کے حضور مین پہنچے بادشاہ
نے بیرم خان کے پس ماندہ لوگوں کی حد سے زیادہ تسلی و دلجوئی کی اور جب سلیمہ
سلطان بیگم کی عدت پوری ہو گئی تو اُسے خود اپنے نکاح میں لے لیا۔ اور مرزا
عبدالرحیم اور بیرم خان کے دیگر متعلقین کی پرورش و تربیت میں کوشش کا کوئی
دقیقہ اٹھا نہین رکھا ؀
اکبر کو یون بیرم خان کے قتل کئے جانے کا بہت دنون تک افسوس رہا
اور اُس نے اُس کے مخالفون کو نہایت ذلت و خواری کے ساتھ بُری طرح
قتل کرایا۔ مبارک خان جس کی تلوار مظلوم بیرم خان کے خون سے رنگی ہوئی
تھی بہت دنون تک شاہی خوف سے پہاڑون اور جنگلون مین چھپا رہا اور نہایت
بدحالی اور ضیق کے ساتھ زندگی بسر کرتا رہا۔ انجام کار گرفتار ہو کر آیا اور کتے
کی موت مارا گیا۔ اسی طرح بیرم خان کے تمام دشمن بہت تھوڑے زمانے
مین اپنے اعمال کی مکافات کو پہنچے اور ہر ایک نے اپنی کرتوت بد کی دنیا
ہی مین سزا پالی ؀

سلیمہ بانو بیگم

یہ عصمت مآب اور پاکدامن خاتون سلیمان شکوہ کی چہیتی بیٹی اور دارا شکوہ ابن ابوالمظفر شہاب الدین شاہجہان کی عزیز پوتی تھی جو بڑے ہونے پر خوبروئی و ملاحت میں بے نظیر اور عقل و دانش میں شہرۂ آفاق ثابت ہوئی۔ اس کے پیدا ہونے پر دارالشکوہ نے جو بجائے خود مستقل بادشاہ نہیں تو عارضی طور پر ضرور بادشاہ تھا۔ اور ایک بڑے اور نہایت سرسبز و شاداب ملک پر حکمرانی کرتا تھا غیر معمولی خوشی منائی اور اس نعمت کے شکریہ میں محتاجوں اور مسافروں کو ایک عرصہ تک سوال کی ذلت سے مستغنی کر دیا۔ اور درباریوں کی گودیاں انعام واکرام سے بھر دیں شاہی محلات میں چند روز تک ایک نہایت عظیم الشان شاہانہ جشن قائم رہا اور جادودہش کے دروازے کھول دیئے گئے۔ سلیمہ بانو بیگم کی بچپن کی حرکتیں ایسی دلکش اور دلفریب تھیں کہ محل کی ہر ایک بیگم کی وہ بالکل ایسی ہی ہر دلعزیز اور پیاری تھی جیسی حقیقی ماں کی۔ محل کی کوئی بیگم ایسی نہ تھی جو اس کی پیاری اور بھولی صورت کی عاشق نہ تھی سلیمان شکوہ اور اس کی پیاری بیگم کو سلیمہ بانو سے جو محبت تھی اس کا اندازہ بہت مشکل ہے اور یہ چنداں تعجب خیز بھی نہیں کیونکہ والدین کو بالخصوص یاتو اور ہونہار اولاد سے فطری محبت ہوتی ہے اور گویا ان کے اس خمیر میں اولاد کی محبت ملا دی گئی ہے۔ تعجب تو یہ ہے کہ جو شخص اُسے ایک نگاہ دیکھ لیتا تھا خود بخود محبت کرنے لگتا تھا۔ دارالشکوہ کو سلیمہ بانو سے اس درجہ محبت تھی کہ وہ کسی حال میں اُس سے ایک منٹ کی بھی مفارقت گوارا نہیں کر سکتا تھا۔ اور یہی وجہ تھی کہ سفر و حضر میں اکثر اوقات سلیمہ بانو اپنے دادا کے ساتھ رہتی تھی +

سلیمہ بانو چونکہ والدین کی اور نہ صرف والدین کی بلکہ محلسرا کے تمام بیگمات کی پیاری

اور دادا کی سخت لاڈلی تھی اس لیئے کسی قدر تند خوا ور تیز مزاج تھی - اور تند خوئی و
تیز مزاجی کے ساتھہ ضدّن اور ہٹھیلی بھی لیکن سچ یہ ہے کہ اس کی ضد اور ہٹھیلے
پن میں بھی ایک خاص طرح کی ایسی ادا اور دلفریبی پائی جاتی تھی کہ سلیمان شکوہ اس پر سو
جان سے قربان ہوتا تھا - اور کسی موقع پر اسکی دل شکنی جائز نہین رکھتا تھا - مگر
افسوس ہے کہ سلیمہ بانو کی یہ تمام خوشیان اور ناز برداریان چند روزہ تھیں -
ابھی اُس نے اپنی عمر کے پانچ یا چھہ مرحلے طے کیئے تھے کہ اس کے سر پر سے مہربان
اور ناز بردار باپ کا سایۂ عاطفت اُٹھ گیا - اور اُس کے چندہی روز بعد فلک کجرفتار
نے غمزدہ سلیمہ بانو پر یہ اور ستم توڑا - کہ سلیمان شکوہ جو اپنی عزیز بھتیجی بیٹی کا دل سے
گرویدہ تھا اور اُس کی ایک ایک ادا پر جان قربان کرتا تھا - بقول بعض مورخین
عین معرکۂ جنگ مین مارا گیا - سلیمان شکوہ کی ایسے بے وقت مرگ نے سلیمہ بانو
کی تمام خوشیون کا خاتمہ کر دیا - اور وہ زندگی بھر باپ کی مفارقت مین ایسی ملول
و رنجیدہ رہی کہ اسے دنیا کی کوئی نعمت کوئی خوشی کبھی بہلی ہی نہ لگی - جس زمانہ مین
دارا شکوہ اور عالمگیر کی فوجین پنجاب کے وسیع میدانون مین صف آرا تھین
اور سلطنت کے دونون حریف نہایت مستعدی اور سرگرمی کے ساتھ ایک دوسرے
پر فتحیاب ہونے کی کوشش کر رہے تھے - سلیمان شکوہ اپنے باپ دارا شکوہ
کی فوج کا جنرل تھا - اور میدان جنگ مین اپنی بے مثل شجاعت اور بے دھڑک
جراُت کے نہایت گرانبہا اور بیش قیمت جوہر دکھا رہا تھا +

الغرض سلیمہ بانو بیگم والدین کے انتقال کے بعد تقدس مآب گوہر آرا بیگم کی دامن
حمایت مین آ گئی - عالمگیر نے اس ہونہار اور تیز ذہن لڑکی کی تربیت و پرورش
مین کوشش کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہین رکھا - اور تسلی و دلجوئی میں انتہا سے زیادہ
سعی کی مگر سلیمہ بانو بیگم اپنے شفیق و مہربان ماں اور ناز بردار باپ کی مفارقت کی

بھڑکتی ہوئی آگ میں ہمیشہ گھلتی اور پگھلتی جاتی تھی اور اُس کی آنکھوں میں دنیا
کی عام نعمتیں اور خوشیاں زہر ہلاہل کا نشانہ بنکر ہر وقت کھٹکتی رہتی تھیں۔ اُسے
رات دن رونے سے کام تھا اور اکثر اوقات تنہائی میں بیٹھکر باپ کی انتہا
سے زیادہ نازبرداری اور شفقت و مہربانی کی مثالیں یاد کرکے اُن کا نوحہ
پڑھا کرتی تھی عالمگیر نے جب اُس کی یہ کیفیت دیکھی تو اپنے پاس بلایا اور نہایت
شفقت و مہربانی سے سر پر ہاتھ پھیر کر فرمایا۔ سلیمہ تم اتنی مغموم کیوں رہتی ہو
میں اکثر دیکھتا ہوں کہ تم راتیں رونے میں اور دن نوحہ کرنے میں گزارتی ہو بیٹا
دنیا میں کس کے ماں باپ ہمیشہ زندہ رہے ہیں جو تمہارے رہتے۔ تم روز
مرہ دیکھتی ہو کہ اکثر لوگوں کو اِس قسم کے اتفاقات ناملائم پیش آتے ہیں تو
کیا وہ اسی طرح روتے روتے اپنی جانیں کھودیا کرتے ہیں۔ سلیمہ! تمہاری
عقل کہاں گئی ہے تم جیسی دانشمند اور ہوشیار سے ایسی باتیں سرزد ہونا
سرتاسر تعجب اور حیرت انگیز ہے۔ بیٹا اب تم مجھے اپنے باپ کی جگہ اور گوہر آرا
بیگم کو والدہ کے قائم مقام سمجھو اور یقین کرو کہ مجھے تم سے نہ صرف اب بلکہ مرتے دم
تک وہی محبت اور تعلق و اتحاد رہے گا جو ایک نہایت شفیق و مہربان اور نازبردار
باپ کو اپنی لایق اور ہونہار اولاد سے ہوتا ہے۔ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں
اور انشاءاللہ میں اپنے اِس وعدہ میں سچا ثابت ہوں گا کہ جب تک میرے جسم
میں جان باقی ہے تمہیں کسی طرح کبھی زحمت و تکلیف نہیں پہونچنے دوں گا۔
سلیمہ بانو بیگم نے عالمگیر کی اِس تقریر کو جو سراسر دلسوزی اور محبت سے
پُر تھی سُنا اور نہایت غور اور متانت و خاموشی کے ساتھ سنا ادھر بادشاہ
کی تقریر کا سلسلہ ختم ہوا ادھر سلیمہ بانو بیگم نے مودبانہ لہجے میں عرض کیا
کہ میں حضور کی عنایتوں کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتی ہوں اور سچ یہ ہے کہ

حضور کے احسانات ہم لوگون پر اس قدر ہین جن کے بار سے ہم سر نہین اٹھا سکتے خاصکر مین تو آپ کی ان عنایتون اور انتہا سے زیادہ مہربانیون کے شکر سے کبھی عہدہ برآ ہو نہین سکتی جو ابتدائے زمانے سے لیکر اس وقت تک آپنے مجھپر مبذول فرمائی ہین خداوند سے ہر دم التجا ہے کہ وہ آپ جیسے کریم و شفیق اور فخر خاندان و قوم اور بزرگ کا سایۂ عاطفت ہم بے دست وپا اور درماندہ و عاجز لوگون کے سرون پر ابدالآباد تک دائم و قائم رکھے - یہ کہکر سلیمہ بانو بیگم نہایت ادب کے ساتھ گردن جھکائے عالمگیر کے سامنے بیٹھ گئی - نمعلوم اس وقت عالمگیر کے دلپر کون سی بات نے ایسا گہرا اور زبردست اثر ڈالا اور اُس کی آنکھوں کے تلے کو نسا مہیب اور غمناک سمان پھر گیا کہ دفعتہً سر سے پانون تک تھر تھر کانپنے لگا - دلپر سخت وقت طاری ہوئی اور آنکھون مین آنسو ڈبڈبا آئے پہلے تو تھوڑی دیر تک وہ ایک سکتہ کے عالم مین اپنے تیئن ضبط کیے بیٹھا رہا - لیکن جب کسی طرح دلی جوش کو دبا نہ سکا تو زار قطار روتا ہوا اٹھا اور باہر چلا گیا +

سلیمہ بانو بیگم جب عمر کے ابتدائی مرحلے طے کر کے سن رشد کی حد کو پہونچی تو عالمگیر نے اس کی شادی اپنے چھوٹے فرزند شاہزادہ محمد اکبر کے ساتھ کی اور نہایت اہتمام اور شان و شوکت کے ساتھ کی یہ مبارک تقریب دوسری ربیع الاول ۱۰۸۳ھ ہجری کو وقوع مین آئی - شاہزادہ محمد اکبر کو عالمگیری گورنمنٹ سے چار لاکھ روپیہ نقد اور ایک خلعت فاخرہ ایک مرصع کلغی ایک سر مارید کی گرانبہا مالا ایک بیش قیمت موتیون کا سہرا دو عربی عراقی گھوڑے جو روپہلی سنہری ساز و یراق سے آراستہ تھے مرحمت ہوئے دہلی کے قلعہ معلے کی موتی مسجد مین مجلس نکاح منعقد ہوئی اور قاضی عبدالوہاب نے جو قضاۃ کا معزز و ممتاز منصب رکھتا تھا نکاح پڑھایا پانچ لاکھ روپے کا مہر مقرر ہوا اور پچاس ہزار روپے کا

منصب سلیمہ بانو بیگم کے نامزد کیا گیا۔ قاضی عبدالوہاب نکاح پڑھا کر فارغ ہوئے
تو اراکین دربار کی ایک معزز جماعت نے اس زور سے مبارکبادی کا نعرہ مارا کہ
ساری مسجد گونج اٹھی رات ہوئی تو شاہزادہ محمد اکبر نہایت تزک و احتشام سے سوار
ہوا۔ شاہزادہ محمد اعظم اور بخشی الملک اسد خان نوشہ کی داہین طرف اور امیر خان اور
نامدار خان وغیرہ بڑے بڑے افسران فوج بائیں جانب نہایت سج دہج کے ساتھ
موجود تھے باقی تمام امرا وزرا آہستہ آہستہ پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔ اس رات کا
سمان قابل دید اور نہایت دلکش تھا۔ قلعہ معلے کے دہلی دروازہ سے لیکر نواب
عالیہ گوہر آرا بیگم کے محل تک دورویہ نہایت خوشنما بانسون کا ٹھاٹھر بندی ہو رہی
تھی اور درختون پر مشجر و کمخواب کے تھان لپٹے ہوئے تھے آتشبازی اور روشنی
کا وہ انتظام تھا جسے دیکھکر لوگون کو حیرت ہوتی تھی۔ الغرض اس شان و شوکت
اور تزک و احتشام کے ساتھ نوشہ کی سواری نواب گوہر آرا بیگم کے محل مین پہونچی
اور مراسم سے فراغت پاکر سلیمہ بانو بیگم رخصت کی گئی +

اس مین ذرا شک نہین کہ سلیمہ بانو بیگم کی حالت موجودہ نہایت اطمینان بخش
اور تسلی دہ تھی اور اسکے لیئے ہر طرح کے عیش و عشرت کے ساز و سامان مہیا
تھے شاہزادہ محمد اکبر بھی اُس کا دل سے گرویدہ تھا اور کسی امر مین اس کی رائے
سے مخالفت کرنا جائز نہین رکھتا تھا مگر سلیمہ بانو جنم کی دُکھیا تھی فلک کجرفتار نے
کبھی اُسے چین ہی سے بیٹھنے نہین دیا۔ والدہ کے انتقال کا جگر خراش صدمہ ابھی
کم نہین ہوا تھا اور نازبردار باپ کی مہربانیون اور دلسوزیون کا خیال دل سے
نہین گیا تھا کہ ایک اور جانکاہ اور دلگداز صدمہ پیش آیا۔ جس نے اس کی پیٹھ کو
بالکل دوہرا ہی کر دیا اور وہ شاہزادہ محمد اکبر کی اپنے قدیم ولی النعمت والد بزرگوار سے
بغاوت کا واقعہ ہے اس مین سلیمہ بانو بیگم کو وہ مصیبتین اور بلائین پیش آئین اور اُسکے

نازک جسم پر اُن آفتون کے پہاڑ ٹوٹے کہ بیان سے باہر ہے - شاہزادہ محمدؐ اکبر کی بغاوت
کا واقعہ نہایت دردانگیز اور عبرت خیز ہے اس لئے اُس کی تاریخی تصویر صفحہ کاغذ
پر کھینچکر ناظرین کو دکھانا چاہتا ہون اور نہایت اختصار کے ساتھہ تصویر کے دونون
رُخ عبارت کے پیرائے مین قلمبند کرتا ہون +

شہزادہ محمدؐ اکبر بارہوین ذیلحجہ ۱۰۶۷ھ ہجری کو بطن دلرس بانو بیگم سے پیدا ہوا اور
عالمگیر کی ظل تربیت مین نشو و نما پایا خواجہ منظور جو ان دنون طبقہ علما مین امتیاز یہ
نظرون سے دیکھا جاتا تھا - شاہزادے کا اتالیق مقرر ہوا جس نے نہایت دلسوزی
اور امانت داری سے اپنا فرض منصبی ادا کیا - شاہزادہ محمد اکبر ابتدا ہی سے نہایت ذہین
اور دانشمند تھا تھوڑے عرصے مین تمام درسیہ علوم پر عبور کر گیا اور ابھی مشکل سے
بارہ سال کا ہوا تھا کہ عالم گیری فوج کا سپہ سالار مقرر ہوا - اگرچہ شاہزادہ کی یہ سپہ سالاری
ابھی باضابطہ نہ تھی مگر تو بھی بادشاہ مزید عنایت و مہربانی سے ہفت ہزاری کا منصب
اُس کے نامزد تھا اور تین ہزار سوار اور علم و نقارہ ہروقت اس کے جلوس مین رہتا
تھا ۱۰۸۹ھ ہجری مین جب عالم گیری فوج جودہ پور کا محاصرہ کئے ہوئے تھی اور
لشکر اسلام فوج کفار کو پامال کر رہی تھی شاہزادہ محمد اکبر جس کے ہاتھ مین اس
فوج کی کمان تھی اپنی بے نظیر شجاعت کے گراںبہا جوہر دکھا رہا تھا اس وقت راجہ
رانا اور دیگر راجپوت افسرون نے تہور و جلالت کو چھوڑ کر مکر و تزویر سے کام لیا
اور بادشاہ زادہ محمد معظم کو جو جنرل افواج اسلام تھا پیام دیا کہ اگر آپ شہنشاہ عالمگیر
سے ہمارے جرائم معاف کرا دین تو ہم جودہ پور اور اس کے تمام اطراف و اضلاع
آپ کے حوالہ کرا دین پادشاہ زادہ محمد معظم نہایت دوراندیش اور تجربہ کار تھا
اُس نے اُن کی اس بیہودہ درخواست کو جو سرتاپا مکر و تزویر پہ مبنی تھی رغبت
کے کانون سے نہین سنی ادھر بادشاہ زادے کی والدہ نواب بائی نے مقصد

راجپوتوں کی اس فتنہ انگیزی پر مطلع ہوکر اپنے فرزند کو نہایت موثر لفظوں میں نصیحت کی اور مانع ہوئی کہ ان بدنصیبوں کی کسی طرح کی امداد و اعانت اور بادشاہ کے حضور میں سفارش نہ کرنی چاہیئے کیونکہ ان لوگوں کے قول و فعل کا کچھ اعتبار نہیں۔ افسران راجپوت بادشاہزادہ محمد معظم کی طرف سے مایوس ہوئے تو انہوں نے شاہزادہ محمد اکبر کی طرف توجہ کی اور درگاداس جو تمام راجپوتوں میں چرب زبان اور بے دھڑک بولنے والا مشہور تھا۔ چند افسران فوج کو ساتھ لیکر شاہزادہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور نہ معلوم کیسا افسون پڑھا کہ شاہزادہ اُن کی مدد کرنے کو تیار ہو گیا۔ اصل یہ ہے کہ شاہزادہ محمد اکبر ابھی محض ناتجربہ کار اور سیاہ و سپید سے ناواقف تھا کچھ تو اپنی ناتجربہ کاری جو اس کے سن کو مقتضی تھی اور کچھ گمراہان چند کی رہنموئی کیوجہ سے جادہ استقامت سے منحرف ہوگیا اور درگاداس کی بناوٹی اور مصنوعی تقریر کا جادو اُسپر چل گیا۔ مکار درگاداس نے شاہزادے کو اپنی طرف مائل پایا تو اسے متوقع کیا کہ چالیس ہزار جرار راجپوت جو آپکے قدموں میں جان دینے کو اپنا فخر سمجھتے ہیں اس وقت آپ کی رفاقت کے لیئے تیار ہیں اور جودہ پور کا معمور خزانہ آپ کے واسطے موجود ہے۔ غرضکہ شاہزادہ کو ایسا باغ سبز دکھایا کہ وہ غرانے کی طمع اور ملک گیری کی ہوس میں اپنے ولی نعمت قدیم سے منحرف ہوکر بدکردار راجپوتوں کے دام افسوں میں گرفتار ہوگیا اور ہمیشہ کے لئے باپ کی بغاوت و نافرمانی کا ناموزوں تمغہ اپنے لیئے پسند کیا۔ مورخین کا بیان ہے کہ اگرچہ شاہزادہ کو زر کی طمع خام نے اس بغاوت پر آمادہ کیا تھا۔ لیکن اصل میں اس کے مربی اس کے وہ احباب و ہمنشین تھے جو ہر وقت اسکے ساتھ ہم پیالہ و ہم نوالہ رہتے تھے گویا اُن ہی ناعاقبت اندیشوں نے ناسمجھ اور سادہ لوح شاہزادے کو اس بدنامی کے گڑھے میں ڈھکیل دیا۔

شاہزادہ محمد اکبر اگرچہ کچھ بھی عقل رکھتا تو ان بدباطن ناعاقبت اندیش دوستونکی
چکنی چپڑی اور طمع کار باتوں مین آکر وہ روزِ سیاہ نہ دیکھتا جو اُسے آخرکار دیکھنا
پڑا کسی نے اچھا کہا ہے ؎

با بدنشین و یابش بیگانۂ او ور دام رفتی اگر خورد دانۂ او
تیر از رہِ راستی کمال ارچہ وید دیدی کہ چگونہ جست از خانۂ او

شاہزادہ محمد اکبر نے گو ملک گیری کی ہوس مین چند خانہ برانداز اور سوختہ نصیبون
کے اغوا سے اپنے اوراقِ جمعیت کو عصیان ورزی کی تیز و تند جھکڑ سے پریشان و
ابتر کر دیا اور موہوم و خیالی کامیابی کی دھن مین بغاوت و سرکشی کے تیرہ و تاریک
گھڑے مین گر پڑا۔ مگر اسے یہ معلوم نہ تھا ؎

خرد گفت آنکس بود شہریار کہ باشد پسندیدۂ روزگار
نہ ہر خام دستی کہ مستی کند بخالہ زدن تیز دستی کند

شدہ شدہ اس خبر کی شہرت عام لوگون مین پھیل گئی جب شاہزادہ محمد معظم کو
جسے محمد اکبر سے ایک گونہ محبت اور تعلق خاص تھا۔ بوئے شہرت پہونچی تو اُس
نے سختی اور تحکم کے طور پر نہین بلکہ مخلصانہ اور دوستانہ چند نصیحت آمیز حکم
شاہزادہ محمد اکبر کو لکھے۔ لیکن جب اِس کا کوئی نتیجہ مرتب نہین ہوا اور اس خبر نے
اشاعت عام پائی تو پھر شاہزادہ محمد معظم نے ایک عریضہ والد بزرگوار کی خدمت
مین ارسال کیا۔ جس کا مضمون یہ تھا +

عالیجاہا! ان اطراف مین ایک نہایت وحشت انگیز اور اندیشناک خبر
زبان زدِ عام و خاص ہو رہی ہے خدا کرے کہ جھوٹی اور بے اصل محض ہو۔ لوگوں
کی زبانون پر جستہ جستہ یہ الفاظ مذکور ہو رہے ہین کہ کفار نا ہنجار نا تجربہ کار شہزادہ
محمد اکبر کے اغوا مین اور اُسے جادۂ استقامت سے منحرف کرنے مین نہایت

مستعدی اور سرگرمی کے ساتھ کوشش کر رہے ہین بلکہ بعض لوگوں میں یہ بھی
چرچا ہو رہا ہے کہ شاہزادہ محمد اکبر نے ملک گیری کی ہوس مین غدار راجپوتون
سے سازباز کرلی ہے - بہرصورت خدام والا کو مناسب ہے کہ عہدشکن راجپوتون
کے مکروغدر سے غافل نہ رہین شہنشاہ عالمگیر کے پاس یہ عریضہ پہونچا تو پہلے تو
وہ تھوڑے عرصہ تک دریائے فکر مین غوطہ زن رہا اور اِس خبر کی تہ مین پہونچنے
کے لیئے ہر طرف ذہن دوڑایا گیا لیکن جب اِس کی سمجھ مین نہ آیا تو ایک تو اسوجہ
سے کہ وہ شاہزادہ محمد اکبر پر وثوق کامل رکھتا تھا - دوسرے بادشاہزادہ محمد معظم
کو وہ اپنے خیال مین اُس کا مخالف اور حریف سمجھتا تھا اِس لیئے محمد معظم کے اِس
عریضہ پر جو سراسر حقانیت اور صداقت کے رنگ مین ڈوبا ہوا تھا - بالکل التفات
نہین کیا اور اِس بے التفاتی کی ایک وجہ اور بھی تھی وہ یہ کہ جب حسن ابدال مین
راجپوتوں سے عالمگیری فوج صف آرا تھی - تو اس وقت بھی شہزادہ محمد معظم نے
اِس خبر کو مشہور کیا تھا کہ محمد اکبر راجپوتون سے سازباز رکھتا ہے چونکہ عندالتحقیق
یہ خبر غلط ثابت ہوئی تھی اِس لئے اِس مرتبہ بھی بادشاہ نے اپنے ذہین مین اِس
خبر کو غلط سمجھا اور بادشاہ زادہ محمد معظم کے جواب مین تحریر فرمایا ہذا بهتان عظیم
خدائے تعالے تمہین ہمیشہ صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عنایت فرمائے اور بدخواہون
کی غیبت اور سخن چینی کے سننے سے محفوظ رکھے ؟
لیکن جب یہ خبر طشت از بام ہوئی اور رفتہ رفتہ عالمگیر کے کانون تک پہونچی کہ محمد اکبر
راجپوتوں سے جاملا اور تخت سلطنت پر بیٹھ کر اپنے نام کا سکہ خطبہ جاری کیا اور
تہور خان کو ہفت ہزاری کے منصب اور امیرالامرا کے خطاب سے معزز کیا
اسی طرح مجاہد خان اور دیگر شاہی نوکرون کو جن میں بعض نے مجبوراً اور بعض نے
مصلحۃً اُس کے حکم پر گردن تسلیم خم کردی تھی - عمدہ اور جلیل القدر عہدون سے

سرفرازی بخشی ہے اور اب وہ تیس ہزار جرار راجپوت اور بیس ہزار شاہی فوج کے ساتھ بادشاہ پر چڑہائی کرتا ہے اور عالمگیر جیسے متحمل اور باوقار بادشاہ کے قدمون تلے کی زمین نکل گئی اور وہ حیرت زدہ ہوکر ایک ایک کا منہ تکنے لگا۔ تمام لشکر اسلام مین تزلزل عام پھیل گیا اور ایک نہایت وحشتناک ہنگامہ برپا ہوا بادشاہ اور نیز افسران فوج کے تردد و حیرانی کی بڑی وجہ یہ تھی کہ ان دنون تمام افواج شاہی کفار کی تنبیہ کے لئے شاہزادہ محمد اکبر کی سرکردگی مین تعینات تھی اور بجز اسد خان اور بہرہ مند خاں کے جن کی ماتحتی مین زیادہ سے زیادہ دو ہزار فوجی سوار تھے کوئی نامی اور مشہور امیر موجود نہ تھا۔ اجمیر مین جہان ان دنوں بادشاہ قیام پذیر تھا۔ اس وقت جس قدر فوج تھی ان کی تعداد آٹھ نو سو سے متجاوز نہ تھی ❊

الغرض عالمگیر ایک شبانہ روز اسی حیرت و فکر میں ڈوبا رہا اور اُسے کچھ کرتے دھرتے بن نہین پڑا آخر کار اُس نے اس ہوش ربا سانحہ کے تدارک کو خدا کے حوالے کیا اور اس آفتِ ناگہانی کو رفع دفع کرنے کی طرف عنان توجہ مبذول فرمائی۔ سب سے پہلے بادشاہزادہ محمد معظم کو بدستخط خاص سے فرمان لکھا کہ جہان تک جلدی ہوسکے بلا توقف حضور میں پہونچو اور جس قدر فوج تمہارے ساتھ ہے سب کو اجمیر کی جانب روانہ کرو پھر بہرہ مند خان کو حکم ہوا کہ لشکر کے گرداگرد مورچال بنائی جائے اور شہر کے دروازون کی محافظت و استحکامی میں انتہا سے زیادہ کوشش کیجائے۔ ناظم احمد آباد محمد امین خان اور دیگر صوبہ دارون کو فرمان لکھے گئے کہ اپنے حدود کی خبرداری اور حفاظت مین کوشش کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا جائے جب یہ سب حکم احکام نافذ ہوچکے تو بادشاہ ذی الحجہ کی انتیسوں تاریخ کو شہر کی حفاظت اور کوچہ بندے کی انتظامات کو ملاحظہ کرنے کی

غرض سے سوار ہوا اور تمام مورچالوں اور ناکہ بندیوں کو غور سے دیکھتا ہوا شہر پناہ کیطرف نکل گیا اور حسب موقع انتظام کی کمی بیشی کی بابت مہتمموں کو ہدایتین کین حمیدۃ الملک کی نسبت ارشاد ہوا کہ ہر روز ایک مرتبہ تمام مورچالوں اور درہ بندیوں کو معائنہ کرکے شب کو رپورٹ کیا کرے ۔

بادشاہزادہ محمد معظم شاہی مان کے پہونچتے ہی چلنے کے لئے اُٹھ کھڑا ہوا فوجی افسرون کو فوراً مسلح ہو جانے کا حکم دیا اور بہیر اور خدمۂ محل کو اسیجگہ حافظ حقیقی کی پناہ مین چھوڑ کر والد بزرگوار کیخدمت مین متوجہ ہوا اور دس روزہ راہ کو دو تین دن مین طے کر کے اپنے دونون فرزندون شہزادہ محمد معظم اور شہزادہ محمد معز الدین کو ساتھہ لیکر بادشاہ کی خدمت میں پہونچا شہزادہ محمد معظم کی ماتحتی مین چونکہ اس وقت دس ہزار جرار سوار تھے اور محمد اکبر کی فوج کا جہان آشوب غلغلہ نہایت دہشتناکی کے ساتھہ عام طور پر پھیلا ہوا تھا۔ جہان دو آدمی ایک جاگہہ جمع ہوتے محمد اکبر کی چڑھائی کا ذکر کرتے اور کہتے کہ ستر ہزار مسلح سوار درگاداس کی سرگردگی مین صبح ہی شام آیا چاہتے ہین - یہ خوفناک خبرین سن سنکر لشکر کا کوئی آدمی ایسا نہ تھا جسے اس ناگہانی آفت سے نجات پانے کی اُمید باقی رہی ہو علاوہ ازین بعض ہوا خواہون نے اس موقع پر بادشاہ کے یہ بھی گوش گذار کیا تھا کہ حضور احتیاط سے کام لین اور شاہزادہ محمد معظم کو تنہا حضور مین آنے کی اجازت دین لہذا بادشاہ نے بتقاضائے مزید احتیاط حکم فرمایا کہ توپوں کا رخ محمد معظم کے لشکر کی طرف کر دیا جائے اور بادشاہزادہ کو حکم کیا جائے کہ لشکر کو شہر سے دو میل کے فاصلہ پر چھوڑ کر صرف دونون شہزادون محمد عظیم اور محمد معز الدین کو ہمراہ لے کر حضور شاہی مین حاضر ہو۔ پادشاہزادے محمد معظم نے یہ پیام پاتے ہی والد محترم کی اطاعت گردن تسلیم

ختم کردی اور ہاتھون کو رومال سے جکڑ کے تنہا پدر عالی مقام کی خدمت مین دست بستہ حاضر ہوا - شاہزادہ محمد معظم کے اس طرح حاضر ہونے کی خبر بادشاہ کو پہونچی تو حکم ہوا کہ ما بدولت نماز ظہر سے فارغ ہو کر فرزند ارجمند سے ملاقات کرین گے اتنے اُنہین دیوان کے خیمہ میں ٹھیرایا جائے الغرض کچھ رات گئے بادشاہ محل سے برآمد ہو کر خیمہ دیوان مین رونق افروز ہوئے اور شاہ عالم بہادر نے شرف قدمبوسی حاصل کی *

چونکہ بادشاہ کو ابھی تک شاہزادہ محمد اکبر کے لشکر کی کوئی تحقیق اور یقین خبر نہین پہنچی تھی اس لیے قلیچ خان بہادر کے فرزند ارجمند شہاب الدین خان کو جسکی پیشانی مین رشادت و شجاعت کے جوہر نمایان تھے اور جرأت و بہادری اس کے چہرے سے ظاہر تھی حکم ہوا کہ شاہزادہ محمد اکبر کے لشکر کی خبر لائے اور تحقیق کرے کہ لشکر کی تعداد کس قدر ہے اور جو لوگ اُس کے ساتھ ہین اُنہین کتنے اُسکے موافق ہین اور کس قدر مخالف کتنے آدمی مجبوراً اسکے حکم کے مطیع ہین اور کتنون نے دل سے اُس کی اطاعت پر گردن جھکا رکھی ہے - شہاب الدین خان جسے معرکہ جلادت کا سچا اور پورا شہسوار کہنا چاہیئے بادشاہ کا یہ حکم پاتے ہی پانسو سوار و نکا دستہ ساتھ لیکر روانہ ہوا - مجاہد خان جو شہاب الدین کا حقیقی بھائی تھا اور جس نے بتقاضائے وقت و مصلحت شہزادہ محمد اکبر کی رفاقت اختیار کر لی تھی اور اب وہان سے نکلنے کی تدبیرین سوچ رہا تھا شہاب الدین خان کے پہونچنے کی خبر سنکر شاہزادہ محمد اکبر کی خدمت مین حاضر ہو کر ملتمس ہوا کہ اگر اجازت ہو تو مین اپنے بھائی سے ملوں اور ملکر اسے حضور کی خدمت مین لا حاضر کردون اجازت پانے کے بعد جس قدر نقد و جنس اُٹھا سکا ساتھ لیا اور باقی وہیں چھوڑ کر بھائی کے پاس پہونچا دونون متفق ہو کر شہنشاہ عالمگیر

کی خدمت مین حاضر ہوئے - یہان مختلف خبروں کے انتشار نے بادشاہ کی طبع
مبارک مین بہت کچھ تکدر پیدا کر دیا تھا ان دونون کے حاضر ہونے کی خبر سنکر
عالم گیر بہت خوش ہوا اور آخر کدورت بالکل مٹ گئی محمد مراد کو حکم ہوا کہ شہاب الدین
کو خان بہادر کے خطاب سے سرفرازی بخشی جائے اور مجاہد خان سے شہزادہ
محمد اکبر کے خیالات کا اندازہ اور اس کے لشکر کی تعداد اور مخالف و موافق کی تفصیل
دریافت کیجائے +

اتنے مین خبر پہونچی کہ مجاہد خان کے لشکر محمد اکبر سے جدا ہوتے ہی غنیم
کی ساری فوج میں عام بد دلی اور تشویش پھیل گئی اور راجپوتون کے علاوہ جس قدر
شاہی فوج محمد اکبر کے ساتھ ہے سب اس سے بگڑ بیٹھی یہ سنکر خواجہ مکارم جو شاہزادہ
محمد معظم کا نہایت معتمد سپہ سالار تھا فوج کا ایک دستہ لیکر شہزادہ محمد اکبر کی فوج
ہراول کے مقابلہ کو بڑھا دونون فوجون مین دو دو ہاتھ اچھے ہوئے اور انجام کار خواجہ
مکارم کے ایک کاری اور گہرا زخم لگا - چونکہ شاہزادہ محمد اکبر کی فوج کے مقابلہ میں
لوگ کچھ ہی نہیں تھے اس لئے دس پانچ کو کشتہ اور بعض کو زخمی کر کے خواجہ
مکارم اُردوئے معلے میں واپس گیا تہور خان جو شاہزادہ محمد اکبر کی فوج ہراول کا
سردار تھا بہت سے لوگون کو ساتھ لیکر فوج سے جدا ہو گیا اور بادشاہ کی خدمت
میں حاضر ہونے کے ارادے سے متوجہ لشکر شاہی ہوا جب لشکر کے قریب آگیا
تو حکم ہوا ہتیار رکھو لکر حاضر خدمت ہو مگر تہور خان نے اس حالت سے بادشاہ
کے حضور مین حاضر ہونا اپنی بے وقعتی اور کسر شان سمجھی اور ہتیار رکھو لینے میں تعلل
اور بہانہ کیا - اسپر بادشاہ زادہ محمد معظم نے اس برگشتہ بخت کو اشارہ کیا کہ فوراً
یہان سے نکلجائے - لیکن کسی نے بادشاہ کے کان تک پہونچا دیا کہ تہور خان
شاہزادہ محمد اکبر کا بھیجا ہوا یہان آتا ہے اور کسی مصلحت اور غرض سے آیا ہے -

اس کا خیال ہے کہ عین دربار مین اپنی تہوری اور بے باکی کا اظہار کرے بادشاہ یہ سنکر آگ بگولہ ہوگیا اور انتہائے غیظ میں برہنہ شمشیر ہاتہہ میں لیکر کہا کہ اسے ہتیاروں سمیت آنے دو اس اثنا میں کسی خادم نے تہور خان کے سینہ پر ہاتہہ مارا اور کہا کہ تو تخت شاہی کا ادب نہین کرتا اور ہتیاروں سمیت دربار مین جانا چاہتا ہے - اجل رسیدہ تہور خان غصہ سے لال ہوگیا اور خادم کے چہرے پر طمانچہ مار کر پلٹا پلٹنے مین خیمہ کی رسی مین پاؤ الجہا اور وہ اوندھے منہہ زمین پر گر پڑا - اس کا زمین پر گرنا تہا کہ چارون طرف سے لوگ پل پڑے اور بات کرتے مین موذی کا کام تمام کر دیا ؂

تہور خان کے مقتول ہونے کی خبر نے اشاعت پائی تو شاہزادہ محمد اکبر کی فوج مین تنزلزل عام پیدا ہوگیا اور تباہ کار راجپوتوں کے پاؤن ڈگمگا گئے بہت سے امرا اور راجہ ترک رفاقت کر کے حضور شاہی مین حاضر ہوئے اور بہت سے بہاگ کہڑے ہوئے شاہزادہ محمد اکبر جو اس دبدبہ اور شان و شوکت اور بے شمار فوج کے ساتہہ با اقتدار بادشاہ کے مقابلہ کے لئے آیا تہا جب اس نے دیکہا کہ راجپوت بغیر لڑائی ہوئے بہاگے چلے جاتے ہین تو اس پر بہت نفرین کی اور اپنی عقل و دانش پر سخت افسوس کیا - ابہی تہوڑی دیر نہ گذری تہی کہ درگا داس اور چند نفروں کے علاوہ جو رانا کے معتمدان خاص تہے شاہزادہ محمد اکبر کی رفاقت مین اور کوئی نہ تہا ہان شاہی قدیمی فوج مین کے دو تین ہزار آدمی موجود تہے جو ابہی تک شہزادے کے ساتہہ اس وقت شہزادہ محمد اکبر کا نشہ ہرن ہوا اور اسے معلوم ہوا کہ غدار راجپوت اپنے قول و قرار کے کہان تک سچے ہین - جب تمام بے وفا راجپوت شہزادے کا ساتہہ چہوڑ کر بہاگ گئے تو وہ حیرت زدہ ہو کر ہر طرف خیال دوڑانے لگا اور جب کوئی تدبیر کرتے بن نہ پڑی تو خود بہی راہ فرار اختیار کی

کسی نے سچ کہا ہے ؎

نہ ہر کہ چہرہ برافروخت دلبری داند ۔ نہ ہر کہ آئینہ سازد سکندری داند ۔

نہ ہر کہ طرف کلہ کج نہاد و تند نشست کلاہ داری و آئین سروری داند

محرم کی چھٹی تاریخ تھی - اور صبح کی پو پھٹے ہوئے تھوڑی ہی دیر گزری تھی - کہ ہلکاروں کے ذریعے سے بادشاہ کو خبر پہونچی کہ محمد اکبر جو دولتخانہ شاہی سے قریبًا ڈیڑہ میل کے فاصلہ پر پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا آدھی رات کو اہل و عیال کو چھوڑ کر بھاگ گیا - ابھی سورج نہین نکلا تھا کہ شاہزادہ محمد معظم معہ امرار دربار حاضر خدمت شاہی ہوا - اور آداب تہنیت فتح بجالایا - بادشاہ نے اول دو رکعت نماز شکریہ ادا کی پھر مصلے پر بیٹھے ہوئے یہ شعر بار بار پڑہتا رہا ؎

صبا از شرم نتواند بروئے گل نگہ کردن که رخت غنچہ را در کرد و نتوانست تو کردن

زبان بعد زبان دُر بار پر جاری ہوا ذالک تقدیر العزیز العلیم ؁

اراکین دربار قاعدہ کے مطابق تسلیمات فتح سے سرفراز ہوئے اور پہرون چڑھے تک مبارک بادی کے شادیانے بڑی دہوم دہام سے بجتے رہے - اس کے بعد محمد علی خان کو حکم ہوا کہ شہزادہ محمد اکبر کا تمام مال و اسباب ضبط کرلیا جائے اور اُس کے تمام اہل و عیال کو نہایت حفاظت و احتیاط کے ساتھہ محل سرائے شاہی میں باامن و امان داخل کیا جائے چنانچہ محمد علی خان نے شہزادہ محمد اکبر کا سارا اسباب و سامان اپنے قبضہ مین کرلیا اور نیکو سیر شاہزادہ محمد اکبر کے فرزند اور صفیۃ النساء زکیۃ النساء صاحبزادیان سلیمہ بانو بیگم محل خاص اور متعلقان دیگر کو باحتیاط تمام محافون اور فینسوں میں بٹھا کر شاہی محل میں داخل کیا بادشاہ زادہ محمد معظم - شہزادہ محمد اکبر کے تعاقب مین اور شہاب الدین راجپوتون کے تعاقب میں دونوں دو طرف ایک مشرق کو اور ایک مغرب کو روانہ ہوئے -

شہاب الدین خان نے بہت سے راجپوتوں کو جہنم واصل کیا اور جو رستے مین ملا تیغ بیدریغ کا چارہ ہوا۔ مگر شہزادہ محمد اکبر چونکہ بہت دور جاچکا اس لیے بادشاہ زادہ محمد معظم کو واپس آنا پڑا۔ اور نہایت مایوسی کے ساتھ واپس آنا پڑا۔ ودسرے روز ایک نہایت عظیم الشان جشن قرار پایا جس مین بادشاہزادہ محمد معظم کو پچاس ہزار اشرفیان اور ان کے فرزند معز الدین کو دولاکھ روپے عظیم الدین کو تین ہزار اشرفیان حضور سے مرحمت ہوئین اور محمد معظم کے امرا اور افسران فوج کو پچاس ہزار اشرفیان تقسیم کی گئیں +

اس وقت سلیمہ بانو بیگم کی جو افسوسناک حالت تھی اُس کا فوٹو کھینچنا مشکل ہے ایک عرصہ تک وہ اپنے والدین کی رفاقت اور گھر کی حکومت مٹجانے پر خون کے آنسو روتی رہی اب شوہر اور فرمانبردار شوہر شجاع شوہر کے یوں آوارہ دشت غربت ہوجانے نے تو بس اس کے افات و مصائب کی حد ہی کردی جس وقت اُسے معلوم ہوا کہ شہزادہ محمد اکبر خفیہ طور پر شب کو کہیں نکل گیا تو اُس نے سخت ماتم کیا معصوم اور ننھے بچون کو گلے لگا کر یہان تک روئی کہ غشی طاری ہوگئی اور کامل چار گھنٹے تک حالت غشی میں مردے کی طرح پڑی سسکتی رہی اوسے ہوش اُس وقت آیا جبکہ محمد علی خان کے حکم سے فینس میں ڈالکر شہنشاہ عالمگیر کے حضور میں روانہ کی گئی۔ فینس شاہی حرمسرا کی ڈیوڑھی پر لگائی گئی تو سلیمہ بانو بیگم کی عجیب کیفیت تھی کوئی شخص اُس میں اور مردے مین ذرا تمیز نہین کرسکتا تھا کہ بلکہ بعض بعض بیگمات کو وہم ہوگیا تھا کہ سلیمہ بانو بیگم نے شوہر کے فراق مین خودکشی کرلی ہے اور اُس کی مردہ لاش محل میں لائی گئی زکیتہ النساء اور صفیتہ النساء اور نجیبتہ النساء زار و قطار رو رہی تھین اور نیکو سیر اور محمد اصغر ہر تمنا کی آنکھوں سے آنسوؤں کی ندیان بہ رہی تھین عرضکہ شاہی محل میں کہرام مچا ہوا تھا اور شاہی عشرت کدہ ماتم

سے کم نظر نہین آتا تھا۔ شہنشاہ عالمگیر کے کانوں میں اس شور و فغان اور آہ و نالہ
کی آواز پہونچی تو وہ گھبرایا ہوا محل میں آیا اور بیگمات کی یہ مضطربانہ حرکتین دیکھکر
سب کو تسلی و دلاسا دیکر خاموش کیا سلیمہ بانو بیگم کی پلنگڑی کے پاس گیا تو اُسے
بیہوش پایا ہوش مین لانے کی تدبیرمن عمل مین لائی گئین تو تہوڑے عرصہ
میں سلیمہ بانو بیگم ہوش میں آگئین اور حضور شہنشاہ کو سرہانے کہڑا دیکھکر بوقت
تمام سروقد کہڑی ہوکر آداب بجالائی۔ بادشاہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر فوراً بٹھا دیا اور
تسلی کے لہجہ میں کہا بیٹا سلیمہ! تم بالکل رنج نکرو میرا قصوروار محمد اکبر ہے تم نہین
تم ویسی ہی میری عزیز اور چہیتی بیٹی ہو۔ جیسے پہلے تھین۔ میں نے اس خیال سے
تم کو فراموش کردیا تھا کہ مجھے یقین تھا کہ شہزادہ محمد اکبر تمہاری دلجوئی اور تسلی مین
دقیقہ اُٹھا نہین رکھے گا اور غالباً اُس نے تمہیں کسی قسم کی تکلیف دانستہ دی
بہی نہیں ہوگی۔ اور اگر اُس سے کوئی ایسی بات سرزد ہوئی ہے جو تمہاری طبیعت
کو ناگوار اور گران معلوم ہوئی ہو تو مین اُسکی تلافی کے لئے موجود ہون سلیمہ
بانو بیگم سرجہکائے بیٹھی تھی۔ اور کسی بات کا جواب نہین دے سکتی تھی۔ بادشاہ یکہکر
کہڑا ہوگیا اور شاہزادہ محمد اکبر کے فرزندون اور دخترون کو یکے بعد دیگرے پیار کیا
سرون پر ہاتھ پہیرا۔ اور ہر ایک کی جداگانہ لفظون مین تشفی کی *

محرم کی چھٹی تاریخ کو یہ واقعہ پیش آیا اور اُسی مہینے کی سولہوین کو بادشاہ نے
عفت مرتبت اورنگ آبادی محل اور سلیمہ بانو بیگم کو دارالخلافہ کی جانب روانہ کیا
اور بعد کو خود بہی رونق افزائے مستقر الحکومۃ ہوا۔ نواب زیب النساء بیگم
پر صرف اسوجہ سے عتاب ہوا کہ وہ شہزادہ محمد اکبر سے سازباز رکہتی تھی اور اس
کے بہت سے وہ نوشتہ جات جو اُس نے محمد اکبر کو لکھے تھے رستہ میں پکڑے
گئے تھے اس جرم کی سزا مین چار لاکھ روپیہ جو عالمگیری گورنمنٹ سے زیب النساء بیگم

کو ملا کرتا تھا بند کر دیا گیا اور سارا ساز و سامان اور نقد و جنس جو کچھ اسکی ملکیت مین تھا ضبط سرکار ہوا +

اختر زمانی

نہایت خدا ترس بیگم تھی حاجتمندون کے ساتھ بیحد محبت اور خلق سے پیش آتی تھی۔ عبادت کا یہہ حال تھا کہ تہجد تک ناغہ نہونے دیتی تھی مزاج مین تھوڑی سی ظرافت بھی تھی مگر دل خدا کی طرف اتنا زیادہ رجوع تھا کہ دنیوی معاملات مین بہت کم توجہ کرتی تھی جبتک یتیمونکو کھانا نہ کھلاتی خود کبھی کچھہ نہ کھاتی۔ لباس سادہ رکھتی تھی اور وظائف وغیرہ مین بہت زیادہ مصروف رہتی ۱۲۳۰ھ مین انتقال کیا

سکندر سلطان

یہہ بیگم فن سپہگری مین اپنا جواب نہ رکھتی تھی چنگیزی خون رگ رگ مین تھا اسلیے بعض دفعہ خفیف جرم مین اپنی ماتحتونکو سخت سزا دیتی تھی اکثر پیادہ ہوا خوری کو نکل جاتی اور بلا خوف و خطر سیر کرتی ایک موقعہ پر بھیڑیے سے مقابلہ ہو گیا۔ چونکہ ہر وقت مسلح رہتی تھی۔ بھیڑیے کو مار ڈالا۔ ۱۲۸۵ھ مین انتقال کیا +

جمیلہ خاتون

زوجہ محمد میرزا۔ اس بیگم کا نام رشید النسا عرف آرام جان بھی تھا یہ دہلی کے ایک شریف سید خاندان کی بیٹی تھی۔ فارسی شعر فی البدیہ کہتی تھی اسوقت کے عربی اور فارسی کے بڑے بڑے شعرا اسکو استاد سمجھتے تھے اور اسبات پر متفق تھے کہ رشید النسا ر شاعرہ پیدا ہوئی ہے۔ حمد و نعت کے قصیدے در حکے علاوہ لاجواب ہین محمد میرزا کی بیاہتا بیوی نادرہ جو شاہ ایران کی بیٹی تھی اور شیعہ تھی اسکی قابلیت اور اثر پر رشک

کرنے لگی ہرچند کوشش کی کہ رشید النسا رکو مہمان بلائے - مگر کامیاب ہو سکی ایک
روز محمد میرزا سے درخواست کی اور عمدہ لیکر دعوت کا انتظام کیا جو وقت رشید النسا ء
پہونچی ہے نادرہ بہی محبت وخلق سے پیش آئی کھانے کے بعد نادرہ نے رشید النساء
سے اپنا کلام سنانیکی درخواست کی جمیلہ نے منقبت کے چند اشعار پڑہے مگر انمین
حضرت عمر کی فتوحات پر زیادہ زور تھا - اسمین شک نہین کہ رشید النساء کا باوجود علم تحنے
کے نادرہ کے سامنے ایسے اشعار پڑھنا نامناسب تھا نادرہ نے اشعار کی عربی زبان سے
تعریف کی رشید النساء کو ناگوار ہوا بات بڑہ گئی اور محمد میرزا نے بیچ بچاؤ کیا +

رشید النساء کے بچونمین صرف ایک لڑکی زندہ رہی جو عباسہ کے نام سے مشہور ہوئی یہ بہی ماں کی طرح بہت اچھا
شعر کہتی تہی جمیلہ خاتون باوجود شہزادی ہونیکے نہایت منکسر عورت تہی یہانتک کہ لباس بہی ہمیشہ سادہ کہتی تہی

موتی بیگم

سب سے پہلے اکبر کی شادی اسی بیگم سے ہوئی - یہہ بیگم نہایت خوبصورت اور ظریف الطبع تہی مگر
موتی ہونیکیوجہ سے زیادہ اکہڑ تہی اسلئے اکبر کو بعض اوقات اسکی صحبت ناگوار گذرتی گو تعلیم کیوجہ سے بہت کچہ
صلاح ہوئی - مگر طرز گفتگو اور لہجہ نہ بدل سکا سنہ ۱۰۱۱ھ میں انتقال کیا - اور لاہور مین دفن ہوئی -

اشرف زمانی

اورنگزیب کے لڑکے بہادر شاہ کی بیوی تہی ایک کابلی سردار کی بیٹی تہی
قابلیت کا مادہ بچپن ہی سے طبیعت مین موجود تہا - باپ کا فیض صحبت اور تعلیم کا اثر
سونے پر سہاگہ ہو گیا مشکل سے مشکل اشعار جسکے معنے بیان کرنیمین بڑے بڑے علما غور
کرتے تہے فوراً سمجہ لیتی تہی خود بہی فارسی اشعار کہتی تہی بہادر شاہ اسکی اور اس سے
زیادہ اسکے علم وفضل کی عزت کرتا تہا +

بادشاہ بیگم

یہ بیگم عالمگیر بادشاہ کی پیاری بیٹی اور محمد اعظم شاہ کی حقیقی بہن ہے جو دلرس بانو کے بطن سے پیدا ہوئی عالمگیر جو قدرتًا کلام الٰہی کا شیدا اور مذہب کا سخت پابند تھا اُسے اپنی اولاد کی تعلیم مذہبی ہر وقت مدنظر رہتی تھی اور اس کا قاعدہ تھا کہ بچہ کو سب سے پہلے کلام اللہ اور پھر مذہبی فرائض کی تعلیم دلواتا تھا اسی قاعدہ کے موافق اُس نے بادشاہ بیگم کو بھی جبکہ وہ قریبًا پانچ برس کی ہوئی تعلیم دلوانی شروع کی چونکہ یہ لڑکی شروع ہی سے نہایت طباع اور تیز ذہن تھی تھوڑے ہی عرصہ میں بہت کچھ لکھ پڑھ لیا۔ اور شائستگی و تہذیب میں طاق ہو گئی۔ عالمگیر اپنی اس کم سن لڑکی کی اس ذہانت پر نہایت متعجب اور خوش ہوا اور اُسکے اتالیق کو بہت کچھ انعام واکرام سے سرفراز کیا۔

عالمگیر خود بہت بڑا فقیہ اور پایۂ شناس فن تھا اور چونکہ اسے اپنی اولاد کی تعلیم کا شروع ہی سے نہایت اہتمام تھا۔ اِس لئے اُسنے بادشاہ بیگم کی مافوق العادت ذہانت دیکھکر ایک بڑے زبردست بوڑھے فقیہ کو اسکی تعلیم پر مامور کیا جس نے بڑی محنت وجانفشانی سے نہایت سچائی و امانت کے ساتھ اپنا فرض منصبی ادا کیا۔ فقہ کی تعلیم کے ساتھ ساتھ بادشاہ بیگم کو عربی پر پوری دستگاہ ہو گئی اور اب اُسنے دیگر علوم و فنون کی طرف توجہ کی۔ خود اُستاد اور کبھی کبھی عالمگیر علمی مسائل کے متعلق مختلف سوالات امتحانًا پیش کیا کرتے اور اُن کے معقول و شافی جواب پانے پر بادشاہ بیگم کی وسعت نظر اور واقفیت پر نہایت متعجب ہوتے اس زمانہ میں بادشاہ بیگم نے شعر کہنا بھی شروع کیا اور ازبسکہ طبیعت نہایت موزوں اور نظر بہت وسیع تھی۔ سخت سے سخت زمین میں شعر برجستہ کہتی اور خوب کہتی۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ عالمگیر کسی مہم سے واپس آیا اور شعرائے دربار نے اُس فتح کی خوشی میں بہت سے قصائد و تہنیت

نامے پیش کئے۔ بادشاہ بیگم نے بھی محل کی مستورات کی فرمایش سے ایک قطعہ بادشاہ کی خدمت میں لکھا۔ عالمگیر کو اس وقت تک معلوم نہ تھا کہ بادشاہ بیگم نے شاعری شروع کی ہے قطعہ کو کر رکنہ پڑ کر پڑھا اور نہایت غور سے پڑھا۔ ہرچند کہ اسکی طباعی اور ذہانت پہ نہایت خوش ہوا مگر قطعہ کی پشت پر بطریق جواب یہ عبارت لکھی "برخوردار من! شاعری کے بے نتیجہ اور فضول فن میں مصروف رہنا تمہارا کام نہیں ہے۔ یہ فن اگر مایۂ فخر ہوسکتا ہے تو عام آدمیوں کے لئے ہوسکتا ہے۔ مگر اعلےٰ درجہ کے لوگوں کے لئے باعث عزت نہیں ہوسکتا"۔

اس وقت سے بادشاہ بیگم نے شاعری سے توبہ کی اور کبھی بھول کر بھی شعر و سخن کا نام نہیں لیا۔ جب وہ مذہب کے ضروری علوم سے فارغ ہوئی تو ریاضی اور علم ہیئت کی کتابیں دیکھنی شروع کیں۔ یہ علوم اگرچہ اُس وقت نہایت ادق اور دشوار خیال کئے جاتے تھے لیکن بادشاہ بیگم کی طبیعت میں اس بلاکی استقامت اور سنجیدگی تھی کہ اس علم کے سارے مشکل مسئلے اُس کے سامنے پانی تھے۔ الغرض وہ علوم رسمیہ کی تمام کتابوں پر ایک سرسری نظر ڈال گئی۔ اور بجز قرآن و حدیث کے اور کسی علم میں اُسنے اپنی دلچسپی کے سامان نہ دیکھے۔ لہٰذا شب و روز انہی دو علموں میں مستغرق رہتی اور اپنی اوقات کا اکثر حصّہ قرآن و حدیث اور فقہ کی کتابوں کے مطالعہ ہی میں صرف کیا کرتی۔

بادشاہ بیگم قرآن و حدیث کی نہ صرف عالم و ماہر تھی بلکہ عامل اور نہایت پابند بھی تھی۔ قرآن مجید کی تلاوت اُس کا روزانہ کام تھا اور عبادت و زہد میں مصروف رہنا اُسکا عام شیوہ تھا۔ یہی وہ خوبیاں تھیں جنہوں نے عالمگیر کو بالکل اپنا گرویدہ کر لیا تھا۔ اور وہ اپنی تمام اولاد میں بادشاہ بیگم ہی کو نظر انتخاب سے دیکھتا تھا۔ بدرالنساء بیگم کی والدہ نواب بائی کو اِن باتوں سے نہایت رنج ہوتا تھا۔ اور وہ طیش میں آ کر عالمگیر

کو طعنہ دیتی تھی کہ تم دلرس بانو کی اولاد کو میری لخت جگر پر ترجیح دیتے ہو۔ دونوں میاں بی بی میں اکثر اس بات پر مباحثے ہوتے تھے اور چونکہ نواب بائی عام لیاقتوں میں بھی بادشاہ بیگم کو بدر النساء بیگم سے کم درجہ تسلیم کرتی تھی۔ اس لئے عالمگیر اکثر موقعوں پر اپنی دونوں لڑکیوں کا امتحان لیتا تھا۔ اور نتیجہ امتحان کے وقت نواب بائی کو سخت شرمندگی اٹھانی پڑتی تھی +

بادشاہ بیگم جس طرح ظاہری حسن و خوبی میں اپنا نظیر نہ رکھتی تھی۔ اسیطرح باطنی اخلاق و عادات میں بھی بے مثل تھی۔ علم۔ رائے۔ تدبیر۔ دانائی۔ عزم۔ بردباری۔ عالی حوصلگی۔ فیاضی میں اس سے افضل تمام محلات میں کوئی عورت نہ تھی۔ عالمگیر جیسا زیرک اور مدبر بادشاہ ہمیشہ اسکے حزم و احتیاط اور خدا پرستی اور زہد و اتقا کی تعریف کیا کرتا تھا۔ پھر ان باتوں پر اگر اسکی بے تکلفی سادہ مزاجی۔ عفو و انکسار کی صفتیں بڑھائی جائیں تو فضیلت کا دائرہ جسے مورخین نے خاندان مغلیہ کی بعض بیگمات تک محدود کیا ہے تمام بیگمات اسلام کو محیط ہو سکتا ہے۔ اسکی سادہ روی ہمیشہ شاہانہ شان و شوکت پر غالب رہی مگر پھر بھی اسکی ایجاد پسند طبیعت نے زیب و زینت کے متن پر بہت سے حاشیے چڑھائے۔ جو نہایت ذوق اور مسرت سے حرم سرا کی تمام بیگمات نے قبول کئے اور امرا و عمائد میں عام رواج پا گئے۔ لیکن اُسنے تمام عمر اپنے حق میں مسرفانہ فیاضی اور بیجا شان و شوکت کے سامان و تجملات پسند نہیں کئے بلکہ نہایت سادگی کے ساتھ زندگی بسر کی۔ اور یہی ایک بات تھی جس کی وجہ سے عالمگیر اسے اپنی تمام اولاد پر ترجیح دیتا اور نظر انتخاب سے دیکھتا تھا۔

عالمگیر اگرچہ بڑی عظمت و شان کا بادشاہ تھا اور ناموری کے دفتر میں عام مورخین نے اسکی عظمت و جبروت اور جاہ و جلال کی داستانیں لکھی ہیں مگر ہمارے نزدیک جو چیز اسکی تاریخی زندگی کو نہایت موثر اور مزین بنا دیتی ہے وہ اسی سادہ مزاجی اور بے تکلفی ہو

ایک ایسا شہنشاہ جو تخت حکومت پر جلوہ فرما ہو کر تمام ایشیائی دنیا کو اپنے زیر نگین اور محکوم و مطیع دیکھے کس قدر عجیب بات ہی کہ عام لوگوں سے ملنے جلنے میں شان سلطنت کا لحاظ رکھنا بالکل ناپسند رکھتا ہو اور ہر شخص سے خواہ وہ کسی رتبہ اور کسی درجہ کا آدمی ہو نہایت بے تکلفانہ ملاقات کے لیئے آمادہ ہو اکثر علما و فقرا اور اہل کمال راتوں کو اسکے مہمان ہوتے تھے اور اس کے بستر سے بستر لگا کر سوتے تھے مگر اس سے کبھی اُسے عار یا تکلیف نہ ہوتی تھی۔ بلکہ اُن کے اس خلا ملا سے پرلے درجہ کا احسان مانتا تھا۔ اُسکا عام برتاؤ ہر شخص سے ایسا ہی ہوتا تھا۔ جیسا کہ ایک سادہ خالص دوست کا دوست کے ساتھ ہوتا ہے یہی کیفیت بالکل بادشاہ بیگم کی تھی اُسے شاہانہ شان و شوکت سے کبھی کوئی غرض نہ تھی اور ہمیشہ سادگی اور بے تکلفی کو دوست رکھتی تھی۔ بارہا دیکھا جاتا تھا کہ وہ اپنے خادموں کا ہاتھ بٹانے کے لیئے اٹھ کھڑی ہوتی تھی۔ اور گھر کے ضروری کام خود اپنے ہاتھ سے انجام دینے میں سرگرمی دکھاتی تھی۔ بادشاہ بیگم اگرچہ مسرفانہ فیاضیوں اور فضول خرچیوں سے بالطبع متنفر تھی لیکن تاہم ہندی مورخوں نے اسکی فیاضی اور سخاوت اور دریا دلی کا بڑے فخر اور جوش کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ ارباب کمال اور اہل فن کو ہزاروں لاکھوں روپے عطا کر دینا اُسکا ایک معمولی کام تھا۔ زاہد خاں کا فرزند فیض اللہ خاں مرادآبادی جو بادشاہ بیگم کا کوکا زادہ تھا بڑا امیر کبیر آدمی تھا۔ اور چونکہ وہ نیکدل اور متشرع اور زہد و اتقا کا سخت پابند تھا۔ بادشاہ بیگم کی فیاضی سے مالا مال ہو گیا تھا۔ ایک دفعہ عالمگیر کے کسی مہم سے واپس آنے کے وقت بادشاہ بیگم نے اُسے پچاس ہزار روپے عطا کیئے تھے۔ فیض اللہ خاں ابتدا میں ایک نہایت صالح اور متقی اور متواضع شخص تھا اور عالمگیر جیسے قدر شناس اور علم دوست کے دربار میں بڑی وقعت و قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا آخر عمر میں مختل الحواس ہو گیا اور آزادانہ و بیخبرانہ جنگل و صحرا میں زندگی بسر کرنے لگا۔ اُسے دنیاوی تعلقات سے اس درجہ نفرت ہو گئی کہ سارے جاہ و حشم اور مال و دولت سے کنارہ کش ہو کر گوشہ عزلت میں جا بیٹھا اور جنگل کے

درندوں اور وحشی جانوروں اور طیور و سوام و ہوام کے صحبت کے علاوہ اور کسی سے نفرت
نہ کی۔ لوگ دور دراز شہروں اور جزیروں سے عجیب و غریب جانور اسکے لئے لاتے تھے
اور وہ اُن سے بہت خوش ہو کر ہزاروں روپے ان کی محنت اور سفر کے صلے میں دیا کرتا
تھا۔ چند روز تک اسکی یہی کیفیت رہی آخر کار اسے فیلپا ہو گیا۔ اور اسی مرض شدید میں
انتقال کر گیا۔ بادشاہ بیگم اور خود شہنشاہ عالمگیر کو اسکے انتقال کا بہت صدمہ ہوا اور
شہزادی نے بہت سارا روپیہ ایصال ثواب کی نیت سے فقراء و مساکین کو تقسیم کیا اور
اسکے چند روز بعد اسکی قبر پر ایک نہایت خوبصورت و شاندار مجر کئی ہزار روپیہ کی لاگت
سے تعمیر کرا دیا۔

بادشاہ بیگم کی فیاضی کی یہ ایک جزئی مثال ہے۔ جو اس مقام پر ذکر کی گئی ہے ورنہ
اس کے اصلی و عملی کارنامے اس قسم کی حیرت انگیز فیاضیوں سے لبریز ہیں جنہیں ایشیائی
عبارت آرائی کی ضرورت نہیں۔ ان صفات کے متعلق جس قدر مبالغہ کیا جا سکتا ہے خوش
قسمتی سے وہ بادشاہ بیگم کے اصلی و عملی واقعات ہیں۔ تاریخ پر نظر کرنے سے اس قسم کی سینکڑوں
مثالیں ملتی ہیں جن سے اسکی سخاوت اور دریادلی بہت کچھ ثابت ہوتی ہے۔ آج کل کے
انگریزی تعلیم یافتہ اُن روایتوں کو تاریخ میں دیکھ کر عموماً مبالغہ پر محمول کرتے یا محض
غلط سمجھتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ملکی اور فوجی مصارف سے بچکر اس قدر روپیہ کہاں سے
آسکتا ہے کہ ان بے انتہا فیاضیوں کے لئے کافی روانی ہو۔ لیکن ہمیں اپنے اُن
نوجوان نئے تعلیم یافتہ بھائیوں کی طرح جو ایشیائی روایات اور تواریخ کو عموماً بے وقعتی
اور بے اعتباری کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ کبھی واقعات سے انکار کرنا نہیں چاہئے۔ یہ ہماری
ایک نہایت عظیم الشان اور سنگین غلطی ہے کہ ہم اپنی کوتہ نظری اور کم حوصلگی سے موجودہ
طرز سلطنت کو مجلسی الیغیائی و مشرقی حکومتوں کے اندازہ کرنے کا معیار قرار دیں اور آجکے
مصارف و آمدنی کو گزشتہ تاجداروں کے جمع و خرچ کے اندازہ کرنے کا پیمانہ بتائیں

اُن کی بڑی غلطی یہی ہے کہ پچھلی مشرقی سلطنتوں کے ملکی اور فوجی مصارف کو وہ موجودہ
طرز حکومت پر قیاس کرتے ہیں۔ حالانکہ اُس وقت نہ اتنے مختلف محکمے اور عہدے تھے
نہ اتنی کثیر تنخواہیں اور وظیفے مقرر تھے۔ ملک کی آمدنی سے اُن کے خزانے ہمیشہ معمور رہتے
تھے۔ اور خزانہ عامرہ کا بڑا حصہ اُن سخاوتوں اور فیاضیوں میں صرف ہوتا تھا جس کو ہم
آج لغو اور فضول بتاتے ہیں۔ اسمیں شبہ نہیں کہ مشرقی تاجداروں میں بعض نہایت
مسرف اور فضول خرچ بھی ہوئے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ ان کے غیر معتدل اسرافات پر
لاکھوں اور کروڑوں مسلمانوں میں سے ایک متنفس بھی نکتہ چینی کی جرأت نہیں کر سکتا۔
اس قسم کے بے قاعدہ مصارف اور غیر معتدل اسرافات سے ہم یہی نتیجہ نکال سکتے ہیں
کہ پچھلے زمانوں میں ملکی عہدے کم تھے۔ اور جس قدر تھے اُن کی تنخواہیں بیش قرار تھیں
شہروں اور ملکوں کے محاصل معقول اور معتدبہ تھے اور شاہی خزانے ہمیشہ لبالب لبریز
رہتے تھے۔

الغرض بادشاہ بیگم بڑی قابل اور لایق بیگم تھی اُسکے تمام افعال و حرکات معتدل
پیمانہ پر تھے۔ اور اسکی کوئی بات معیار عقل و شرع سے خارج اور متجاوز نہ تھی۔ یہی وجہ تھی
کہ شہنشاہ عالمگیر جوان اخلاق و عادات کا دل سے گرویدہ تھا۔ بادشاہ بیگم کو اپنی تمام
اولاد سے زیادہ عزیز رکھتا اور اسکی خوشنودی اور دلجوئی ہمیشہ مدنظر رکھتا تھا۔ اس
بات کا یہ ثبوت کہ بیگم اپنی تمام بھائی بہنوں میں باپ کو زیادہ پیاری اور عزیز تھی ذیل
کی دو تمثیلی حکایتوں سے بخوبی ملتا ہے۔

شہنشاہ عالمگیر جب ۱۰۷۰ھ میں رجب کی وسطی تاریخوں میں مہم دارا شکوہ سے فارغ
ہو کر اجمیر کا دورہ کرتا ہوا دار الخلافہ دہلی میں واپس آیا تو اس فتح نمایاں کی خوشی میں
ایک عظیم الشان جشن کے مرتب کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ مشرقی سلطنتوں کا عموماً یہ قاعدہ
رہا ہے کہ ہر سال میں ایک دفعہ نہایت شان و شوکت کا سالانہ عام جشن ہوا کرتا تھا۔

جنہیں ہواخواہان سلطنت اور رجال نثاران حکومت کو اُن کی خیر خواہی اور جان نثاری
کے صلے میں بے شمار رقمیں عطا ہوتی تھیں اس جشن کی تقریب جس شان و شوکت سے
ادا ہوتی تھی وہ مشرقی سلطنتوں کی مسرفانہ فیاضی اور حشمت و دولت کا سب سے بڑا ہوا
نمونہ ہوتا تھا۔ عالمگیر اگرچہ اس فضول شاہانہ شان و شوکت اور مسرفانہ فیاضیوں سے بالطبع
متنفر تھا اور ہمیشہ سادگی اور بے تکلفی میں زندگی بسر کرنا پسند کرتا تھا مگر باینہمہ اسکی سادہ
روی سے یہ خیال کرنا نہ چاہیئے کہ ان جیسی تقریبوں میں اسکے شاہانہ جاہ و حشم اور مسرفانہ
مصارف میں کچھ تنزل ہوتا تھا بلکہ ایسے موقعوں پر وہ ایک دن میں تمام معمور خزانے
خالی کر دیتا اور ادنےٰ ادنےٰ فوجی سپاہی اور عام رعایا کی گودیاں زر و سیم سے لبریز
کر دیتا تھا۔

اس عام جشن کی تاریخ جو بیسویں رمضان المبارک مقرر ہوئی اور ایک مہینے پیشتر سے
اسکی طیاری کا حکم دیا گیا قلعہ دہلی کے تمام در و دیوار اور اطراف دولتخانے کے کل مکانات
دیوان عام دیوان خاص وغیرہ کی پوری پوری آراستگی کی گئی۔ الغرض جب جشن کے
تمام ساز و سامان مرتب ہو گئے اور امرائے دولت و افسران فوجی قاعدہ کے مطابق
اپنی اپنی جگہ آ بیٹھے تو سب کے بعد شہنشاہ عالمگیر رونق افزائے جشن ہوا۔ خاندان مغلیہ
کے وارث تخت و تاج کے جلوس فرما ہوتے ہی ہر طرف سے مبارکبادی کی صدا اس
زور سے اُٹھی کہ سارا مکان گونج پڑا۔ سب عہدہ داروں نے ملے قدم مراتب بادشاہ
کے آگے باری باری سے نذریں پیش کیں۔

ہمارے معزز ناظرین جنہوں نے شہنشاہ عالمگیر کو کبھی قرآن و تفسیر کا درس کرتے
دیکھا ہے۔ کبھی جہاں پناہ نے ارکان دولت کی طرف متوجہ ہو کر ارشاد فرمایا کہ عہد سابق میں
جو اشرفی اور روپے کے ایک طرف کلمہ طیبہ مضروب ہوتا اور دوسری جانب خلفاء راشدین
کے ناموں سے مزین ہوتی تھی اس رسم کو بالکلیہ بند کرنا چاہیئے کیونکہ اس قسم کے درم و

دینار اکثر اوقات نامناسب مقامات پر پڑے رہتے ہیں اور بے دین لوگوں کے پاؤں سے مسلے جاتے ہیں۔ اور اس سے کلمہ طیبہ کی جو توہین اور بے تعظیمی ہوتی ہے ظاہر ہے۔ پس اس تاریخ سے ان نقوش کو اس سکہ کے ساتھ بدلنا مناسب ہے۔ ۵
سکہ زد در جہاں چو مہر منیر ✤ شاہ اورنگ زیب عالمگیر ✤ اور روپے کی پشت پر حکام دولت نے ذیل کی عبارت ڈالی ✤ از سکہ اقبال شہ مہر نظیر ✤ سیم و درم ستارہ شد نقش پذیر ✤ از سکہ او غلغلہ در چرخ فتادہ چو گردید زر از سکہ او عالمگیر ✤

چونکہ تاریخ فتح میں شنبہ کا روز آپڑا تھا اس لئے ہر ہفتہ میں یہی دن جشن کے لئے انتخاب کیا گیا چنانچہ اس جشن کے بعد دوسرے ہفتہ میں شنبہ روز جشن خاص منعقد ہوا اور اسمیں امرائے دولت اور فوجی افسروں کو معقول مناصب اور بڑے بڑے رقمیں عنایت ہوئیں ارباب طرب اور اہل استحقاق کے علاوہ جو انعام بخشی فوج کے حق میں ظہور پذیر ہوئی اُس کا کوئی کافی اندازہ نہیں ہو سکتا۔ اس جشن خاص میں بادشاہ بیگم کو پانچ لاکھ روپے نقد عنایت ہوئے اور زیب النساء بیگم کو چار لاکھ زینت النساء بیگم کو دو لاکھ۔ بدر النساء بیگم کو ایک لاکھ سات ہزار، زبدۃ النساء بیگم کو ایک لاکھ پچاس ہزار روپیہ مرحمت ہوا۔ پادشاہ زادہ محمد اعظم کو دو لاکھ روپے ایک شمشیر مرصع ایک چاندی کے ساز و یراق سے آراستہ ہاتھی مرحمت ہوا۔ اور شاہزادہ محمد سلطان کے نام جو شجاع کے تعاقب پر مامور تھا تین لاکھ روپے مع کچھ جواہر و ہاتھی کے نامزد ہوا۔ اسی طرح شاہزادہ محمد معظم کو دو لاکھ روپیہ عطا ہوا اور شاہزادہ محمد اکبر کے لئے جو اندنوں دکن میں موجود تھا ایک لاکھ روپے جدا کئے گئے ✤

نواب قدسیہ پرہیز بانو بیگم

یہ جمیلہ اور عفت پناہ خاتون شاہجہاں کی اکبر اولاد اور اورنگ زیب عالمگیر کی

بلے مات بہن ہے جو قندھاری محل کے بطن سے پیدا ہوئی۔ قندھاری محل مرزا حسین
صفوی کی عزیز دختر تھی جو حسین و خوبصورت ہونے کے علاوہ نہ صرف معمولی تعلیم یافتہ بلکہ
اچھی خاصی متوسط درجہ کی عالمہ اور ماہر فن تھی تمام علوم و فنون میں تھوڑی دستگاہ
رکھتی اور امور انتظامی سے بخوبی واقف تھی یہ غالباً شاہجہاں کی پہلی ملکہ ہے جس نے شاہی
حرم سرا میں قدم رکھتے ہی محلات کی کیفیت کا یا پلٹ دی اپنی تعلیمی برکتیں نہایت شائستگی
اور تہذیب کے ساتھ عام طور پر پھیلا دیں اور شاہی حرم سرا کے گوشہ میں تعلیم و تعلم
کا چرچا شروع ہو گیا۔ پرہیز بانو بیگم اگرچہ دنیائے نسواں میں اپنی ماں کی طرح علامۂ
وقت نہ تھی لیکن تاہم علم کی دلچسپی سے خالی بھی نہ تھی۔ اسمیں ذرا شک نہیں ہے کہ اسکی
امیرانہ زندگی اور شاہانہ معاشرت نے اور سب سے بڑھکر بیگمات حرم سرائے شاہی کے
لاڈ اور انتہا سے زیادہ ناز برداری نے اُسے علوم مروجہ کی صعب اور دشوار گزار گھاٹیوں
کے طے کرنے میں قندھاری محل سے بہت پیچھے رکھا۔ مگر پھر بھی جو کچھ اسنے اس کشمکش
میں حاصل کیا اور جتنا بھی سرمایۂ علم جمع کر لیا وہ اسکی فطری لیاقت کا نمونہ اور نہ صرف
لیاقت کا نمونہ بلکہ ایک طرح کا معجزہ تھا۔ تفسیر و قرآن کے غامض و دقیق مطالب بیان
کرنے اور ان استنباط مسائل کرنے میں عاجز نہ تھی فقیہہ مضامین ایسی دلیری اور جرأت
سے بیان کرتی تھی کہ مستعد طالب علم بھی اُس طرح بیان کرنے کی قدرت نہ رکھتا تھا۔
اس زمانہ میں اگرچہ فلسفہ اور ریاضی کا بہت زور شور تھا مگر اس نازک دماغ شہزادی نے
ان کی طرف بالکل توجہ نہیں کی۔ کیونکہ وہ اپنے عزیز اور بیش قیمت وقت کو ان جیسے
بے سود اور غیر ضروری علوم میں مصروف کرنا بہت ہی ناپسند رکھتی تھی۔

شاہجہان بادشاہ نہ صرف اس وجہ سے کہ پرہیز بانو بیگم اُسکی تمام اولاد سے عمر میں بڑی
تھی اسکی بیحد عزت و توقیر کرتا تھا۔ بلکہ در اصل اُسکے تورع و اتقا اسکی علمی قابلیت۔ اُس کی
بیحد مغزی و دور اندیشی اسکے خانگی انتظامی امور اسکی حوصلہ مندی۔ اور عالی دماغی کی

وجہ سے تمام اولاد سے زیادہ چاہتا تھا اور بات بات میں اسکی دلجوئی اور شگفتہ دلی مدنظر رکھتا تھا۔ شاہجہاں کے انتقال کے بعد اسکا وارث تخت وتاج اورنگ زیب عالمگیر اپنے تمام بہن بھائیوں میں پرہیز بانو بیگم ہی کو ہمیشہ واجب التعظیم سمجھتا رہا۔ اور انتہا سے زیادہ اسکی تسلی و دلجوئی میں مصروف رہا جنگی و ملکی معاملات کے علاوہ کوئی خانگی قضیہ ایسا نہ ہوتا تھا جو پرہیز بانو بیگم کے بغیر مشورہ فیصلہ پا جاتا ہو بلکہ جس قدر تصفیہ طلب اور قابل شوری امور ہوتے تھے عالمگیر خود اپنی بے مات بہن کے پاس جا کر اپنی اور اسکی رائے کے اتفاق سے اُن کو طے کرتا اور جب کبھی دونوں کی رایوں میں اختلاف ہوتا تو عالمگیر اپنی رائے پر بہن کی رائے کو ترجیح دیتا۔ علاوہ ازیں کوئی شاہانہ جشن کوئی خوشی کی تقریب ایسی نہ ہوتی جسمیں عالمگیر اپنی فیاضانہ داد و دہش کے وقت اولاد کے ساتھ بہن کو شریک نہ کرتا ہو بلکہ اسکی مزید دلدہی اور رضا جوئی کے لئے انعام و اکرام کی فہرست میں اسکا نام سب سے اول لکھتا۔

چنانچہ ۱۲ھ جلوسی عالمگیری کے ایک اُس جشن خاص سے اس بات کا پورا پتہ چلتا ہے جس میں عالمگیر نے اس امر کا کامل ثبوت دیا کہ وہ اپنی علاتی بہن نواب پرہیز بانو بیگم کو اپنی تمام اولاد پر ترجیح دیتا اور اسکی وقعت و توقیر کا انتہا سے زیادہ لحاظ رکھتا ہے۔ ۱۰۸۰ھ ہجری کی دسویں ذیحجہ کو جب عالمگیر عید الضحےٰ کی نماز اور قربانی سے فارغ ہوا تو قلعہ معلےٰ دہلی میں دربار عام کیا۔ اراکین دولت اور ہواخواہان سلطنت معمولی طور پر عید کی مبارکی دینے اور نذرانے گزراننے کے لئے شاہی دربار میں حاضر ہوئے بادشاہ نے سب کے نذرانے قبول فرمائے اور امراء دولت میں سے ہر ایک شخص کو اسکی قدر و مرتبہ کے مطابق انعام واکرام عطا کئے جب درباریوں کا سلسلہ ختم ہو گیا تو محلسرا کے شہزادوں اور بیگمات کا نمبر آیا۔ عالمگیر نے نواب قدسیہ پرہیز بانو بیگم کی حد سے زیادہ تعظیم کی اور نہایت مہربانی سے اپنے دائیں پہلو میں جگہ دیکر مزاج پرسی کے بعد پانچہزار اشرفیاں

عنایت فرمائیں پر ہیز بانو بیگم نے یہ رقم کثیر بڑی خوشدلی اور شکر گزاری کیساتھ قبول کی اور رخصت ہوتے وقت تمام اشرفیاں اپنے عزیز اور قدر شناس بھائی پر سے نچھاور کر کے فقراء کو تقسیم کر دیں +

اس تمثیلی واقعہ سے پرہیز بانو بیگم کی حوصلہ مندی اور دریا دلی ایک وسیع اور بڑے پیمانہ پر ثابت ہوتی ہے۔ اسکی فیاضی اور سخاوت کی یہ ایک جزئی مثال ہے۔ مستحقوں اور حاجتمندوں کو ہزاروں درہم و دینار عطا کر دینا دریا دل پرہیز بانو بیگم کا ایک معمولی کام تھا۔ اور اہل حاجت کی گودیاں زر و نقد سے لبریز کر دینا اس کے نزدیک کوئی بات نہ تھی یہی وجہ ہے کہ ہندی مورخوں نے اسکی اصلی و عملی کارناموں پہ ریویو کرتے ہوئے سخاوت و دریا دلی کا ذکر بڑے فخر اور جوش کے ساتھ کیا ہے۔

ثریا بانو بیگم

یہ جمیل خاتون شہاب الدین محمد شاہجہاں بادشاہ کی عزیزہ دختر ہے جو بطن عزیز النساء بیگم عرف اکبرآبادی بیگم کے بطن سے پیدا ہوئی۔ یہ لڑکی شروع ہی سے اس بلاکی طباع اور ذہین تھی کہ لوگ اسکی ذہانت اور طباعی کو دیکھکر حیران ہوتے تھے۔ ابتدا میں محل شاہی کی رسم کے مطابق اسے قرآن مجید پڑھایا گیا اور جب وہ اس سے فارغ ہوئی تو دینی مسائل کی چھوٹی چھوٹی کتابیں جو خاصکر لڑکیوں کے سلسلۂ تعلیم میں داخل تھیں سبقاً سبقاً یاد کرائی گئیں۔ ثریا بانو بیگم کی تاریخ زندگی میں یہ ایک عجیب بات پائی جاتی ہے کہ وہ جوں جوں عمر کے میدان ترقی میں قدم رکھتی گئی دیندارانہ خیالات اسپر ہجوم کرتے گئے۔ اور جب اسنے ابتدائی عمر کے مرحلے طے کر کے سن رشد میں قدم رکھا تو اچھی خاصی ناہد ہو گئی۔ شاہجہاں بادشاہ جو قدرتاً عبادت آلہی سے عشق رکھتا تھا اپنی اس لڑکی کی دیندارانہ زندگی دیکھکر بہت ہی خوش ہوتا تھا اور اس وجہ سے ثریا بانو بیگم اپنے تمام بھائی بہنوں

میں بادشاہ کو حد سے زیادہ عزیز تھی۔

شاہجہاں کی تین لڑکیاں اور بھی تھیں۔ جہاں آرا بیگم۔ گیتی آرا بیگم۔ انجمن آرا بیگم۔
اور یہ تینوں حقیقی بہنیں تھیں جو شاہجہاں کی دوسری بیگم ارجمند بانو عرف ممتاز محل کے بطن
سے پیدا ہوئی تھیں۔ بادشاہ بتقاضائے محبت پدری اگرچہ انہیں بھی بہت دوست رکھتا
تھا لیکن جو محبت و الفت اُسے ثریا بانو بیگم سے تھی اسکی عشر عشیر بھی دوسری شہزادیوں سے
نہ تھی یہی وجہ تھی کہ وہ اپنی عام داد و دہش کے وقت ثریا بانو بیگم کی [illegible] ملحوظی اور رضامندی
کے لئے انعام کی فہرست میں اس کا نمبر سب سے اول رکھتا تھا اور اگرچہ بادشاہ کی یہ بات
اکثر اوقات ارجمند بانو بیگم کو ناگوار گزرتی تھی مگر وہ اُسکی بالکل پروا نہ کرتا تھا چنانچہ جب
ساتویں جمادی الاخر ۱۰۳۷ھ ہجری کو شہاب الدین محمد شاہجہاں بادشاہ سلطنت ہند کے
تخت پر جلوہ آرا ہوا تو اُسنے تخت نشینی کی خوشی میں ایک عظیم الشان جشن کے مرتب ہونیکا
حکم دیا ارکین دولت نے نہایت ترتیب و آراستگی کے ساتھ جشن کی تیاریاں شروع کر دیا
اور دربار کے رونق دینے میں کوشش کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا۔ مجلس مرتب ہو چکی تو جہاں
پناہ رونق افروز محفل ہوئے اور دربار کا مکان اہل مجلس کی اس دلکش اور خوش آیندہ ترنم
کی پیاری صداؤں سے گونج اُٹھا۔ ع شہ گیتی ستاں جمشید ثانی + سرافرازی و تاج کیانی
خداخوانده ازاں شاہ جہانش + مسخر شد زمین و آسانش + تقدیم مراسم آداب و تسلیم
اور امرار دولت کے نثار و نچھاور سے فراغت پانے کے بعد جہاں پناہ شبستان محل
میں تشریف فرما ہوئے۔ سب سے پہلے نواب ارجمند بانو بیگم المخاطب بہ ممتاز محل نے
سیم و زر کے لبریز خوان اور لعل و گوہر سے بھرے بھرے طباق مبارکبادی کی رسم میں جہاں
پناہ کے سر پر سے نچھاور کئے۔ اور شہر کے فقرار و مساکین کی گودیاں زر و نقد سے پُر کر دیں
بعدہٗ جہاں آرا بیگم اور دیگر خواتین حرم سرا نے نثار و تہنیت کی شرطیں ادا کیں۔ اور
فلک وسعت ایوان کو زر و گوہر کی کان بنا دیا۔ جہاں پناہ نے اپنی تمام اولاد اور دونوں

بیگموں کو ایک بڑے کمرے میں جمع کیا۔ اور ہر ایک کی دلجوئی و تسلی کے بعد دو لاکھ اشرفیاں ممتاز محل کو اور پچاس ہزار روپیہ ثریا بانو بیگم کو اور پچاس ہزار جہاں آرا بیگم اور روشن آرا بیگم کو مرحمت فرمایا اسیطرح شہزادہ دارا شکوہ اور شاہ شجاع اور اورنگ زیب کو علی حسب مراتب کثیر رقمیں عنایت کیں ازاں بعد جہاں پناہ نے ثریا بانو بیگم کی طرف متوجہ ہو کر نہایت جوش محبت کے ساتھ فرمایا کہ بٹیا! میں جانتا ہوں کہ تمہارا ہاتھ بہت فراخ ہے اور سخاوت نے تمہارے دونوں ہاتھ کھول دیئے ہیں۔ میں نے تمہاری تنخواہ میں جو کچھ اضافہ کیا ہے اگر تمہاری اصلی ضرورتوں کے لئے یہ تعداد پوری نہ اترے تو مجھے اطلاع دو تاکہ اسکا دیا انتظام کروں۔ اور اگر کافی ہو جائے تو آیندہ بھی تم جس قدر چاہو فراخ دستی سے صرف کرو خدا کے خزانے میں کچھ کمی نہیں ہے۔ میں نے ایک معتبر کتاب میں یہ حدیث لکھی ہوئی دیکھی ہے کہ جناب نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے زبیرؓ سے فرمایا تھا کہ رزق کی کنجیاں عرش پر ہیں خدا بندوں کے لئے اُن کے خرچ کے مطابق رزق دیتا ہے زیادہ ہو تو زیادہ دیتا ہے اور کم ہو تو کم" یہ کہکر جہاں پناہ نے دو لاکھ روپے کا مختلف جواہرات ثریا بانو بیگم کو اور عنایت فرمایا۔ اور نہایت خندہ پیشانی اور فرط محبت کے ساتھ اسکی پیشانی کو بوسہ دیکر رخصت کیا۔ بادشاہ کی یہ غیر معمولی شفقت و عنایت جو ثریا بانو بیگم کے ساتھ اس وقت ظہور میں آئی۔ ارجمند بانو بیگم کو بہت شاق گذری اور اُسنے کسی قدر بگڑ کر عرض کیا کہ جہاں پناہ! حضور کو تمام اولاد میں انصاف کرنا اور سب کو ایک آنکھ سے دیکھنا چاہیئے۔ اسمیں ذرا شک نہیں کہ آدمی اپنے دلی تعلق۔ اور اصلی محبت کو کئی شخصوں پر برابر تقسیم نہیں کر سکتا۔ اور گو وہ اپنی طرف سے بہتیرا چاہے لیکن یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ کئی کئی بیٹیوں اور بیٹوں میں برابری کر سکے لیکن تاہم وہ خدا کی طرف سے اس امر کا ضرور مکلف ہے کہ اظہار محبت اور تربیت و پرورش میں سب کو یکساں اور برابر سمجھے اور جب عام لوگ اس قانون کی پابندی میں جکڑے ہوئے ہیں تو بادشاہوں کو اس قاعدہ کی پابندی بہت زیادہ ضرور ہے کیونکہ بادشاہ

فرق مراتب سے قطع نظر کر کے عام طور پر اپنی تمام اولاد کو یکساں اور برابر نہ سمجھے گا تو یہی ایک خفیف سی بات آخر کار اُن کے باہمی محاسدات اور عداوت و کینہ کا باعث ہو جائے گی"۔
ارجمند بانو بیگم جب اپنی تقریر کا سلسلہ ختم کر چکی تو شاہجہاں صرف اتنا کہکر خاموش ہو گیا کہ بیگم اس بات کو تم مجھ سے زیادہ نہیں سمجھ سکتیں۔ اور میں انتہا سے زیادہ ممنوں ہونگا اگر تم آئندہ ثریا بانو بیگم کے بارہ میں اس قسم کی گفتگو کر کے مجھے رنج نہ پہنچاؤ گی۔

جہاں آرا بیگم

یہ جمیلہ بیگم بھی شاہجہاں بادشاہ کی اہینی دختر ہے جو ارجمند بانو بیگم عرف ممتاز محل کے بطن سے سنہ ۱۰۲۳ ہجری میں پیدا ہوئی اس وقت سلطنت تیموریہ کا نواں تاجدار نورالدین محمد جہانگیر بادشاہ تخت ہندوستان پر جلوہ فرما تھا اور شہزادہ خرم جو بعد کو شاہجہاں کے لقب سے مشہور ہوا مہم چتور میں مصروف تھا جہاں آرا بیگم کے پیدا ہونیکے پر جہانگیر نے معمول سے زیادہ خوشی منائی اور کئی روز تک دفاتر سرکاری اور عدالتوں میں تعطیل رہی بڑی دھوم دھام سے جشن ہوئے اور خاص شہر اکبر آباد میں جو اندنوں سلطنت مغلیہ کا مستقر الخلافہ تھا عام طور پر تین روز تک بادشاہ کی طرف سے دعوتیں دی گئیں۔ شہزادہ خرم مہم چتور سے واپس آیا تو اپنی حسین و خوبصورت لخت جگر کو دیکھکر جوش مسرت سے پھولا نہ سمایا اور عقیقہ کی رسم میں شاہانہ جشن کیا۔
جہاں آرا بیگم جب حد طفولیت سے متجاوز ہو کر سن شعور کو پہنچی تو اسکی تعلیم و تربیت کے لئے چند بوڑھی اور تجربہ کار معلمہ منتخب کی گئیں جنہوں نے نہایت مستعدی اور دیانت داری سے اپنا فرض منصبی ادا کیا۔ اور جہاں آرا بیگم تھوڑے ہی عرصہ میں پڑھ نکلی۔ قرآن مجید اور فقہ کی چھوٹی چھوٹی کتابوں کے مسائل یاد کر لینے کے بعد اسنے عربی پڑھنی شروع کی اور چند سال کے بعد اسمیں اچھی خاصی دستگاہ حاصل کر لی۔

یہ پرمغز اور ہوشیار بیگم اکثر اوقات قرآن و حدیث کی تلاوت میں مصروف رہتی تھی اور نہ صرف ان علوم کی عالم تھی بلکہ عامل اور سخت پابند بھی تھی قرآن و حدیث کا مطالعہ اسکا روزانہ معمولی کام تھا اور عبادت و زہد میں مصروف رہنا عام شیوہ تھا۔ شاہجہاں جو بذہبًا اسلام کا فدائی اور قوانین آسمانی کا سخت پابند تھا جہاں آرا کے زہد واتقا اور عبادت و ریاضت پر شیفتہ تھا اور جب کبھی اسکی عالمانہ تقریر کو سُن پاتا تو بیحد خوش ہوتا تھا۔ جہاں آرا کی فارسی و عربی انشاپردازی بڑی نور کی تھی اور اس کے کلام کی شیرینی عبارت کی چستی۔ مطالب کی طرز بیانی الفاظ کی بندش اس بلاکی ہوتی تھی کہ دیکھنے والے عش عش کرجاتے تھے وہ عربی اور فارسی زبان کے علاوہ کچھ کچھ ترکی بھی جانتی تھی اور چونکہ طبیعت نہایت موزوں اور باسلیقہ رکھتی تھی اس لئے فن شاعری سے جو ادبی علوم کا بڑا جوہر ہے بہت کچھ دلچسپی رکھتی تھی اور یہ کہنا مبالغہ نہ سمجھنا چاہیے کہ اسکی فطرت میں فن شاعری کا مادہ قدرتًا رکھا گیا تھا وہ اکثر اوقات فارسی زبان میں اشعار موزوں کیا کرتی تھی اور کبھی عربی مضامین بھی طبع آزمائی کرتی تھی بیساختگی اور برجستگی اور الفاظ کی عجیب و غریب بندش گویا اس کا حصہ تھا وہ اگرچہ اپنے وقت کا اکثر حصہ طبع آزمائی اور انشاپردازی میں صرف کیا کرتی تھی مگر اس کے عمومًا جس قدر اشعار ہوا کرتے تھے سب بیہودہ مبالغہ اور جھوٹ کی آمیزش سے پاک صاف ہوتے تھے بلکہ اسکے تمام اشعار یا اخلاقی مضامین کے رنگ میں ڈوبے ہوئے ہوتے تھے۔ یا حمد و نعت کی ایک خاص ادا لئے ہوئے ہوتے تھے۔

جہاں آرا بیگم نے باوجودیکہ شاہی محلات میں بڑے ناز ولاڈ سے پرورش پائی تھی اور اسپر جس قدر وہ ہٹیلی اور ضدی اور مغرور اور نخوت پسند ہوتی بیجا نہ تھا لیکن قدرت کے نازک ہاتھوں نے اسکی سرشت میں وہ سلامت روی اور منکسر المزاجی اور تواضع و ملنساری رکھی تھی کہ بیان سے باہر ہے وہ حوصلہ مندی بلند نظری عالی دماغی جوش ہمت غرضکہ

تمام شریفانہ اوضاع اور مہذبانہ اطوار میں اپنا جواب نہ رکھتی تھی۔ اسکی طرز معاشرت اور تمدنی حالت اور خانہ داری کی انتظامی کیفیت اعلٰے درجہ کی تھی اور اسکی متواضعانہ اخلاق اور مہان پرستی اور سخاوت و دریا دلی کی نظیر ایشیائی بیگمات کے طبقوں میں کہیں پائی نہیں جاتی تھی۔ ہندی مورخوں کا بیان ہے کہ جہاں آرا بیگم کے اخلاق نہایت وسیع اور فیاضانہ تھے غرور۔ نخوت۔ کم ہمتی تر شرو۔ اسمیں نام تک کو نہ تھی اسکی مہمان نوازی اور فیاضی کی دھوم ایک عالم میں مچگئی تھی اور عالی دماغی بلند حوصلگی کی شہرت اس طرف سے اُس طرف تک پھیل گئی تھی۔

اس بیگم کی تاریخ زندگی میں جو بات سب سے زیادہ پسند اور قابل تعریف ہے وہ یہ ہے کہ باوجود نفاست پسندی اور عالی دماغی اور ہر طرح کے ساز و سامان ہونے کے ہمیشہ فضول شان و شوکت اور بے نتیجہ تزک و احتشام سے بالطبع متنفر تھی اور نخوت و بد دماغی کا نام تک نہ تھا جب کبھی بھوپیاں یا بہنوئی سے ملنے جاتی تو نہایت سادہ اور معمولی لباس سے آراستہ ہو کر جاتی پھر یہ سادگی نہ صرف لباس میں منحصر تھی بلکہ خاص اسکے محل اور معاشرت کی تمام چیزوں میں پائی جاتی تھی۔ گویا اسکی سرشت اُسکی بناوٹ اسکی فطرت بالکل سادہ طور پر واقع ہوئی تھی۔ اور وہ ہمیشہ سادگی کو پسند بھی کرتی تھی۔ لیکن باایں ہمہ اسکے چہرہ سے جس جرات و شان کا اظہار ہوتا تھا بیان میں نہیں آسکتا۔ مگر اسکی تواضع اور منکسر المزاجی اس قدر غالب تھی کہ ادنے آدمی چاہے وہ کسی رتبہ کا ہوتا اُس سے دلیرانہ بات کر سکتا تھا۔

ارجمند بانو بیگم کے بطن سے گو تین لڑکیاں اور چار لڑکے پیدا ہوئے جو حسن و خوبی اور عقل و دانشمندی میں بڑی پایگاہ رکھتے تھے۔ مگر جو بات جہاں آرا بیگم میں پائی جاتی تھی اُسکی نظیر دوسرے میں بمشکل دیکھی جاتی تھی اس وجہ سے جہاں آرا بیگم ماں باپ دونوں کو اسنکے زیادہ عزیز تھی۔ اور شاہجہاں جیسا مدبر اور با جلال بادشاہ ہمیشہ اُسکی

دلدہی اور تسلی میں مصروف رہتا تھا سالانہ جشنوں کی تقریب میں لکھوکہا روپیہ اور بیش قیمت جواہرات عطا فرما کر اسے خوشدل رکھتا تھا چنانچہ تخت نشینی کے دوسرے سال ہیں جب معمولی سالانہ جشن مرتب ہوا تو شاہجہاں نے نہایت فراخ دستی اور عالی حوصلگی سے امرائے دولت اور افسران فوج کو ان کے کارنمایاں کے صلوں میں بے انتہا روپیہ عنایت کیا۔ اور جب خاندان شاہی کی فہرست مرتب ہو کر پیش ہوئی تو پچاس لاکھ روپیہ ارجمند بانو بیگم کو اور بیس لاکھ روپیہ نقد اور گرانبہا جواہر اور بہت سا جڑاؤ زیور جہاں آرا بیگم کو عنایت ہوا۔ پانچ لاکھ روپیہ تمام شہزادوں کو اور دو لاکھ دیگر خواتین حرم سرا کے نامزد کیا گیا غرضکہ اس جشن عالم افروز میں شاہجہاں نے اپنی دریا دلی سے ایک کروڑ ساٹھ لاکھ روپیہ انعام واکرام میں تقسیم کیا۔ تیس لاکھ روپیہ امراء کو اور باقی خدمۂ محل اور شاہی خاندان کے لوگوں کو۔

ارجمند بانو بیگم کو جو جہاں آرا بیگم سے محبت اور دلی تعلق تھا اس کے ثبوت میں وہ واقعہ قابل نوٹ ہے جو ارجمند بانو بیگم کے انتقال کے وقت ظہور میں آیا جسے ممتاز محل کے بیان میں قدرے تفصیل کے ساتھ لکھ آیا ہوں۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب ارجمند بانو بیگم کی زندگی کا پیمانہ لبریز ہو کر چھلکنے کو ہوا تو اُس نے شاہجہاں کو تاکیدی وصیت کی کہ میرے تمام خانگی سامان اور زر ونقد کے برابر کے دو حصے کئے جائیں ایک حصہ تو صرف جہاں آرا بیگم کو دیا جائے کیونکہ دنیا میں مجھے اُس سے زیادہ کوئی چیز عزیز نہ تھی اور اگر میری اس محبت کا پورا اندازہ کیا جائے جو مجھے اپنی تمام اولاد سے ہے تو میں یقیناً کہہ سکتی ہوں کہ اگر چاروں شہزادوں کی محبت ایک پلہ میں اور جہاں آرا بیگم کی محبت دوسرے پلہ میں رکھی جائے تو دونوں پلے برابر اُبھرینگے۔ اس لئے دوسرا حصہ چاروں شہزادوں پر مساویانہ تقسیم کیا جائے۔ چنانچہ جب ممتاز محل کا انتقال ہوا تو لوگوں کو خیال تھا کہ اسکے خزانے سے بیشمار زر وجواہر اور کثیر التعداد روپیہ برآمد ہوگا۔ اور یہ خیال اُنکا بھی

صحیح کیونکہ علاوہ ماہانہ تنخواہ کے جو ایک معتدبہ رقم ہوتی تھی اُسے مختلف اوقات میں لاکھوں کا
روپیہ انعام واکرام میں سلطنت کی طرف سے مرحمت ہوا تھا لیکن جب اس مرحومہ کے
خزانہ اور توشک خانہ کو دیکھا گیا تو بجز ایک کرور روپیہ نقد کے اور کچھ نہ نکلا دریافت
کرنے سے معلوم ہوا کہ اس حوصلہ مند اور فیاض خاتون نے تمام زر وجواہر محتاجوں
اور مسافروں کی مہمان نوازی اور مفلسوں تنگدستوں کی حاجت برآری میں صرف
کردیا۔ اور جس قدر تنخواہ سلطنت سے ملتی تھی وہ سب خیراتی کاموں میں صرف ہوتی تھی۔

ممتاز محل کی دو لڑکیاں یعنی گیتی آرا بیگم اور انجمن آرا بیگم اسکے انتقال سے پیشتر ہی
وفات پاچکی تھیں اب صرف چار شہزادے دارا شکوہ شاہ شجاع مرزا مراد (چھٹے جو تھے
شاہزادے کا نام معلوم نہیں ہوا) اور جہاں آرا بیگم زندہ تھی۔ شاہجہاں نے ارجمند بانو
بیگم کی وصیت کے مطابق اس کے تمام خانگی سامان اور ایک کرور روپے کے دو حصے کئے
ایک حصہ تو جہاں آرا بیگم کے حوالہ کیا گیا اور دوسرا حصہ چاروں شہزادوں پر مساویانہ
تقسیم ہوا +

مگر افسوس ہے کہ عالمگیر نے شاہجہاں کے انتقال کے بعد اس تقسیم کو قانون شرع
خلاف بتا کر وصیت کو توڑ دیا۔ اور اپنے حصہ کا مطالبہ جہاں آرا سے کیا۔ لیکن پھر بھی عالمگیر
نے اسکی زندگی میں محض اسکی دلشکنی کی وجہ سے اپنے مطالبہ کا استیفا نہیں کیا اور جب اسکا
انتقال ہوگیا تو موجودہ مال میں سے بہت سا روپیہ الگ کرکے بیت المال میں جمع کرلیا۔
جو عمدہ اور نیک مصارف میں خرچ ہوا۔

اس امر کے ثبوت میں کہ نواب جہاں آرا بیگم نے اپنی فطری خوش خلقی اپنی ذاتی نیکدلی
اپنی جبلی تواضع اور منکسر المزاجی اپنی عام فیاضی و سخاوت اپنی کریم النفسی کی وجہ سے تمام شاہی
محلسرا کی بیگمات اور امراء دولت میں عموماً ہر دلعزیزی اور نیکنامی پیدا کرلی تھی اور وہ تمام
شاہی خاندان میں ماں باپ کی سب سے زیادہ لاڈلی اور چہیتی تھی صرف اسی قدر بس کرتا ہے

اس کے حالات زندگی کا ایک خاص واقعہ جو اسکی تاریخ زندگی میں بڑی نمود کا واقعہ ہے
بند کروں یہ واقعہ منتخب اللباب مصنفہ خافی خاں میں بڑے بسط کے ساتھ لکھا ہے
ے میں نہایت اختصار کے ساتھ بہ تبدیل الفاظ ہدیہ ناظرین کرتا ہوں مجھے امید ہے
معزز ناظرین اس واقعہ کو شوق سے پڑھیں گے۔ اور نواب جہاں آرا بیگم کے اُن عام
ر انتہا سے زیادہ نیک مزاجی کا پورے طور پر اندازہ کرلیں گے جسکی وجہ سے اُسنے
صرف شاہی حرم سرا کی بیگمات اور ارکین سلطنت کو بلکہ خود شہنشاہ وارث تخت و تا
ور یہ کو اپنا گرویدہ بنالیا تھا۔

۱۰۵۳ھ ہجری جلوس شاہجہانی کے سترہویں سال میں جب جہاں پناہ خدیو دو
و گڈھ کا دورہ طے کر کے دارالخلافہ ہندوستان آگرہ میں تشریف فرما ہوئے تو محرم
ندائی تاریخوں کے منقضی ہونے کے بعد نواب جہاں آرا بیگم کے جشن سالگرہ کے م
رنیکا حکم دیا۔ یہ ایک نہایت عظیم الشان اور با حشمت و شوکت جشن ہوتا تھا جسمیں تمام ارا
یار اور امرار سلطنت شریک ہوکر جہاں پناہ کے ساتھ خوشیاں مناتے اور اظہار مسر
کے صلہ میں بیش قرار داد وظیفے اور معزز و ممتاز مناصب سے سرافراز ہوتے تھے
یش و عشرت کے ساز و سامان مہیا تھے۔ مبارکبادیوں کی بلند صداؤں سے سارا شہ
اگونج رہا تھا اور ہر شخص جوش مسرت سے پھولا نہ سماتا تھا۔ بالخصوص قلعہ معلےٰ میں عجیب
ریب سامان تھا۔ ارجمند بانو بیگم (جہاں آرا بیگم کی حقیقی ماں) کی ایجاد پسند طبیعت
یب و زینت کے متن پر بہت سے حاشیئے چڑھائے جو نہایت ذوق اور مسرت سے
پکھے گئے۔ اور بعد کو تمام امرا و عمائدین رواج پا گئے عنبر کی شمعیں شبستان عیش میر
لائی گئیں۔ اور جواہر کی مرصع کرسیاں جا بجا لگائی گئیں۔ چاندی۔ آبنوس صندل
ا چوکیاں نہایت ترتیب اور خوشنمائی کے ساتھ آراستہ کیگئیں اور اُن کو دیبا ا
ریر اور مختلف رنگ کے سموروں سے چھپایا گیا۔ نواب جہاں آرا بیگم کی یہ سالگرہ کی تقریب جشن شا

شوکت سے ادا ہونے والی تھی وہ اُس عہد کی مسرفانہ فیاضی اور حشمت و دولت کا سب سے بڑھا ہوا نمونہ تھا شاہجہاں مع خاندان شاہی اور ارکان دولت اور افسران ملکی قلعہ میں جلوہ فرما ہوا اور لوگوں کی ایسی فیاضانہ حوصلے سے مہانداری کی گئی کہ ادنے سے ادنے آدمی نے بھی چند دنوں کے لئے امیرانہ زندگی بسر کرنے کے سامان فراہم کر لئے اور عام آدمیوں پر درہم و دینار بچھاور کئے گئے۔ جہاں آرا بیگم کے لئے ایک نہایت مکلف فرش بچھایا گیا جو سونے کے تاروں سے بنایا گیا تھا۔ اور جواہرات سے مرصع تھا۔ بیگم جب اس پر جلوہ فرما ہوئی تو بیش قیمت موتی اس کے قدموں پر نثار کئے گئے۔ جو زریں فرش پر بکھر کر نہایت دلاویز سماں دکھاتے تھے۔

اتنے میں جہاں پناہ کی آمد آمد کی دھوم نے سب کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ اور محل کی بیگمات عنبری شمعیں لے لیکر بادشاہ کے استقبال میں دوڑیں۔ نواب جہاں آرا بیگم بھی اپنے واجب التعظیم باپ کا خیر مقدم کرنے کو آگے بڑھی اور عورتوں کے ہجوم میں اسکے کرتے کا دامن شمع کی لو سے چھو گیا۔ کرتے کے دامن کا شمع سے چھو جانا تھا کہ بیگم کے تمام کپڑوں میں آگ بھڑک اٹھی اور اس تیزی سے بھڑکی کہ جہاں آرا بیگم کے دونوں ہاتھوں اور پیٹ اور سینے میں کئی جگہ نہایت گہرے اور خطرناک چرکے بیٹھ گئے لونڈیاں جو آگ بجھانے کی غرض سے پروانوں کی طرح چاروں طرف سے اُمنڈ آئی تھیں اور بیگم کے ارد گرد اور دست و چپ و راست ہجوم کئے ہوئے تھیں اُن میں سے چار خواصیں بالکل جل گئیں۔ بارے خدا خدا کر کے بڑی مشکل سے آگ بجھی اور نواب جہاں آرا بیگم کو ہاتھوں ہاتھ محل خاص میں پہنچایا گیا۔ جہاں پناہ کو اس واقعہ جانکاہ کی اطلاع ہوئی تو سخت متاثر ہوئے اور ایسا سخت اور جانگزا صدمہ ہوا جسے وہ باوجود کمال حزم و احتیاط اور استقلال اور ثبات کے ضبط نہ کر سکے فوراً بیگم کے کمرہ میں تشریف فرما ہوئے۔ اور اسکا سر زانو پر رکھکر آنکھوں میں آنسو بھر لائے۔ قلعہ معلٰے کی ساری چہل پہل۔ اور جوش و

خروش کا خاتمہ ہو گیا۔ اور ہر طرف گویا خاموشی اور سکوت کا ہیبت ناک سناٹا چھا گیا۔ رقص و سرود کی محفلیں کدورت و رنج کی مجلسوں سے بدل گئیں۔ اور فرح و سرور کی جگہ رنج و غم کی حکومت پھیل گئی۔ حکیم مومنا اور دیگر اطبائے حاذق بالخصوص حکیم داؤد جو اسی زمانہ میں شاہ عباس والی ایران سے رنجیدہ و ناخوش ہو کر جہاں پناہ کے حضور میں پہنچا تھا۔ اور حذاقت اور تجربہ میں بڑا نامور اور مشہور طبیب تھا بیگم کے معالجہ کیلئے منتخب کے گئے۔ جنہوں نے بڑے سچائی اور دیانتداری کے ساتھ اپنے فرائض منصبی ادا کئے اور بڑی مستعدی اور سرگرمی کے ساتھ مصروفِ معالجہ ہوئے۔ دریا دل اور نیک نہاد بادشاہ نے فوراً ساٹھ ہزار روپوں کی تھیلیاں مساکین و محتاجین پر خیرات کیں۔ اور سب سے حصول شفا کی دعا کی خواستگاری کی۔ علاوہ ازیں جب تک بیگم بیمار رہی ہر شب کو ہزار روپے کی تھیلی سرہانے رکھی جاتی اور علے الصباح فقرا اور مستحقوں کو تقسیم کیجاتی تھی۔

چار کنیزیں جو بیگم کے ساتھ آتشزدگی میں زخمی ہوئی تھیں اُن میں سے دو تین خواصیں چار روز کے بعد زخموں کی تکلیف اور سوزش و حرقت کی تاب نہ لاکر سفر آخرت کر گئیں اور دو خواصیں علاج پذیر ہوئیں مگر نازک طبع جہاں آرا علاوہ جراحت کے سخت تپ اور دیگر امراض میں بہت روز تک مبتلا رہی اور اسکی علالت نے یہاں تک طول پکڑا کہ کامل پانچ مہینے تک بستر علالت سے اُٹھ نہ سکی۔ بادشاہ اپنی چہیتی اور عزیز دختر کے غم میں اس قدر افسردہ اور رنجیدہ رہتے تھے کہ ان ایام میں قلعہ سے باہر نہیں نکلے اور صرف دو ایک دفعہ وہ بھی سخت ضرورت کے وقت دربار میں رونق افروز ہونے کی نوبت نہ آئی۔ اکثر اوقات بیگم کے سرہانے جھکر تیمارداری میں مصروف رہتے۔ اور باقی وقتوں میں جناب الہٰی کے حضور میں بیگم کی صحت و عافیت کی دعا مانگنے میں مشغول رہتے۔ مورخوں کا بیان ہے کہ شہنشاہ شہاب الدین محمد شاہجہاں کو جس قدر شہزادہ

دارا شکوہ اور اسکی بہن جہاں آرا بیگم سے محبت تھی اُس قدر کسی اولاد سے نہ تھی یہی
وجہ تھی کہ جب تک جہاں آرا بیگم علیل رہی بادشاہ نے کبھی سیر ہو کر کھانا نہیں کھایا خوشی
کے ساتھ دربار نہیں کیا۔ تفریح طبع کے لئے سوار نہیں ہوا۔ بلکہ پانچ چھ مہینے تک
ہمیشہ راتوں کو با دل سوزاں اور چشم گریاں مصلے پر بیٹھکر شافی برحق کی حضور میں
زار نالی کرتا رہا اور بیگم کی حصول صحت کے لئے جناب خداوندی میں گڑ گڑا گڑ گڑا کر
دعائیں مانگتا رہا۔ خدا کی قدرت کہ باوجودیکہ پانچ چھ مہینے تک حاذق طبیب اور تجربہ کار
حکیم مصروف معالجہ رہے اور جراحی تدابیر میں کوشش و محنت کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا
مگر کوئی دوا اور کوئی مرہم بیگم کے زخموں کو مفید نہیں پڑا۔ اور کسی طرح صحت کلی حاصل
نہیں ہوئی۔ انجام کار عارف نام ایک شخص نے جو جہاں آرا بیگم کا باوفا اور خیر خواہ غلام
تھا بڑی جانکاہی اور عرقریزی سے ایک مرہم تیار کیا۔ اس مرہم کا لگانا تھا کہ زخم خود
بخود بھرنے چلے آئے اور تین چار روز کے عرصہ میں اچھے ہو گئے۔ زخموں کے اچھے
ہوتے ہی تپ اور دیگر امراض میں تخفیف ہو گئی اور حق تعالے نے اپنے فضل و کرم
سے دوبارہ اُمید حیات بخشی۔

اگرچہ جشن صحت بادشاہ بیگم کامل قوت و توانائی پر موقوف رکھا گیا تھا لیکن جہاں
پناہ نے بمجرد اس علم کے کہ جہاں آرا بیگم میں اُٹھنے بیٹھنے کی طاقت آ گئی ہے۔ ایک
عظیم الشان جشن کی تیاری کا حکم دیا جس میں نہ صرف شہر کے علماء فضلاء اور مستحقین لوگ
شاہی انعام سے سرافراز ہوئے بلکہ دور دور کے صلحا اور فقرا کی گودیاں زر و نقد
سے لبریز کر دی گئیں اور ادنے سے ادنے آدمی نے بھی شاہی فیاضیوں کی وجہ سے
ایک عرصہ تک امیرانہ زندگی بسر کر لی۔

جہاں آرا بیگم غسل صحت سے فارغ ہو کر بادشاہ کی خدمت میں پہنچی تو حضور نے
بیش بہا موتیوں کا ایک بڑا طباق نچھاور کیا اور جوش محبت سے پیشانی کا بوسہ دیکر

اسنے پاس بٹھالیا بادشاہزادہ محمد اورنگ زیب بیگم کی علالت کی خبر سُنکر بطریق یلغار دارالسلطنت میں آدھمکا اور والد محترم کے حضور میں حاضر ہوکر قوانین آداب بجالایا اودہر شہزادہ محمد مراد بخش ہمشیرہ کی عیادت کے لئے ملتان سے آیا۔ اور دونوں شہزادے مورد عنایت شاہی ہوئے چونکہ بعض بدراہوں اور عقل کے دشمنوں کی سازش سے شہزادہ اورنگ زیب سے بعض ایسی ادائیں بھی سرزد ہوئی تھیں جو حضور جہاں پناہ کی مرضی کے خلاف اور ناپسند تھیں۔ اور اسی بنا پر بادشاہ نے اس مرتبہ عالمگیر کی نسبت اُس عنایت اور توجہ خاص کا اظہار نہیں کیا جو ہمیشہ کیا کرتا تھا۔ لہذا شہزادہ اورنگ زیب نے جب ولی نعمت کے قہر اور کم توجہی کے آثار اپنے حق میں مشاہدہ کئے تو از راہ عبرت اور پیش بینی قبل اسکے کہ والد بزرگوار کی طرف سے اثر کم لطفی ظہور میں آئے۔ عزلت نشینی کے ارادہ سے شمشیر کمر سے کہول ڈالی اور چند روز تک گوشہ نشین رہا۔ شاہجہاں کو معلوم ہوا تو اُسنے شہزادہ اورنگ زیب کی تمام جاگیر ضبط کرلی اور دکن کی صوبہ داری جو ایک عرصہ سے عالمگیر کے نامزد تھی خان دوراں خاں کے سپرد کی اور دولت آباد کے قلعہ کی حکومت پرتھی راج راٹھور کو عنایت ہوئی اور دوبارہ جہاں آرا بیگم کے صحت ... کے جشن کا نقارہ بلند آوازہ ہوا۔

اس جشن کی تقریب میں بادشاہ نے خالص سونے سے ملکہ جہاں آرا بیگم کو وزن کرکے مستحقین کو تقسیم کیا اور اپنی شاہانہ فیاضی سے مساکین ومحتاجین کو مالا مال کردیا۔ سخن آفریں مغنی رونق افزائے مجلس ہوئے۔ اور رجادو خصال حور تمثال رامشگروں نے راحت افزا بزم کو انتہا سے زیادہ آرائش دی۔ شاہی عشرت خانہ سے مبارک وتہنیت کا غلغلہ بلند ہوا۔ اس جشن میں کوئی فقیر د بینوا ایسا نہ تھا جو صاحب نصاب نہ ہوگیا ہو۔ اور کوئی گھرا ایسا نہ تھا جس میں چند سال کا ذخیرہ مایحتاج فراہم نہ ہوگیا جو ختم جشن کے بعد شہزادہ محمد مراد بخش رخصت ہوکر اپنے تعلقہ پر پہنچا اور شایستہ خاں پنجہزاری منصب

لیکر روانہ ریاست ہوا۔ فیاض اور دریادل بادشاہ نے دوجشنوں کی تقریب میں اٹھاسی لاکھ روپیہ خزانہ عامرہ سے خرچ کیا اور یہ سب ملکہ جہاں آرا بیگم کی خوشنودی اور دلجوئی میں صرف ہوا جس سے صاف معلوم ہوسکتا ہے کہ بیگم موصوف بادشاہ کو نہایت عزیز اور محبوب تھی اور وہ اس کے مقابلہ میں نہ صرف خزانہ کو بلکہ سلطنت کو ہیچ سمجھتا تھا۔ اسی زمانہ کے متصل رمضان المبارک کے مہینے میں تیسری مرتبہ جب بادشاہ بیگم نے غسل صحت کیا اور خاطرخواہ صحت وتندرستی حاصل ہوئی تو بادشاہ کے حکم سے جشن جہاں افروز نے از سر نو آراستگی پائی۔ ہزار اشرفیاں اور پانچہزار روپے محتاجوں کو تقسیم کئے گئے۔ عارف غلام کو چاندی سے وزن کرکے خلعت فاخرہ اور طلائی ساز وبراق سے آراستہ گھوڑا عنایت ہوا۔ اور جب ملکہ تسلیم وکورنش کے لئے خدمت عالی میں حاضر ہوئی تو جہاں پناہ نے لعل ومروارید اور سونے چاندی سے بھرا ہوا طباق جس میں پورے لاکھ روپے کی مالیت تھی اپنے ہاتھ میں لیکر بادشاہ بیگم کے سر پر سے نچھاور کیا اسکے بعد شہزادوں اور دیگر بیگمات نے سونے اور جواہر کے پھول نثار کئے اور اس عام لوٹ میں غریبوں اور مفلسوں کے پوبارے ہوگئے۔ جلسہ کے برخاست ہوتے وقت بادشاہ نے مروارید کی مالا جس کے ایک سوتیس دانے تھے اور پانچ لاکھ روپیہ قیمت رکھتی تھی اپنے ہاتھ سے بیگم کے گلے میں ڈالی اور دو گوشوارے جنمیں دو آبدار موتی اور دو قیمتی الماس ایک لاکھ روپے کے پڑے ہوئے تھے عنایت فرمائے۔ کامل ہفتہ تک جشن رہا۔ اور ہر روز ایک تازہ عنایت اور اندازہ سے زیادہ مہربانی بادشاہ بیگم کے حال پر مبذول رہی حکیم داؤد کو بیگم کے معالجہ کے صلہ میں منصب دو ہزاری عطا ہوا اور اس کے دو سو سوار ایک آراستہ ہاتھی اصطبل خاص کا ایک قیمتی اور طلائی ساز وسامان سے آراستہ گھوڑا پانسو تولہ سونا مرحمت ہوا۔ حکیم مومنا جو اس سے پیشتر تیس ہزار روپے سالانہ پاتا تھا منصب ہزاری سے ممتاز ہوا۔

جہاں آرا بیگم حسن و جمال کے علاوہ جسے قدرت کی ایک زبردست کشش کہنا چاہیئے اور جسکی وجہ سے انسان بڑے سے بڑے سنگدل اور جابر شخص پر حکومت کرسکتا اور ایک جہان کو اپنا گرویدہ بنا سکتا ہے عقل و دانائی کے لئے نہ صرف ہندوستان میں بلکہ قریبًا تمام ایشیا سے دنیا بالخصوص مشرقی ملکوں میں زیادہ ممتاز و مشہور ہے اسکی حوصلہ مندی بلند نظری تجربہ کاری پختگی رائے کی شہرت گھر گھر پھیلی ہوئی تھی اور اسکی متانت و سنجیدگی زبان زد خاص و عام تھی اور یہی وہ قوی اسباب تھے جنہوں نے شاہجہاں کو اس کا والہ و شیدا بنا دیا تھا۔ اور چونکہ وہ ہر بات میں ایک غیر معمولی توجہ کمالی اور ہر پیش آنیوالے مقدمہ کو میزان عقل میں تول کر خوب سوچ سمجھکر ظاہر کرتی تھی اسلئے اسکی ہر ایک بات بادشاہ کو چار و ناچار تسلیم ہی کرنی پڑتی تھی جس بارے میں مشورہ دیتی بادشاہ اس کے مطابق عمل میں لاتا۔ اور اسکی سفارش کو بدل منظور فرماتا تھا۔ چنانچہ جس زمانہ میں جہاں پناہ عالمگیر سے ناخوش تھے ہرچند کہ دربار کے سب معزز و ممتاز رکنوں نے اسکی خطا بخشی کے بارہ میں بادشاہ سے التماس کی مگر کسی کی سفارش درجہ قبولیت کو نہیں پہنچی آخر کار شہزادۂ عالمگیر کی والدہ اور دیگر بیگمات نے جہاں آرا بیگم کی طرف رجوع کی اور اس کی سفارش سے بادشاہ کا غصہ فرو ہو گیا شہزادہ محمد اورنگ زیب کی تقصیر معاف ہوئی اور بجائے غضب و عتاب کے بے انتہا لطف و عنایت کا مورد ہوا بدستور سابق منصب پانزدہ ہزاری نامزد ہوا اور دس ہزار سوار ماتحتی میں دیکر دانہ جاگیر سابق کیا گیا۔ جہاں آرا بیگم کا عالمگیر پر یہ ایک ایسا گرانبار احسان تھا جس کے بوجھ سے وہ کبھی سر اٹھا نہیں سکتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اس کے حق کو کبھی نہیں بھولا اور شاہجہاں کے انتقال کے بعد بھی اُس نے جہاں آرا بیگم کو کسی قسم کی تکلیف نہیں پہنچائی۔ بلکہ ہمیشہ حرمت و عزت کی نگاہ سے دیکھتا رہا اور اس کی دلجوئی اور دلدہی کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔

جہاں آرا بیگم بیشک ماں باپ کی لاڈلی اور حد سے زیادہ عزیز تھی اور اس بنا پر وہ جس قدر چاہتی ضدی اور ہٹ دھرم ہوتی اور ہر موقع پر اپنی بیجا ناز برداری کراتی لیکن اسکی تاریخ زندگی میں یہ بات نہایت دلچسپی اور تعجب کے ساتھ دیکھی جاتی ہے کہ اسنے طفلی کے زمانہ سے لیکر آخر عمر تک کبھی کسی بات پر بیجا ضد اور اصرار نہیں کیا بلکہ جب کبھی اُس سے کوئی غلطی واقع ہوئی معلوم ہوتی تو پیچھے فوراً اس کا اعتراف کیا اور اپنے دعوے سے دست برداری کی چنانچہ ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ محمد امین متصدی بندر سورت کے ظلم و تعدی کی شکایت حضور شاہی میں موصول ہوئی بادشاہ نے تحقیقات کے بعد اسکی معزولی کا حکم دیا اور گرزبرداروں کی ایک جماعت کو ارشاد ہوا کہ ظالم محمد امین کو قید کرکے مابدولت کے حضور میں پیش کرو چنانچہ اس حکم کی بڑی سرگرمی سے تعمیل ہوئی اور محمد امین بحالت گرفتاری حاضر ملازمت ہوا۔ دوبارہ حکم صادر ہوا کہ یہ ستمگر جفا کیش برسر دربار قتل کیا جائے اور لوگوں کی عبرت کے لئے اس کا سر نظارہ گاہ عالم پر لٹکایا جائے اسکے وکیلوں اور دوستوں کو خبر ہوئی تو اسکی خلاصی اور نجات کے لئے سفارشی کھڑے کرنیکو ہر طرف دوڑ پڑے اور ہر چند کہ انتہا سے زیادہ کوشش کی مگر کوئی تدبیر بن نہیں پڑی یہاں تک کہ جہاں آرا بیگم کے متصدیوں کی طرف رجوع ہوئے اور چونکہ بندر سورت کا محصول بیگم کی تنخواہ میں مقرر تھا اور یہاں کے متصدیوں کو وہاں کے لوگوں سے تعارف و روشناسی بھی تھی۔ اس لحاظ سے اُنہوں نے بہ ہزار عجز و الحاح محمد امین کی خلاصی جان کا رقعہ بادشاہ کے نام پر حاصل کرلیا۔ اور رحمدل بیگم نے ان کی ظاہری چکنی چپڑی باتوں پر اعتماد کرکے محمد امین کی خلاصی کا بیڑا اُٹھا لیا۔ بیگم کا رقعہ مطالعہ خاص میں آیا تو بادشاہ نے اسکی نسبت حکم حبس فرمایا۔ اور خود داخل محل ہوئے۔ بادشاہ بیگم کو پاس بلاکر فرمایا کہ برخوردار من اتم کو معلوم ہے کہ بندر سورت تمہارے اقطاع میں مقرر ہے اور وہاں کی اکثر رعیت مالگذار اور یہ بات ظاہر ہے کہ رعیت باعث آبادی ملک ہے شاہی لشکروں کی افزونی اور

اور خزانوں کی معموری رعیت کے ہونے اور خوشحال ہونے پر موقوف ہے جس شخص کی نسبت تم نے سفارشی رقعہ لکھا ہے اسکی کیفیت یہ ہے کہ صرف اپنے حسن تردد کے اظہار اور اضافہ تنخواہ کے لئے تشخیص مال میں اس قدر سختی کی ہے کہ غریب اور مفلس رعایا نے مجبور ہوکر اپنے کم سن اور خورد سال بچوں کو نصرانیوں کے ہاتھ بیچکر اس کا گڑھا بھرا ہے اور اسپر بھی ادائے محصول کی ذمہ داری سے نجات نہیں پائی ہے۔ فرزند من! اول تو یہ سختی خدا کو نہایت ناپسند ہے۔ دوسرے بندر سورت ہفت اقلیم کے لوگوں کی آمد و رفت کا مرکز ہے۔ تم سمجھتی ہوکہ جب دور و دراز کے مسافر اپنے اپنے ملکوں میں جاکر بادشاہوں سے اسکا ذکر کرینگے تو ہماری کیسی کچھ بدنامی ہوگی۔ اس لئے ایسے موذی اور ظالم کا نام صفحۂ دنیا سے کھرچ ڈالنا نہ صرف قرین مصلحت ہے بلکہ خدا کے نزدیک بہتری کا موجب ہے۔

بادشاہ بیگم جب اس راز سے واقف ہوئی تو اُسنے نہایت سچائی اور راستبازی سے اپنی غلطی کا اقرار کیا۔ اور ساتھ ہی اپنی اس بیجا سفارش کی بادشاہ سے معذرت کی۔

ایک متعصب یوروپین مورخ جہاں آرا بیگم کے حالات زندگی لکھتے وقت یوں ریمارک کرتا ہے۔ کہ "جہاں آرا بیگم شاہجہاں کی چہیتی بیٹی تھی اور اُس بدقسمت داراشکوہ کی حقیقی بہن تھی جو حقیقت میں شاہجہاں کے تخت و تاج کا وارث تھا لیکن آخر کار شکست کھاکر اور آسانی سے شکست کھاکر اپنے چھوٹے بھائی اورنگ زیب کے ہاتھ سے مارا گیا جس نے اپنے باپ کو تخت سے اُتارا اور بزور تخت نشین ہوگیا۔ جہاں آرا حُسن و جمال میں شہرۂ آفاق تھی۔ اور اسکی فیاضی و سخاوت کی داستانیں بڑی دلچسپی کے ساتھ لوگوں کی زبان پر جستہ جستہ جاری تھیں اس زمانہ کے فرہنگستانی سیاح اسکی بڑی غمگین روایتیں بیان کرتے ہیں اُسنے اورنگ زیب کی عدالت کے ملعون جاہ و جلال سے شرکت حاصل کرنی پسند نہیں کی بلکہ باپ کے اس کے قید کے زمانہ میں آگرہ ہی رہنا پسند کیا۔ اورنگ زیب پر یہ بھی شبہ کیا گیا تھا کہ وہ اُسے قتل کرنے کو دہلی لے گیا تھا" مگر یہ بھی ویسی ہی لغو اور

سب بے سروپا باتیں ہیں جیسی متعصب مورخوں نے خاندان تیموریہ کے بادشاہوں کی نسبت صرف تعصب مذہبی کی وجہ سے آنکھوں پر پٹی باندھکر لگائی ہیں۔ تاریخ میں کہیں اس کا پتہ نہیں چلتا کہ اورنگ زیب نے جہاں آرا کے ساتھ کسی قسم کی بدسلوکی یا بدسلوکی کا ارادہ تک کیا ہو بلکہ جب تک وہ زندہ رہی اسکی حرمت وعظمت ویسی ہی کرتا رہا جیسی باپ کے سامنے کرتا تھا۔ بلکہ اُس سے بڑھکر بیگم کی تسلی ودلجوئی میں مصروف رہتا تھا۔ تعجب ہے کہ عیسائی مورخ اس قسم کی بے بنیاد اور جھوٹی باتیں بیان کرنے میں۔ کیوں جرات ودلیری کرتے ہیں۔ اس سے بڑھکر تعجب وحیرت ٹیورنیر کے قول پر ہے جو نہایت دریدہ دہنی سے کہتا ہے کہ "مجھے معلوم ہوا ہے کہ جہاں آرا بیگم اورنگ زیب کے حکم سے آگرہ سے دہلی میں لائی گئی۔ ظالم اسکو دہلی میں لایا اور وہ مدتوں نہایت ضیق میں رہی۔ بلکہ اپنے بہن کے انتقال کے بعد بھی ۱۶۸۱ء تک زندہ رہی"!

الغرض جہاں آرا بیگم نے بڑی جاہ وجلال اور شان وشوکت کے ساتھ زندگی بسر کی اور اپنے باپ کے انتقال کے بعد بھی ایک عرصہ تک نہایت نیکنامی اور عزت سے زندہ رہی آخرکار ۱۰۹۲ھ ہجری میں انتقال کیا اور حضرت شاہ نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ کے متصل ایک نہایت عجیب وغریب مجرہ میں مدفون ہوئی۔ یہ مجرہ سر سے پاؤں تک ایک نور کا ٹکڑا ہے۔ اور نازک خیال کاریگر نے جو صنعت اسمیں رکھی ہے وہ دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ جہاں آرا بیگم کو خواجگان چشت سے نہایت اعتقاد تھا اور اُسنے اپنی زندگی ہی میں اپنی قبر کے لئے یہ جگہ پسند کی تھی اپنا سارا مال واسباب جسکی قیمت تین کروڑ روپیہ تھی یہاں کے خادموں اور مجاوروں کو دیکر یہ زمین جہاں اب مجرہ بنا ہوا ہے اپنے مدفن کے لئے مول لی اور اپنے سامنے ہی اس مجرہ کو بنایا لیکن جہاں آرا کے انتقال کے بعد شہنشاہ عالمگیر نے دو کروڑ روپیہ خادموں سے واپس لے لیا کیونکہ شرعی وصیت تہائی حصے سے زیادہ میں جاری نہیں ہوسکتی مجرہ کے اندر چار قبریں ہیں تین بڑی

اور ایک چھوٹی جہاں آرا کی قبر کے سرہانے سنگ مرمر کی ایک صاف لوح کھڑی ہے۔
جس پر یہ شعر جو اسی کی موزوں طبیعت کا نتیجہ ہے جلی حرفوں میں نہایت خوبصورتی کے
ساتھ کندہ ہے۔ **شعر**

بغیر سبزہ نپوشد کسے مزار مرا   کہ قبر پوش غریباں ہمیں گیاہ بس است

اس شعر کے ذیل میں یہ عبارت کندہ ہے۔ الفقیر الفانیہ جہاں آرا مریدِ خواجگان چشت بنت
شاہجہاں بادشاہ غازی انار اللہ برہانہ ۱۰۹۲ھ ہجری ۔

رانی پاربتی

حسن کی دیبی راجہ جھجار سنگھ ولد راجہ نرسنگھ دیو والی بندیلہ کی ممتاز و محبوب رانی
ہے جس کے حسن و خوبصورتی کی روایتیں بڑی دلچسپی کے ساتھ سُنی جاتی ہیں۔ جہاں
دنیا کی مشہور و نامور حسینوں کے عالمگیر حسن کا ذکر ہے وہاں رانی پاربتی کی شہرہ آفاق
خوبصورتی کا بھی ضرور مذکور ہے۔ گو وہ نہایت خلیق اور منکسر المزاج تھی مگر پھر بھی اسکی
صورت سے رعب اور دبدبہ کی شان برستی تھی۔ جھجار سنگھ جو ایک بڑا دلاور اور جنگجو
سپاہی منش آدمی تھا ہمیشہ اس حسن کی دیبی کی پرستش کیا کرتا تھا اور اُسکی ایک ایک
آن پر ہزار جان سے قربان تھا۔

رانی پاربتی جیسے حسن و خوبصورتی میں بے مثل اور لاثانی تھی ویسے ہی شجاعت و
بہادری میں بھی بے نظیر تھی۔ جب تک جھجار سنگھ زندہ رہا یہ ہر خطرناک معرکہ میں اسلحہ سے
آراستہ ہو کر اس کے ساتھ رہی اور میدان جنگ میں عین مقابلہ کے وقت جوانمردی
کے جوہر اور شجاعت کے حیرت انگیز نمونے دکھایا کی ۱۰۴۴ھ ہجری میں جب شاہجہاں
بادشاہ کی جرار و خونخوار فوج جھجار سنگھ کو چاروں طرف سے محاصرہ کئے ہوئے تھی تو رانی
پاربتی اپنے شوہر کے پہلو بہ پہلو اور دوش بدوش محاصرین کے بیباک حملے بڑے زور

شوہر سے روک رہی تھی اور مردانہ وار کمر ہمت باندھے ہوئے نہایت سرگرمی اور مستعدی کے ساتھ شاہی فوج کو ترکی بترکی جواب دیتی تھی، رانی پاربتی نے اس معرکہ جنگ میں اپنے شوہر کا بہت ساتھ دیا اور شجاعت وجانبازی کے خوب ہی جوہر دکھائے اسے کامیاب کرانے میں اپنی جان تک لڑا دی اور محنت وکوشش کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا۔ مگر اسکو کیا کیجئے کہ ججھار سنگھ کے اقبال کا ستارہ ہی پستی میں تنزل کر گیا تھا اور ادبار کی گھٹا نے چاروں طرف سے اُمنڈ امنڈ کر اُسے گھیر لیا تھا۔ اگرچہ ججھار سنگھ اس معرکہ میں شکست کھا کر بھاگ گیا مگر تاہم پاربتی نہایت استقلال اور ثابت قدمی کے ساتھ میدان جنگ میں کھڑی رہی اور اُسنے جنگ سے مُنہ موڑ کر بھاگ جانے پر اپنے گرفتار ہونے اور مخالفوں کے ہاتھوں میں پڑنے کو ترجیح دی۔

ججھار سنگھ کا باپ راجہ نرسنگھ دیو بندیلہ اصل میں نورالدین محمد جہانگیر بادشاہ کا ایک نہایت وفادار اور جاں نثار مصاحب تھا جو ایام شہزادگی سے لیکر جہانگیر کی وفات تک اُسکا ملازم خاص رہا اور ہمیشہ وفاداری وجاں نثاری کے نمونے ظاہر کرتا رہا اُس نے جہانگیر کے ایما سے اپنے وفادارانہ جوش کی غفوت میں شیخ ابوالفضل کو قتل کیا جبکہ فاتح ہند جلال الدین اکبر مہم دکن سے واپس آتا تھا جس کے صلہ میں جہانگیر نے اپنی تخت نشینی کے بعد قلعہ آوندچہ جو نہایت سرسبز وشاداب پرگنہ تھا راجہ نرسنگھ کے نامزد کر دیا تھا اس کے علاوہ اور بھی چند ایسی وفادارانہ اور خیر خواہانہ کارروائیاں راجہ نرسنگھ سے ظہور میں آئی تھیں۔ جنھوں نے اُسے بادشاہ کے دربار میں کرسی تک پر قبضہ دلایا تھا اور اہل دربار کی نظروں میں موقر وباوقعت کر دیا تھا لیکن جب اواخر عہد جہانگیر میں حکومت میں کچھ ابتری پیدا ہوئی اور سلطنت کے بعض انتظامات میں خلل واقع ہوا بھی پڑی تو نرسنگھ دیو نے علم سرکشی بلند کیا اور بغاوت کے شعلہ ہر طرف بھڑکا دیئے۔ اُمید سے زیادہ کامیابی نے اسکے دماغ میں خودسری کا خیال پیدا کر دیا۔ اور اب اُسنے ایک جلیل القدر بادشاہ کی

ماتحتی میں رہنا ناپسند کر کے مستقل حکومت کے داعیہ کو ظاہر کیا۔ شاہی ملک میں غارتگری کے ہاتھ کھولے اور بڑی بے رحمی و سفاکی کے ساتھ مسافروں کے تاخت و تاراج کرنے کی جسارت کی۔ جہانگیر حکومت کے بعض پیچیدہ معاملات کے سلجھانے میں اس درجہ محو تھا کہ اسے بالکل معلوم نہ ہو سکا کہ تمام ملک بغاوتوں کا دنگل بن رہا ہے۔ اور ہر طرف نئے ہنگامے برپا ہیں۔ غدار نرسنگھ دیو کے حق میں اس قدر فرصت نہایت مغتنم تھی اسنے چند ہی روز میں ایک بہت بڑا خزانہ جمع کر لیا۔ اور بادشاہ کے ممالک محروسہ میں سے بہت سے پرگنے دبا بیٹھا۔ فوجی قوت بہت کچھ بڑھالی اور اسلامی سلطنت کے زوال کا درپے ہوا جہانگیر جب اس معمے کے طلسم کشائی سے فارغ ہوا تو نرسنگھ دیو کی سرکوبی اور استیصال کی طرف متوجہ ہوا۔ فوج کا ایک بڑا خونریز دستہ اسکی بربادی پر متعین ہوا اور باقی تمام فوج چاروں طرف سے فراہم ہو کر مسلح ہو گئی۔ فوج کے کوچ کا دن ہوا تو دفعتہً بادشاہ بیمار ہو گیا۔ اور ایسا بیمار رہا کہ پھر صحت میسر نہ ہوئی۔ اور چند روز میں انتقال کر گیا۔

جہانگیر کے انتقال کے بعد ہند کے تخت و تاج کا وارث ابوالمظفر شہاب الدین محمد شاہجہاں تخت نشین ہوا اور ملکی انتظام کی باگ اپنے ہاتھ میں لی۔

اگرچہ شاہجہاں کا عہد حکومت شروع ہی سے خانہ جنگیوں اور پرزور بغاوتوں میں الجھا رہا تاہم اس کے بلند ہمت اور وسیع حوصلوں نے فتوحات اسلامی دائرہ تنگ نہیں ہونے دیا گویا جلال الدین اکبر کی بھی جیسی عظیم الشان فتوحات دولت مغلیہ میں سب سے ناپید ہیں۔ مگر یہ ضرور ہے کہ شاہجہاں اس میدان میں اپنے نامور باپ جہانگیر سے کچھ پیچھے نہیں ہے۔ ملک میں جب یہ برہمی پیدا ہوئی تو شاہجہاں اسکے فرو کرنے اور نرسنگھ دیو کی اس آتش فساد کے بجھانے کی طرف متوجہ ہوا۔ ابھی اثناء میں خبر پہنچی کہ نرسنگھ دیو مر گیا۔ جھجار سنگھ جو ہنوز ملازمان رکاب سعادت اندوز کے برگہ میں شامل تھا اس خبر کے سنتے ہی بقول شخصے " بد گہر باکسے وفا نکند۔ اصل بد در خطا خطا نکند "

اپنے اسلاف بدکردار کے رویّہ کے مطابق بے شمار خزانوں اور بہت سے بد اندیش ہمراہیوں کے ساتھ دارالخلافہ آگرہ سے نکل بھاگا اور بندیلے کے آگے پہاڑوں کے وسیع سلسلہ میں ایک بلند اور محفوظ موقع پر اپنا ہیڈ کوارٹر قایم کیا۔ حضور شاہی میں اس فتنہ انگیز کی ان سورشوں اور شرارتوں کی خبر پہنچی تو خان خاناں اور مہابت خاں جنہیں بہت سی فتوحات کا فخر حاصل ہو چکا تھا اور جنہوں نے بڑی بڑی پُرزور بغاوتوں کا خاتمہ کر دیا تھا جھجار سنگھ کی سرکوبی کے لئے متعین ہوئے یہ دونوں نامور سپہ سالار دس ہزار خونریز اور بیباک سوار بندوقچی اور بہت سے تبرداروں کی سرکردگی میں بڑے ساز و سامان سے روانہ ہوئے۔ عقب سے سید مظفر خاں بارہ اور اسلام خاں اور دلاور خاں اور سردار خاں اور راجہ رامداس اور نظر بہادر وغیرہ بڑے بڑے نامور اور مشہور فوجی افسر خاص بندیلے کے خراب و پائمال کرنے کے لئے نامزد ہوئے۔ ادھر خانجہاں لودی صوبدار مالوا کو فرمان پہنچا کہ اپنے ہمراہیوں سمیت مہابت خاں کی مدد کو پہنچے۔ عبداللہ خاں فیروز جنگ جو دولت مغلیہ کا قدیم فدائی اور جاں نثار افسر تھا پانچ ہزار سواروں کی جمعیت سے کالپی کی راہ سے بندیلے کی جانب روانہ ہوا علیٰ ہذالقیاس بہادر خاں روہیلہ کو حکم ہوا کہ جنگجو بہادروں کی ایک کثیر جماعت اور دو ہزار تجربہ کار بندوقچی اور تبرداروں کو ساتھ لیکر جانب مشرق سے جھجار سنگھ پر ٹوٹ پڑے۔

جب یہ فوجی افسر مختلف راہوں سے روانہ ہو چکے تو خود جہاں پناہ ایک بڑی خونخوار فوج ساتھ لیکر دارالخلافہ آگرہ سے باہر رونق افروز ہوا اور شکار کی شہرت دیکر نہایت آہستگی کے ساتھ آگے بڑھا فتح پور میں جلوہ آرا ہوا تو سالانہ جشن کی بنیاد ڈالی اور عشرت و نشاط کی شاہانہ مجلس آراستہ ہوئی اس سے فارغ ہونے کے بعد قلعہ گوالیار کے پہاڑوں کے دامنوں میں سیر و شکار میں مصروف ہوا اور چند روز تک وہاں کے دلفریب منظروں نے بادشاہ کو اپنی طرف متوجہ رکھا۔ صحرا نورد فوجیں جو

ناعاقبت اندیش ججھار کی استیصال کے لیے مقرر کی گئیں تھیں گوالیار کی راہ سے ہوتی ہوئیں اور بڑے بڑے میدان اور دشوار گزار گھاٹیاں طے کرتی ہوئیں ججھار کی مستقر حکومت تک پہنچ گئیں۔ شیر شکار افسروں نے قلعہ ایرچ کا فوراً محاصرہ کر لیا جو بدنصیب ججھار کا ملجا تھا عبداللہ خاں اور خان جہاں لودی نے بڑی ترتیب سے فوج کو اوپر چڑھایا قلب فوج پر بہار سنگھ بندیلہ اور میمنہ و میسرہ پر بہادر خاں روہیلہ اور نظر بہادر کو متعین کر کے خود عقب میں رہا کہ ہر طرف سے اچھی طرح حملہ آور فوج کی نگرانی کر سکے۔ ججھار نے پہلے ہی سے کچھ فوج کمین گاہوں میں بٹھا رکھی تھی شاہی فوج قریباً دو فرسنگ تک اوپر چڑھتی چلی گئی لیکن جب ججھار کا صدر مقام قریب آ گیا تو دفعتاً اس کے رسالے کمینگاہوں سے نکلکر شاہی فوج پر ٹوٹ پڑے اوہر خود ججھار بھی ایک جماعت کثیر لیکر آگے بڑھا۔ شاہی لشکر دونوں طرف سے بیچ میں آ گیا اور نہایت بے ترتیبی و ابتری پڑ گئی۔ یہ دیکھکر بہادر خاں روہیلہ اور نظر بہادر نے فوج کے سنبھالنے میں انتہا سے زیادہ کوشش کی مگر کمینگاہوں کے رسالوں نے کچھ ایسی ابتری ڈالدی تھی کہ شاہی فوج ان کے سنبھالنے سے سنبھل نہ سکی۔ اتنے میں مخالف کی فوج نے شاہی میمنہ و میسرہ پر اس زور سے حملہ کیا کہ تمام لشکر کے قدم اکھڑ گئے تاہم بہادر خاں روہیلہ اور نظر بہادر بڑے استقلال اور ثابت قدمی سے کھڑے رہے اور دوبارہ فوج کو ترتیب دیکر اہل علم پر اس تیزی سے حملہ آور ہوئے کہ ان کے ہوش اُڑ گئے۔ ان کے متواتر حملوں نے علم برداروں کی صفیں اُلٹ دیں پھر کچھ ایسی ہل چل پڑی کہ تمام فوج ابتر ہو گئی۔ اس وقت چونکہ بہادر خاں اور نظر بہادر تنہا رہگئے تھے اور لڑائی کے مرکز سے دور بھی پڑ گئے تھے۔ اس لئے انہوں نے چاہا کہ چند قدم پیچھے ہٹ کر فوج کو مرتب کریں اس ارادہ سے چند قدم پیچھے ہٹنے ہی تھے کہ سامنے شاہی فوج نظر پڑی جسے ججھار کی فوجیں پامال کئے دیتی تھیں۔ نظر بہادر اپنی فطری شجاعت کا جوش ضبط نہ کر سکا اور فوراً آگے بڑھا۔ بہادر خاں روہیلہ بھی اس کے ساتھ تھا دونوں مل کر

جھجار پر حملہ آور ہوئے اور معرکہ جنگ میں اپنی شجاعت کے بے مثل نمونے دکھائے۔
جانبین سے فوجیں صف آرا تھیں اور دونوں طرف سے پے در پے حملے ہو رہے تھے کہ جہاں پناہ کے گوالیار میں جلوہ آرا ہونے کی خبر سارے لشکر میں پھیل گئی جس نے شاہی فوج میں عام طور پر تقویت و دلیری کی تازہ روح پھونک دی اور خود جھجار اور اسکے تمام فوجی افسروں کے دلوں میں تہلکہ ڈالدیا وہ اپنی تمام فوج کو معرکہ جنگ سے ہٹا لایا اور قلعہ ایرچ میں جو اسکی پناہ کی جگہ تھی محصور ہو گیا۔ اور فوراً ایک زبان فہم اور بلیغ و فصیح وکیل کو اپنے عفو جرائم اور خطا بخشی کے لئے شہنشاہ کے حضور میں روانہ کیا وکیل نے باریابی کی اجازت پاکر معروض خدام والا کیا کہ جھجار دست بستہ عرض کرتا ہے کہ اگر حضور اس سیہ کار کے صفحہ اعمال کو عفو کے پانی سے دھوئیں تو پھر اپنی زندگی تک حضور کی نافرمانی پر جرارت نہ کرے اور کبھی اطاعت و فرمانبرداری کے دائرے سے قدم باہر نہ رکھے۔ اسی اثنا میں ایک شاہی ہلکارے نے آکر شہنشاہ کی خدمت میں عرض کیا کہ عبد اللہ خاں اور بہادر خاں روہیلہ اور بہادر سنگھ نے کمند ہمت سے قلعہ ایرچ کو فتح کر لیا جو اُس غول وحشت اور بار کا ملجا تھا اور محصورین میں سے تین ہزار کافروں کو قتل کیا اور بقیۃ السیف حلقہ اطاعت میں آ گئے جھجار قلعے سے فرار ہو گیا ہر چند کہ اسکا تعاقب کیا گیا مگر کہیں سراغ نہیں چلا۔
اس کے چوتھے روز شاہی لشکر فتحیابی اور کامرانی کے ساتھ گوالیار میں واپس آکر ٹھیرا اور وہ امرائے دربار جو دولت مغلیہ کے قدیم خیر خواہ اور سچے جاں نثار تھے اپنی جانبازیوں کے صلہ میں عنایت شاہانہ اور مناصب جلیلہ سے ممتاز و معزز ہوئے بہار سنگھ بندیلے کو اسکی نمایاں کوششوں کے صلہ میں خلعت فاخرہ عنایت ہوا اور تمام فوجی افسروں کی گودیاں زر و نقد سے لبریز کر دی گئیں۔ بھارت سنگھ اور یمین الدولہ وغیرہ کی سفارش سے رحمدل اور نیک نہاد بادشاہ نے بد قسمت جھجار کی جرائم معاف کر دیئے

اور جب وہ دست بستہ حضور شاہی میں حاضر کیا گیا تو بادشاہ نے خود اپنے ہاتھ سے
اُسکے سر پر معافی کا تاج رکھا ججھار نے ہزار اشرفیاں پندرہ لاکھ روپے چالیس ہاتھی
اس جرأت بیجا کے جرمانے میں بادشاہ کے نذر کئے اور وہ تمام مفتوحہ مقامات
جو بطریق غصب اپنے تصرف میں لے آیا تھا ممالک محروسہ میں داخل کر دیئے بادشاہ
نے چار ہزار سوار اسکی ماتحتی میں دیکر اُسے اُسکی آبائی جاگیر پر قبضہ دیدیا اور باقی
عبد اللہ خاں اور خان جہاں لودی کی تنخواہ میں اضافہ کر کے اُسکی تمام مغصوبہ مقامات
اور ساز و سامان سرکار میں ضبط ہو گئے۔

اِسکے بعد ججھار سنگھ خان خاناں کے ہمراہی میں دکن روانہ ہو گیا اور بہت رفتہ تک
وہاں بڑے بڑے کارنمایاں ظاہر کرتا رہا۔ اس سے خان خاناں اور خود جہاں پناہ کو
اسکی خیر خواہی اور صاف دلی کا قدرے اطمینان ہوتا چلا مگر انجام کار وہ بدنہاد اپنی بد طینی
اور اندرونی ناپاکی کا جوش ضبط نہ کر سکا۔ خان خاناں سے رخصت ہو کر وطن مالوف میں
پہنچا اور اپنے چھوٹے فرزند بکرماجیت کو اپنی جگہ اپنا قایم مقام کر گیا موروثی مسکن میں
آیا تو قدیم مفسدہ پردازی اور فتنہ انگیزی شروع کی اور قرب و جوار میں بغاوت کے
شعلے بھڑکا دیئے۔ بھیم نراین شاہی تعلقہ دار کو حیلہ آمیز تدبیر سے اسکے وطن سے
بُلایا اور جب وہ وہاں پہنچا تو اسے مع ہمراہیوں کے قتل کر ڈالا اور اُسکے خزانہ عامرہ
اور قلعہ پر متصرف ہو گیا بھیم نراین کا فرزند جو حضور شاہی میں موجود تھا۔ اپنے مظلوم
باپ کے یوں قتل کئے جانے پر نہایت افروختہ ہوا اور ججھار کی اس ظالمانہ کارروائی کی
حضور میں اطلاع دی۔ حکم ہوا کہ ججھار بدنہاد کو ایک نصیحت آمیز فرمان لکھا جاے تا کہ وہ
اپنے اس عذر بیہودہ سے باز آئے۔ اور بھیم نراین کا سارا مال و متاع اسکے ورثہ کو
مسترد کر دے۔ لیکن مغرور ججھار پر اس فرمان کا کچھ اثر نہیں پڑا۔ اور چونکہ اسکے سر پر
موت سوار تھی اس لئے وہ نا عاقبت اندیش اپنے انجام کار کی طرف ذرا متوجہ نہیں ہوا۔

بکرماجیت جو ہنوز دکن میں اپنے باپ کی جگہ موجود تھا اس کا اشارہ پاتے ہی نکل کھڑا ہوا۔ اس وقت خان خاناں برہان پور کی مہم میں مصروف تھا اسنے بکرماجیت کی فراری ہونیکی خبر سُنی کوہ مالوے تک تعاقب کرتا ہوا آیا۔ یہاں دونوں کی مٹھ بھیڑ ہوگئی اور سخت معرکہ ہوا طرفین کے بہت سے آدمی قتل ہوئے اور کچھ مجروح و زخمی بکرماجیت نے بھی اگرچہ چند زخم کھائے مگر چونکہ وہ ایسے کاری نہ تھے لہذا جان بچا کر نکل گیا اور بہت جلد باپ سے جا ملا۔

بادشاہ مغرور جھجھار کی یہ بے پروائی اور بیجا جسارت دیکھکر سخت غیظ میں آیا اور اُس نے انتہا کے طیش میں عبداللہ خاں بہادر اور سید خان جہاں کو فوج کی تیاری کا حکم دیا یہ دونوں تجربہ کار اور بہادر افسر دس ہزار مسلح فوج کو لیکر قلعہ ایرچ کی طرف بڑے ساز و سامان سے بڑھے۔ خاندوراخاں جو بکرماجیت کے تعاقب کے بعد مالوے میں فرمان شاہی کا منتظر تھا۔ زرہ پوشوں کے دو ہزار رسالے ہمراہ لیکر عبداللہ خاں اور سید خان جہان سے آملا اور تینوں افسر اس فوجی جاہ و حشم کے ساتھ روانہ ہوئے جھجھار کو یہ خبر ہوئی تو مکار نے پھر اپنے وکیل کو حضور شاہی میں روانہ کیا۔ اور خان خاناں اور آصف خاں کو اپنے جرائم کا شفیع مقرر کیا۔ بادشاہ نے ارکان دولت کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ کیا رائے ہے سب نے متفق اللفظ ہو کر کہا کہ ایسے متمرد باغی کی سزا قتل ہے۔ مگر آصف خاں وزیر اعظم نے عام امرا کے خلاف برگشتہ بخت جھجھار کی سفارش کی اور کہا جہاں پناہ تاریخ میں ایسی مثالیں بکثرت موجود ہیں کہ بغاوت کے جرم پر قتل کا حکم دیا گیا ہے لیکن اگر جھجھار کے اس جرم سے اغماض فرماکر اسے بخشدیں تو ہم آپ کی فیاضی اور رحمدلی کی نظیر پچھلی تاریخوں میں بھی نہیں دکھا سکیں گے۔ بادشاہ نے سر جھکا لیا اور قدرے تامل کے بعد فرمایا بیشک یہ سچ ہے لیکن تاوقتیکہ دشمنانِ دولت اپنے جرائم اور بے عنوانیوں کی کافی سزائیں نہ پائیں اور اُن کی بغاوت کے بھڑکتے ہوئے شعلے آب تلوار سے نہ بجھائے جائیں ملک میں امن و امان کا

قایم رہنا مشکل اور سخت مشکل ہے یہ کہکر بادشاہ دربار عام سے اُٹھ کھڑا ہوا اور حرم سرا میں جلوہ آرا ہوکر خوابگاہ میں چلا گیا۔

دوسرے روز جہاں پناہ نے سندر کب داسے کو جو پایہ تخت ہند کا ایک بڑا نامور اور مشہور شاعر تھا اور جہجار سے قدیمی تعلق رکھتا تھا فوج کا ایک خونخوار اور سفاک دستہ دیکر روانہ کیا اور ارشاد فرمایا کہ اگر جہجار وہ تیس لاکھ روپیہ جو اُسنے سرکاری تعلقہ داروں سے اپنی حیلہ سازیوں سے وصول کیا ہے شاہی خدام کے حوالے کردے اور اپنے چھوٹے فرزند کو بکرماجیت کو خان زماں کے پاس دکن میں بدستور سابق لیجائے تو میں اُس کے جریدۂ اعمال پر قلم عفو کھینچنے کو تیار ہوں سندر کب راے جہجار کی جاں بخشی کا مژدہ سُنکر قاعدے کے مطابق آداب بجالایا اور بڑی تیزی کے ساتھ شاہی لشکر سے بہت پہلے پہنچ گیا جہجار سے ملا تو قومی ہمدردی اور قدیم تعلق کے لحاظ سے اسے بہت کچھ سمجھایا اور اُسکی ناعاقبت اندیشی اور بغاوت کے بُرے نتائج کو ہر پہلو سے ذہن نشین کیا مگر وہ فتنہ انگیز اپنے مول کی کثرت پر اسدرجہ مغرور اور خاردار جنگلوں سے بھرے ہوئے جنگلوں از پیچ در پیچ اور دشوار گذار گھاٹیوں پر ایسا مطمئن تھا کہ سندر کب راے کی کسی بات کا اُسپر اثر نہیں پڑا اُسکی ساری کوششیں ضایع و برباد گئیں اور کوئی تدبیر نہ چل سکی مجبور ہوکر واپس آیا۔ اور تمام واقعہ بادشاہ کے حضور میں عرض کیا بادشاہ نے شہزادہ محمد اورنگ زیب عالمگیر کو جو مہم دکن سر کرنے کے لئے روانہ ہونے والا تھا بنا بر مزید احتیاط تمام فوج کا سپہ سالار مقرر کر کے جہجار کے قلع و قمع کے لیے روانہ کیا شایستہ خاں اور رستم خاں دکھنی کے علاوہ دیگر نامور اور مشہور امرا شہزادے کے ہمرکاب ہوئے اور یہ فوج بڑے تزک و احتشام کے ساتھ بدقسمت جہجار کی طرف بڑھی۔ شہزادے کے پہنچنے سے بیشتر ہی فوج ہراول قلعہ آوندچہ کے نزدیک جا دھمکی جو جہجار کا برگزیدہ خاص تھا اور جہاں اُسنے جنگ کے تمام ساز و سامان مہیا کر رکھے تھے تجربہ کار اور صعب لمرامنے ہزاروں

بیلدار اور شبر داس اوس جنگل کے گھن دار درختوں کے جھنڈ کاٹنے اور دشوار گذار راہوں کے ہموار و مسطح کرنے پر مقرر کئے جنہوں نے بڑی مستعدی کے ساتھ اپنے فرائض منصبی کو ادا کیا۔

جھجار نے جب شاہی فوج کے اس طرف بڑھنے کی خبر سنی تو اُسنے بہت سے سوار و پیادہ اطراف و جوانب راہوں پر متعین کئے اور کئی ہزار آدمی رستہ کے دائیں بائیں گھاٹیوں اور گنجان درختوں کے کمینگاہوں میں بٹھا دیئے تاکہ جس وقت شاہی لشکر اس طرف سے گذرے یہ لوگ سد راہ ہو کر کمینگاہوں سے تیر و تفنگ کا مینہہ برسائیں اور جب وہ سراسیمگی اور بے سروسامانی کے ساتھ بھاگیں تو رسالے کمینگاہوں سے نکلکر اُنپر ٹوٹ پڑیں اور خود پانچہزار خونریز سواروں کو لیکر قلعہ اوندچہ میں محصور ہو گیا۔

قلعہ اوندچہ جب ایک منزل رہ گیا تو شہزادہ عالمگیر نے ایک سردار کو تھوڑی سی فوج دیکر آگے روانہ کیا۔ تاکہ لشکر کے لئے کوئی محفوظ اور امن کا مقام معین کر رکھے جب یہ مختصر سی فوج اس جنگل میں داخل ہوئی تو کمینگاہوں کے رسالوں نے دفعۃً سردار پر چھاپا مارا لیکن اسنے نہایت استقلال سے مقابلہ کیا اور ایک قاصد کو دوڑایا جس نے شہزادہ عالمگیر کو اس واقعہ کی خبر دی۔ شہزادہ نے جھجار کی یہ دغا معلوم کی تو نہایت طیش میں آکر اُن کے سر پر پہنچا اور اس غضبناکی سے حملہ کیا کہ تمام لوگ پریشان ہوگئے بہت سے کفار مارے گئے اور بقیۃ السیف کمین گاہوں اور پہاڑوں کی تیرہ و تاریک گھاٹیوں میں جا چھپے۔ اگرچہ اب بظاہر اس سرزمین میں کوئی شخص شہزادہ عالمگیر کا سد راہ نہ تھا تاہم اُسنے نہایت احتیاط و حزم سے کام لیا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ ان صعب اور دشوار گذار گھاٹیوں کو طے کر کے قلعہ اوندچہ پر قبضہ حاصل کرنا کچھ آسان کام نہیں ہے ہزاروں گنجان درختوں کے جھنڈ اور صدہا غار و کھنڈ طے کرنے پڑتے ہیں جو نہایت ہی پرخطر اور ہولناک ہیں۔ شہزادہ نہایت تدبیر سے چلا بڑے بڑے نامور اور مشہور فوجی افسر

جو اسکی ہمرکاب تھے اُن کو خاص خاص حصّوں پر متعین کیا اور سب کو عام منادی کردی
کہ جو لوگ حلقۂ اطاعت میں آتے جائیں اور لڑائی کے ہتیار ڈالدیں اُنہیں امن وامان
دیا جائے اور جو اطاعت قبول نہ کریں اُنہیں فوراً قتل کردیا جائے چنانچہ بڑی بیرحمی اور
سفاکی سے ان احکام کی تعمیل ہوئی اور ہزاروں آدمی خون کے دریا میں نہلائے گئے۔
جو لوگ پہاڑوں کی گھاٹیوں اور کمینگاہوں میں بیٹھے تیروں کا مینہہ برسا رہے تھے اُن سے
شاہی فوج کو اگرچہ بہت کچھ نقصان پہنچا مگر عالمگیری ماتحتی فوج نہایت دلیری سے لڑی
اور دشمنوں کو ڈہونڈ ہکر قتل کرنے لگی۔ تین روز تک برابر قتل عام رہا۔ اور بقیۃ السیف
عاجز ہو ہو کر شہزادہ کی پناہ میں آتے گئے۔ اب صرف یہاں کے اوباش و عیار لوگ باقی
رہ گئے تھے جو عالمگیری فوج کے سدراہ تھے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ ان کے زیر کرنے
میں جن مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا اُن سے بڑے بڑے تجربہ کار افسروں کے دل ہٹ گئے
قلعہ اوندچہ سے تین میل ورے ایک کھُلے میدان میں اس دلیری سے مقابلہ کیا کہ عالمگیر
کی بہت سی فوج ضایع ہوئی اور کئی مشہور افسر مارے گئے۔
الغرض شہزادہ عالمگیر عیاروں کے گروہ کو زیروزبر کرتا ہوا اُس مقام پر پہنچ گیا جہاں سے
قلعہ اوندچہ صرف ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر تھا شاہی فوج نے اسی مقام پر پڑاؤ ڈالدیا
اور راجہ دیبی سنگھ ہراول نے بڑی جرأت کے ساتھ قلعہ پر حملہ کیا اور پہلے ہی حملہ
میں جھجار کے بہت سے مورچے فتح کرکے قلعہ کی عین دیوار کے نیچے پہنچ گیا اور تین طرف کا
محاصرہ کرکے باقاعدہ فوجیں ڈالدیں عام گذرگاہوں پر جنگی پہرے بٹھا دیئے اور تاکیدی
حکم دیا کہ باہر سے رسد کی کوئی چیز نہ آنے پائے جھجار اپنے پانچہزار ہمراہیوں کو لئے ہوئے
قلعہ کی فصیلوں پر موجود تھا اور ہر طرف سے تیروں اور آتش بار گولوں کا مینہہ شاہی
فوج پر برسا رہا تھا۔ رانی پاربتی بھی مُنہ پر نقاب ڈالے اور بدن پر مردانہ ہتیار لگائے ہوئے
جھجار کے پہلو میں موجود تھی اور محاصرین کے پرزور حملے بڑی سرگرمی سے روک رہی تھی

تھی۔ سچ یہ ہے کہ اس وقت پاربتی نے اپنی فطری شجاعت و بہادری کے وہ جوہر دکھلائے جس سے بڑے بڑے بہادروں کے منہ پھر گئے۔ محاصرہ کے زمانہ نے گو بہت طول کھینچا اور شاہی لشکر ہزاروں نئی نئی تدبیریں چلا مگر رانی پاربتی کی اصابت رائے اور بے مثل شجاعت نے اسکی تمام تدبیروں خاک میں ملادیں اور متواتر گولہ بازی اور آئے دن کے زبردست شب خونوں نے لشکر شاہی کے حوصلہ پست کر دیتے۔ رانی پاربتی کی شجاعت کی یہ پہلی نظیر ہے کہ وہ اپنے باڈی گارڈ کو ساتھ لیکر آگے بڑھی اور قلعہ کے دروازہ کی اوٹ میں ہوکر تین روز تک برابر حملہ آور فوج پر گولے بازی کرتی رہی آخر کار شہزادہ عالمگیر بہت سے جلادت پیشہ اور خونریز سواروں کو ساتھ لیکر آگے بڑھا اور اپنی بیدار مغزی اور صابت تدبیر سے محصورین کو پریشان کر دیا ایک رات جبکہ شاہی فوج پر شب خون مارنے کی غرض سے قلعہ سے نکلا اور تمام فوج کو سانوٹا کر کے باہر لایا رانی پاربتی بھی اپنی قسمت کے آخری فیصلہ کے لئے جسم پر ہتیار لگائے ہوئے ایک چپل بیکر گھوڑے پر سوار ہوکر نکلی۔ اور بڑے زور سے حملہ آور فوج پر جاپڑا مارا اتفاق سے عالمگیر اس وقت اپنے خیمہ میں بیٹھا ہوا کچھ لکھ رہا تھا جوں ہی اس نے گھوڑوں کی ٹاپوں کی خوفناک صدائیں سنیں فوراً چونک پڑا اور جھٹ مسلح ہوکر خیمہ سے باہر نکلا دیکھا تو شاہی فوج دشمنوں کے گھوڑوں کی ٹاپوں میں پامال ہو رہی اور دھڑا دھڑ قتل کی جا رہی ہے۔ یہ ایک ایسا نازک اور خطرناک وقت تھا کہ کیسا ہی بہادر اور جری شخص ہوتا اسے اپنی جان بچانے اور بھاگ جانے کے علاوہ اور کچھ کرتے ہی بن نہ آتا لیکن وہ تو عالمگیر ہی ایک ایسا بہادر اور غیور آدمی تھا جس نے بڑے استقلال اور ثابت قدمی سے کام لیا۔ اس جری اور نامور شہزادے کی غیرت و حمیت نے گوارا نہیں کیا کہ خود تو جان بچا کر چلا جائے اور غافل لشکر کو کھیرے ککڑی کی طرح کٹوائے اسنے ایک بڑے رعب و دہشت کی آواز میں للکارا کہ او دغا باز جہار سامنے آ اور اپنی شجاعت

نے جوہر دکھائے اِتنے میں غافل فوج مسلح ہو کر طیار ہو گئی اور شہزادہ عالمگیر اپنی تمام فوج کو ساتھ لیکر لشکر غنیم پر پل پڑا پہلے ہی حملہ میں جھجار اور اُسکے ہمراہیوں کے قدم اکھڑ گئے اور سخت معرکہ کے بعد اُسے مجبوراً پیچھے ہٹنا پڑا۔ اسمیں شبہ نہیں کہ اس معرکہ میں شاہی فوج بہت ضایع ہوئی لیکن حقیقت یہ ہے کہ اسی ایک آمنے سامنے کی لڑائی نے بر قسمت جھجار کی جنگ کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دیا اور اُسکے بعد پھر اُسے شاہی فوج سے مقابلہ کرنے کی کبھی جرات نہیں ہوتی۔ اگر صرف آدہ گھنٹہ وہ میدان میں اور ٹھیر جاتا تو ابھی اسکی قسمت کا آخری فیصلہ ہو جاتا مگر خیر یہ ہوئی کہ فوراً قلعہ بند ہو گیا اور معرکہ سے اپنی جان بچا کر لے گیا۔

صبح ہوئی تو جھجار نے برقندازوں کی کثیر جماعت ایک راجپوت افسر کی ماتحتی میں تعینات کی اور نقد و جواہر کے خزانوں میں سے جس قدر ساتھ گھوڑوں پر لیجا سکا لاد لیا اور اہل و عیال کو ہمراہ لیکر دہاموتی کی جانب نکل کھڑا ہوا۔ جو نہایت مستحکم و مضبوط مقام تھی اور اسی کے باپ راجہ نرسنگھ دیو کی بنوائی ہوئی تھی۔ شاہی فوج میں جب اُسکے بھاگ جانے کی خبر پھیلی تو فتح کے نقارے پر اس زور سے چوٹ پڑی کہ اُس ولایت کے دل باختوں کے کلیجے ہل گئے۔ اور قلعہ کی بنیادوں میں تزلزل پڑ گیا۔ قلعہ کش بہادروں نے تین رات دن کے تردد اور کوشش کے بعد قلعہ فتح کیا اور بڑے سخت معرکے کے بعد مشرقی دروازہ سے شہزادہ عالمگیر مع لشکر کے داخل قلعہ ہوا۔ جنوبی دروازہ پر علم اسلام نصب کیا گیا اور قلعہ کی فصیل پر آذان دی گئی جس کی باجادو جلال صدا نے کافروں کے دل دہلا دیئے۔ عالمگیر نے قلعہ کا انتظام کر کے اُسے راجہ دیبی سنگھ کو حوالہ کیا اور خود قلعہ دہاموتی کی طرف بڑی تیزی سے بڑہا۔ دو پڑاؤ کر کے تیسرے روز لشکر دہاموتی کے وسیع جنگل میں پہنچا اور دمدموں کے درست کرنے اور نقبوں کے کھودنے میں بڑی سرگرمی کے ساتھ مصروف ہوا۔ ہر چند کہ اس سرزمین کی سطح ایسی سخت تھی کہ بجز آہن فولاد کے

اور کوئی چیز اسمیں اثر نہ کرتی تھی۔ تاہم کوہ کن بہادروں نے کمر ہمت چست باندھکر بہت تھوڑے عرصہ میں سلسلہ ساز و سامان ٹھیک ٹھاک کر لیا محصورین باوجودیکہ دل برداشتہ ہر طرف سے مایوس تھے مگر تو بھی اپنی بانی سے باز نہ آتے تھے اور آتش فشاں آلات اور منجنیقوں کے ذریعہ سے پتھر پھینکنے میں کمی نہ کرتے تھے۔ شب و روز شاہی فوج پر آگ برستی تھی اور سینکڑوں آدمی روزانہ ضایع ہوتے تھے۔ آخر کار شاہی فوج نے تنگ ہوکر ہوش ربا کمندیں اور سامان پایہ زینے مہیا کرکے باہم تجویز کی کہ آج شب کو جس طرح بن پڑے قلعہ پر چڑھ جانا اور یک دم سے یورش کرنا چاہیئے۔ دل باختہ جھجار کو یہ خبر پہنچی تو اُس کے رہے سہے ہوش و حواس جاتے رہے اور ایک وکیل کو روانہ کرکے طالب پناہ ہوا۔ ابھی فوجی افسروں کے کانوں میں گفتگوے صلح کی آواز نہ پہنچی تھی کہ بہادران روہیلہ اور نظر بہادر اپنے شجاعت کے فطری جوش کو ضبط نہ کرسکے اور جنوبی حصّہ کی طرف سے قلعہ میں پہنچکر دروازہ میں آگ لگادی اور بہت سے جانباز سردار دلیرانہ قلعہ میں گھس گئے۔ جھجار سنگھ انتہاے یاس اور سراسیمگی کی حالت میں قلعہ سے باہر نکل آیا۔ اور تاریک رات میں درختوں کے جھنڈوں میں سے ہوتا ہوا ایک طرف کو بھاگ کھڑا ہوا۔

خاص قلعہ میں سخت معرکہ ہوا اور اگرچہ تھوڑی دیر میں صداے دار و گیر اور محصورین کے تردد کی آواز خاموش ہوگئی مگر چونکہ شہزادہ عالمگیر کو بدنصیب جھجار کے فرار ہونیکی خبر پہنچ چکی تھی اس لئے اُس نے تمام لشکر میں عام منادی کرادی تھی کہ دن نکلنے سے پہلے قلعہ میں داخل نہ ہونا چاہیئے۔ غارت پیشہ لوگ جو سیلاب کی طرح قلعہ میں داخل ہونے کے لئے بیقرار تھے اپنے سرداروں کا حکم بالاے طاق رکھکر قلعہ میں گھس گئے اور تاخت و تاراج میں بیشدستی کو غنیمت جانا جس قدر نقد و اسباب قلعہ میں موجود تھا لوٹ لیا گیا اور عورتیں بچے سب قید کر لئے گئے۔ خاندوراں خاں کو خبر ہوئی تو وہ ایک فوجی دستہ کو ساتھ لیکر قلعہ میں آیا اور اُسنے اس بیرحمی کو پسند نہ کرکے غارتگری

سے منع کیا۔ خاندوراں خاں ہنوز قلعہ ہی میں تھا کہ مشرقی برج سے ایک بلند صدا پیدا ہوئی
جس سے قلعہ کی تمام دیواریں گونج اٹھیں دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ اہل قلعہ کی ایک
جماعت کثیر فرصت فرار نہ پاکر تیغ اجل کا انتظار کھینچ رہی ہے۔ محمد جعفر کا فرزند محمد اصغر
ان کی گرفتاری کو آگے بڑھا ہر چند کہ خاں دوراں خاں نے تاریکی شب کا عذر کرکے
اُسے بہت روکا مگر کچھ فائدہ نہیں ہوا۔ جس طرف سے یہ صدا پیدا ہوئی تھی وہاں
باروت خانہ تھا جب یہ نوجوان مشعل لیکر اُس طرف کو بڑھا تو مشعل کا گل باروت خانہ میں
گر پڑا اور اُسمیں آگ لگ کر نمونہ محشر برپا ہو گیا۔ قلعہ کا برج اور قریباً اسی گز دیوار اُڑ گئی
اور دو آدمی جو وہاں موجود تھے جلکر خاک ہو گئے۔ برج اور دیوار کے گرنے سے تقریباً
سو راجپوت جو قلعہ کے باہر برج کے نیچے کھڑے ہوئے تھے دبکر مر گئے۔ الغرض دوسرے روز
خاندوراں خاں مدفون خزانوں کے تفحص اور ضبط اموال میں مصروف ہوا اور جابجا آدمی
تعینات کئے۔ تھوڑی دیر میں لوگوں نے آکر خبر دی کہ فلاں جنگل میں ظروف نقرہ اور سونے
روپے سے بھرا ہوا کنواں پایا گیا ہے خاندوراں خاں وہاں پہنچا اور دوسرے کنوؤں
کی جستجو میں مشغول ہوا اس کے علاوہ تین اور کنوئیں زر و نقد سے لبریز دستیاب ہوئے
شہزادہ عالمگیر نے خان جہاں کو حکم دیا کہ وہاں پہنچکر کافی بندوبست کرے اور خود
خاندوراں خاں اور عبداللہ خاں کو ساتھ لیکر جھجار سنگھ کے تعاقب میں بڑھا جھجار سنگھ
قلعہ دھاموتی سے فرار ہو کر شاہ پور میں پہنچا اور جب یہاں بھی اُسے چین سے بیٹھنا
نصیب نہیں ہوا تو اُسنے قلعہ کو توپوں سے اڑا دیا اور تمام عمارات اور اثاث البیت
کو جسے ساتھ ساتھ لئے پھرنے سے عاجز ہو گیا تھا جلا کر خاک سیاہ کر ڈالا۔ البتہ جواہر
اور کچھ زر و نقد اور کچھ سونے روپے کے ظروف لیکر صرف دو ہزار سواروں کے ساتھ
رات کے وقت دیوگڈھ کی جانب روانہ ہوا۔ اہل و عیال کو بڑے بڑے قیمتی ہاتھیوں
اور راہوار گھوڑوں پر سوار کیا اور بار برداری کے سامان کے ساتھ اُنہیں رہنے کا

حکم دیا۔ ادھر خاندوراں خاں اور عبداللہ خاں تعاقب کرتے ہوئے شاہ پور میں پہنچے
اور جو چیز یہاں باقی رہ گئی تھی ضبطی میں کر کے جھجار کے عقب میں روانہ ہوئے غرضکہ
شہر بشہر اور قصبہ بہ قصبہ کامل پندرہ روز تک رات دن جھجار کا تعاقب کرتے رہے اور
آخرکار عین غروب آفتاب کے وقت ایک موقع پر جھجار سنگھ شاہی فوج کے نرغے
میں آگیا۔ جب تک درمیان میں کچھ فاصلہ رہا دونو فوجیں تیر و نیزے سے کلہ بکلہ اور
سینہ بسینہ جواب دیتی رہیں۔ لیکن آخرکار برچھوں اور نیزوں کو چھوڑ کر دونوں نے
تلواریں علم کر لیں اور سخت گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ اس وقت رانی پاربتی نے اپنی شجاعت
و بہادری کے جو قابل تعریف نمونے دکھائے وہ تواریخ میں آجتک جلی حرفوں میں لکھے
نظر آتے ہیں۔ اس مردانہ ہمت عورت نے اس موقع پر وہ تیغ رانی کی جو کسی بہتر سے بہتر
شجاع مرد سے ممکن نہ تھی جس طرف تلوار چلاتی تھی ایک دو سر ضرور زمین پر لڑھکتے نظر
آتے تھے۔ غرضکہ اس کوشش کشش میں رات ہو گئی اور عزت باختہ جھجار سنگھ اور
اس کا فرزند بکرماجیت دونوں اہل و عیال اور مال و متاع کو چھوڑ کر فرار ہو گئے
رانی پاربتی اور دوسری رانیاں اور تمام اہل و عیال شاہی فوج کے ہاتھوں میں
گرفتار ہوئے اور مرصع آلات و جواہرات اور زر و نقد سب شاہی فوج کی ضبطی میں
آیا۔ خان دوراں خاں کو جب جھجار اور بکرماجیت کا سراغ نہیں ملا تو اسے سخت افسوس
اور افسوس کے ساتھ بیحد ملال ہوا مگر چونکہ اب گھوڑوں اور آدمیوں میں کچھ بھی جان
باقی نہ رہی تھی اس لئے ناچار ہو کر اس نے ایک وسیع تالاب کے کنارے فوج کا پڑاؤ
ڈالدیا اور بالا بالا جھجار اور اسکے فرزند بکرماجیت کی تحقیق خبر میں سراغ لگانے لگا
صبح ہوئی تو دونوں کے سر لائے گئے خاندوراں خاں نے فتح قلعی کے شادیانے
بجنے کا حکم دیا اور جہاں پناہ کو ان مختصر لفظوں میں نامہ فتح لکھا کہ دو دن سے جہاں پناہ
کے اقبال سے فتح قطعی حاصل کی جھجار اور اسکے فرزند بکرماجیت کے سر میرے

سامنے ہیں اور اسکی مہر انگشتری میری انگلی میں ہے۔" قاصدوں نے اتنی دور دراز مسافت جو پانسو فرسنگ سے کم نہ تھی چھ دن میں طے کی اور ساتویں روز شاہجہاں کے دربار میں حاضر ہوئے۔ دو دن کے بعد جھجار اور بکرماجیت کے سر پہنچے اور بنظر عبرت تمام آگرہ میں تشہیر کرا کے سرا کے دروازہ پر لٹکائے گئے۔ رانی پاربتی اور جھجار کی تمام اہل و عیال جو شاہی فوج کی گرفتاری میں تھی عین اُس وقت بادشاہ کے حضور میں پیش کی گئی جبکہ شاہانہ جشن کی مجلس مرتب تھی بادشاہ نے اول رانی پاربتی پر اور پھر اور لوگوں پر اسلام پیش کیا اور اُنہوں نے بڑی خوشی کے ساتھ قبول کیا اسپر بادشاہ نے انہیں خلعت فاخرہ عنایت فرمایا اور حرم سرا میں داخل کر لیا۔

رانی تارابائی

یہ اصل میں رام راجہ کی چہیتی رانی تھی جو عقل و فراست اور زیرکی و دانائی میں شہرہ آفاق تھی۔ رام راجہ سنبھا۔ تعلقہ دار کا حقیقی بھائی تھا جس نے شہنشاہ عالمگیر سے بغاوت کر کے شاہی فوج کو بے اندازہ نقصان پہنچایا۔ اور تقریباً دو سال تک بڑی جرات و بیجگری کے ساتھ معرکہ آرا ہوا۔ آخر کار ۱۱۰۰ہجری میں مرہٹوں کے دس ہزار خونخوار سواروں نے شاہی فوج پر حملہ آور ہوا اور ایک عظیم الشان معرکے کے بعد عالمگیر فوج کے ہاتھوں میں گرفتار ہو کر سزائے قتل کو پہنچا۔ سنبھا کے قتل ہونے کے بعد رام راجہ اپنے تعلقہ کو چھوڑ کر بیار کے پہاڑوں اور جنگلوں میں جا چھپا اور ایک عرصہ تک پہاڑوں کی دشوار گزار گھاٹیوں اور پُر خطر صحراؤں میں زندگی بسر کرتا رہا۔ جس زمانہ میں شہنشاہ عالمگیر صوبہ بہار کی طرف متوجہ ہوا اور قلعہ ستارہ کی تسخیر کے لیے عظیم الشان فوج لیکر چڑھا۔ تو رام راجہ یہ خبر سنکر بہت سے مرہٹوں کو ساتھ لیکر ادہر روانہ ہوا اور تمام قصبہ جات اور معمور پرگنوں کو تاخت و تاراج کرتا ہوا برار تک آ پہنچا۔ اس وقت رام راجا کی ہمراہی میں بارہ ہزار سوار تھے

جو ہمیشہ پیشہ کے طور پر تاخت و تاراج کرتے رہتے تھے۔ برار کے کھلے ہوئے میدان میں دونوں فوجیں صف آرا ہوئیں اور سخت معرکہ ہوا۔ اس اثنار میں دیوگڈہ کا زمیندار جو منافقہ وطن اور دیگر ورثہ کے غلبہ کے سبب سے عالمگیر کی پناہ میں آکر بشرف باسلام ہو چکا تھا۔ اور بلند بخت کے لقب سے مشہور ہو کر ایک مدت تک دربار کے معزز اور ممتاز لوگوں میں شمار کیا جاتا رہا۔ رام راجا کے برار میں آنے اور فوج شاہی سے مقابلہ کرنے کی خبر سنکر فرار ہو گیا۔ اور دیوگڈہ میں پہنچکر بہت سا زر و نقد تحصیلداروں سے وصول کر کے رام راجا سے جا ملا۔ دونوں نے اتفاق کر کے غارتگری کے ہاتھ کھولے اور ہر طرف فساد و خرابی کی آگ بھڑکا دی۔ عالمگیر کو جب یہ معلوم ہوا تو اُسنے شہزادہ بیدار بخت کو حکم دیا کہ اپنی شائستہ اور سفاک فوج کو رام راجا اور بلند بخت کی تنبیہہ کے لئے جسے اب نگون بخت کے نام سے پکارا جاتا تھا آگے بڑہے اور جب بیدار بخت کی فوج آراستہ ہو کر برار سے نکلی تو شہنشاہ نے تاکیدی حکم دیا کہ مرتضےٰ آباد میں اپنی بار برداری اور سامان زاید کو چھوڑ کر بطریق یلغار مسافت طے کرے اور نہایت عجلت کے ساتھ دشمنوں کا تعاقب کر کے ان کے قتل و قید میں سرگرمی ظاہر کرے۔

شہزادہ بیدار بخت ایک عظیم الشان فوج لیکر آگے بڑھا اور دشمنوں کا تعاقب کرتا ہوا دور تک نکل گیا۔ اگرچہ دو ایک موقعوں پر دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا مگر رام راجا کسی جگہ جمکر نہیں لڑا۔ بلکہ ایک شہر سے دوسرے شہر اور ایک جنگل سے دوسرے جنگل کی طرف بھاگتا رہا۔ انجام کار برار کے کوہستان میں اپنی طبعی اجل سے مرگیا اور دنیا کے ان تمام خرخشوں سے چھوٹ کر اپنے اصلی ٹھکانے جا پہنچا۔ شہزادہ بیدار بخت جب رام راجا کے تعاقب سے اُکتا گیا اور اسکا کہیں سراغ نہیں چلا تو واپس چلا آیا یہاں مخبروں نے خبر دی کہ رام راجا برار کے فلاں جنگل میں دو رانیاں اور دو خورد سال لڑکے چھوڑ کر مرگیا۔ اس کے عقب سے یہ خبر بھی موصول ہوئی کہ اسکا بڑا لڑکا جو پانچ سال کا تھا اُسنے

مرض چیچک میں جان دی۔ رام راجا کے اوباش اور غارت گر ہمراہیوں نے اسکی بڑی رانی تارا بائی کو جو عقل و فراست اور ملک و فوج کی غور و پرداخت میں اپنے شوہر کی زندگی ہی میں شہرت رکھتی تھی اُس کا قایم مقام مقرر کیا ہے اور حکومت کی باگ اُس کے ہاتھ میں دیدی ہے لیکن رانی تارا بائی اس وجہ سے کہ وہ عقل و دانائی کا قیمتی جوہر رکھتی اور حزم و احتیاط اور عاقبت بینی و دور اندیشی سے کام لیتی ہے۔ کوہستان کی دشوار گزار پہاڑیوں اور مضبوط و مستحکم قلعوں سے باہر نکلنا پسند نہیں کرتی ہر چند کہ اُسکے اوباش ہمراہی جنہیں تاخت و تاراجی کی چاٹ لگ گئی ہے اور غارتگری اُن کی گھٹی میں داخل ہو گئی ہے۔ اُسے پہاڑیوں کی پُر خطر راہوں سے نکالنے پر آمادہ کرتے ہیں۔ مگر وہ اپنی عافیت اسی میں سمجھتی ہے کہ بقیہ زندگی جنگل و صحرا ہی میں بسر کر دے۔

رانی تارا بائی اگرچہ قوم کی عورت تھی اور اُسکے دل میں اسلام اور اہل اسلام کی دشمنی گھسی ہوئی تھی۔ مگر تاہم اس کے تمدنی اخلاق اور معاشرت عام ایسے برے نہ تھے وہ اپنی دانش افزو عقل سے اچھے برے میں ضرور تمیز کر سکتی اور حق و باطل میں فرق کرنیکی قوت رکھتی تھی۔ مگر افسوس اسکے گمراہ اور بے دین ہمراہیوں نے شہنشاہ عالمگیر کے مقابلہ میں اُکسا کر اُسے کہیں کا نہ رکھا اور ملک داری کا ہرا باغ دکھا کر اسکی آزاد جان کو مبتلائے مصیبت و عذاب کر دیا۔

الغرض شہنشاہ عالمگیر کو جب یہ خبر پہنچی تو اُسنے فتح کے شادیانے بجانے کا حکم دیا۔ اور ایک موذی کافر کے رفع شر کے شکرانے میں جس سے مخلوق میں عام بے چینی پھیلی ہوئی تھی شاہانہ جشن مرتب کیا اور بہایت شان و شوکت کے ساتھ فوج کی گودیاں زر و نقد سے لبریز کردیں ہوا خواہان دولت نے اپنی عقیدت مندی اور بہی خواہی کا ثبوت بڑے قیمتی اور وزنی لفظوں میں دیا اور اکثر ظاہر بینوں نے جو ارادہ کارخانہ الٰہی سے غافل تھے خدا پرست اور دین پرور بادشاہ کے شکر و تہنیت کے ترانے بڑے زور سے گائے

جس وقت رام راجا کا بھائی سنبھا فوج شاہی کے ہاتھوں میں گرفتار ہو کر سزا سے قتل کیا گیا تھا۔ اگرچہ رام راجا زندہ موجود تھا مگر تو بھی نا عاقبت اندیش لوگ اپنی کثرت اور جاہ و حشم پر اس درجہ مغرور تھے کہ دنیا و ما فیہا سے بےخبر ہو کر اسی قسم کے بیجا اور ناموزوں اترانے لگا کرتے تھے۔ اور خوش ہو ہو کر کہتے تھے کہ اب مادہ فساد دکن برطرف ہو گیا اور سارا میدان ہمارے واسطے صاف ہو گیا۔ خدا نے اُن کی یہ بیجا خوش فہمی اور ناز بیجا غرور پسند نہیں کیا۔ اور رام راجہ کے ہاتھ سے انہیں وہ تکلیفیں اور مصیبتیں پہنچیں جو ایک عرصہ دراز تک زمانہ کی یاد سے فراموش نہیں ہوئیں۔ مناسب تھا کہ یہ لوگ اسوقت اپنے اُن بیجا دعوؤں کو بھول کر شکر خدا بجالاتے اور اپنی موجودہ قوت اور نمایاں فتوحات پر بھروسہ نہ کرتے۔ لیکن یہ آدمی کی جبلی عادت ہے کہ ادنےٰ سی کامیابی پر پھولا نہیں سماتا اور اپنی بساط سے بڑھکر بڑے بڑے دعوے کر بیٹھتا ہے۔ چنانچہ اس موقعہ عالمگیری لشکر نے اپنی نمایاں فتوحات پر نظر کر کے انتہا سے زیادہ خوشی کے سامان فراہم کئے اور ادنےٰ سے لیکر اعلےٰ درجہ تک کے لشکری کی زبان پر جاری ہوا کہ اب مرہٹوں کی ہستی کی عمارت جڑ بنیاد سے ڈہے پڑی اور ان کی حکومت کا درخت کاٹ ڈالا گیا۔ دو شیر خوار بچے اور ایک بے دست و پا عورت کسی طرح ہمارا مقابلہ نہیں کرسکتے اور اب ہندوستان و دکن دونوں ہمارے قدموں تلے ہیں اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شہنشاہ عالمگیر اپنے زمانہ زندگی میں رانی تارابائی پر فتحیاب نہیں ہو سکا اور شاہی فوج وہ تین سلطنتوں تک برابر اسکی طرف سے مصیبتیں جھیلتی رہی چنانچہ تاریخ سے اس بات کا کافی ثبوت ملتا ہے کہ عہد عالمگیر سے لیکر زمانہ فرخ سیر تک رانی تارابائی اور مرہٹوں کی سلسلہ جنگ کا خاتمہ نہیں ہوا اور آئے دن کے طرح طرح کے خرخشے سر نکالتے ہی رہے جس سے فوج شاہی کو ایک دن اطمینان اور چین سے بیٹھنا نصیب نہیں ہوا۔

الغرض رام راجا کے مرنے کے بعد رانی تارابائی نے حکومت کی باگ اپنے ہاتھ میں لی

اور افسران مرہٹہ کی کوشش اور مشورہ سے برار کے کوہستان سے باہر نکلکر دکن کے ہر صوبہ میں بغاوت کی آگ بھڑکانے میں کوشش کی افواج مرہٹہ جو اس سے پیشتر جہاں بہاں بے سروسامانی کیوجہ سے مخفی ہو گئی تھی سب رانی تارابائی کے جھنڈے کے نیچے آجمع ہوئی۔ اور بدستور قدیم غارتگری کرنی شروع کی پرسرام نام جو ایک بڑا بہادر اور سعجری مرہٹہ تھا اور رام راجا کی طرف سے قلعہ برلی کا دیوان تھا۔ رام راجا کی موت کی خبر سُنکر فوج شاہی میں آملا بادشاہ نے اسے پناہ دی اور ایک معزز منصب پر مامور فرمایا۔ برلی کے قلعہ والوں نے جب یہ دیکھا کہ دیوان پرسرام نے شاہی فوج سے سازش کر لی ہے تو اُنسے اپنی جان کے لالے پڑ گئے۔ اور فوراً صلح کا پیغام دیا۔ مگر شہزادہ محمد اعظم شاہ نے قلعہ ستارہ کے فتح کرتے ہی پرلی کا محاصرہ کر لیا اور ایک عرصہ تک فوج شاہی تردد میں مصروف رہی دسویں ذیحجہ سنہ ۱۱۱۱ھ کو محصورین نے بڑے زور شور سے شاہی فوج پر حملہ کیا اور دلاوروں کی یورش سے بے انتہا آدمی شہید ہوئے۔ اگرچہ فتح اللہ خاں کی جان فشانی اور تربیت خاں کی کوشش نے محصورین کو بالکل تنگ کر لیا تھا۔ مگر شب و روز کی باراں شدید اور غلہ و گھاس کی رسد بند ہونے کی وجہ سے شاہی فوج نہایت پریشان اور بیدم ہو گئی تھی اور غلہ کی ناپیدی کی وجہ سے آدمیوں اور جانوروں میں اس قدر قوت باقی نہیں رہی تھی کہ کوئی ذی حیات جگہ سے حرکت کرنے کی طاقت رکھتا ہو۔ اسی وجہ سے قلعہ نشین گاہ بیگاہ شاہی فوج کو غافل پاکر قلعہ سے اتر آتے اور وقتاً فوقتاً شوخی و گستاخی زیادہ کرتے یہاں تک کہ فتح اللہ خاں کی آخری تدبیر اور کوشش سے محرم الحرام کی ابتدائی تاریخ میں ڈیڑھ مہینے کے بعد قلعہ فتح ہوا۔ اور اہل قلعہ امان شاہی میں داخل ہوئے۔

رانی تارابائی نے رام راجا کے مرنے کے ایک سال بعد اپنے سہ سالہ فرزند کو اسکے باپ کے قایم مقام قرار دیکر حکومت کے تمام کاروبار اور افسروں کی تغیر و تبدیل اور آبادی و ویرانی کی باگ اپنے ہاتھ میں لی اور چند ہی روز میں اپنی عقل اور دوراندیشی کے

زور سے تمام صوبہ دکن اور سرحد سرونج سے مندسور اور صوبہ مالوہ تک قابض ہوگئی۔ لشکر
کشی اور قلعہ گیری میں وہ وسعت پیدا کی کہ عالمگیر جیسا مقتدر بادشاہ اپنی زندگی میں اسپر
فتحیاب نہ ہو سکا اور کفار کی سرکشی کا مادہ باوجود ہزار کوشش کے قطع نہ کر سکا بلکہ جس قدر
شمشیر رانی اور خرچ کلی کرتا گیا مرہٹوں کی شوخی اور سرکشی زیادہ ہوتی گئی ۱۱۱۸ ہجری
میں شجاعت خاں کے واقعہ کے بعد جب احمد آباد کی صوبداری شہزادہ محمد اعظم شاہ کے
نامزد ہوئی تو اس سے بیشتر کہ شہزادہ وہاں پہنچے یا کوئی مستقل نائب مقرر کرے خواجہ عبدالحمید
خاں دیوان احمد آباد کے نام سند نیابت بھیجدی گئی تھی اور اسنے فوراً احمد آباد کا خاطر خواہ
بندوبست کر لیا تھا۔ اس اثنار میں تارا بائی سولہ ہزار سواروں کو ساتھ لیکر بندر سورت
پر چڑھ آئی اور خاص سورت اور اُسکے مضافات کو تاخت و تاراج کر کے احمد آباد کی طرف
بڑھی۔ دریائے نربدا کو جو احمد آباد اور بندر سورت کے مابین بڑے زور شور سے بہتا ہے
عبور کر کے شہر احمد آباد پر آدھمکی اور لشکر نے غارتگری کا ہاتھ کھولا۔ عبدالحمید خاں جو شہزادہ
محمد اعظم شاہ کا نائب مقرر ہوا تھا اُسنے نہایت عجلت کے ساتھ صوبہ احمد آباد کے تمام فوجداروں کو
جمع کیا اور باہمی مصلحت و اتفاق سے ایک بڑی جرار فوج محمد بیگ خاں اور نظر علیخاں اور
التفات خاں وغیرہ افسروں کی سرکردگی میں روانہ کی۔ یہ اکیس ہزار فوج تھی۔ جس میں
چودہ ہزار سوار۔ اور سات ہزار پیادہ تھے۔ تارا بائی نے جب شاہی فوج کو اپنی طرف
بڑھتے دیکھا تو اُسنے خاص احمد آباد میں مقابلہ کرنا مناسب نہ جانا لشکر کو پیچھے ہٹنے کا
حکم دیا اور نربدا کے اُس پار جا کر مورچے قایم کئے شاہی فوج نربدا سے عبور کر کے عین
کنارہ پر خیمہ زن ہوئی۔ اس وقت افواج مرہٹہ اور لشکر شاہی میں صرف سات میل کا فاصلہ
تھا دوسرے روز علے الصباح تین ہزار سوار قزاق پیشہ مکلف و آراستہ گھوڑوں پر سوار
ہو ایک طرف سے نمودار ہوئے فوج احمد آباد یہ دیکھکر مسلح ہو گئی اور بڑی تیزی کے
ساتھ حملہ کیا تقریباً دو گھنٹے تک سخت لڑائی رہی آخر کار لشکر غنیم نے شکست کھائی اور

فوج شاہی کے افسروں نے دو تین میل تک تعاقب کیا اسباب وخزانہ اور چند عمدہ گھوڑے اور بہت سے ہتیار غنیمت میں آئے اور نقارہ فتح بجاتے ہوئے لشکر گاہ کی طرف واپس پھرے۔

شاہی لشکر نہایت دلجمعی اور اطمینان کے ساتھ اپنے قیام گاہ پر واپس آیا تو اس خیال سے کہ ہم غنیم کو شکست فاش دے چکے ہیں ہتیار کھول ڈالے۔ گھوڑوں کی پشتوں پر سے زین اٹھائے۔ بعض پاؤں پھیلا کر آرام سے سو گئے اور بعض کھانا پکانے اور کھانا کھانے میں مشغول ہوئے کہ دفعتہً آٹھ ہزار سوار سیلاب بلا کی طرح لشکر شاہی پر ٹوٹ پڑے اور اس تیزی سے حملہ آور ہوئے کہ احمد آباد کی فوجیں ہتیار بھی نہ سنبھال سکیں صرف پیادوں کی جماعت مسلح تھی اور وہ نہایت ثابت قدمی سے لڑی اتنی فرصت پاکر تجربہ کار افسروں نے بھی ہتیار سنبھال لئے اور بڑے گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ لیکن جو لوگ ناتجربہ کار اور دکھنیوں کے دست برد سے ناواقف تھے ہتیار سنبھلنے اور مسلح ہونے کی فرصت نہ پاکر عقل و ہوش سے بیگانے ہو گئے اور کھیرے ککڑی کی طرح دھڑا دھڑ قتل کئے جانے لگے چونکہ ایک طرف دریائے نربدا بڑے زور شور سے بہ رہا تھا اور ایک طرف سیلاب فوج امڈا چلا آتا تھا لشکر شاہی میں تزلزل عام پیدا ہو گیا۔ اور اس تشویش میں بہت سے لوگ مجروح و مقتول ہوتے اور ایک کثیر جماعت دریا میں گر کر غرق ہو گئی۔ نظر علیخاں اور خواجہ عبدالحمید خاں چند مشہور سرداروں سمیت دشمنوں کے ہاتھوں میں گرفتار ہوئے۔ التفات علیخاں گھوڑے سمیت دریا میں کود پڑا۔ اور بدقت تمام پار ہو کر جان سلامت لے گیا۔ رانی تارابائی کے لشکر میں فتح کے شادیانے بج گئے اور افواج مرہٹہ نے غارتگری اور تاخت وتاراج کے حوصلے پورے کئے دوسرا روز ہوا تو فوج غنیم شہنشاہ عالمگیر کے خوف سے پیچھے ہٹ گئی اور بندر سورت میں اپنا ہیڈ کوارٹر قائم کر کے درستی سامان میں مصروف ہوئی۔

احمد آباد اور بندر سورت میں یہ ہنگامے برپا تھے اور شہنشاہ عالمگیر راگلبرہ کی معرکہ آرائیوں میں مصروف تھا وہ بڑے ساز و سامان سے لڑتا بھڑتا قلعہ تورنا تک پہنچ گیا قلعہ بنی شاہ گڈھ کا محاصرہ کیا اور شوال کی اخیر تاریخوں میں اسے فتح کر کے برباد کر دیا۔ قلعہ تورنا کے لوگوں نے خود اطاعت قبول کی اور وہ بے لڑے بھڑے فتح ہو گیا۔ روح اللہ خاں کے نامور فرزند خانزادہ خاں کو قلعہ سکرہ کی تسخیر کے لئے روانہ کیا جو فتح کے ساتھ مالک قلعہ کو بھی گرفتار کر کے ہمراہ لایا۔ اسیطرح قلیچ خاں بہادر اور تربیت خاں وغیرہ نے جو عالمگیر کے مشہور اور ممتاز افسروں میں تھے قلعہ رایچور پر فتح کے پھریرے اڑائے۔

شہنشاہ عالمگیر انہی کامیابیوں اور فتوحات کے بعد احمد آباد کو واپس آیا مگر جلوس کے انچاسویں برس کے آغاز میں یہ خبر سنکر کہ پریا نائک زمیندار نے واکنکیرا میں ایک بڑا مضبوط اور مستحکم قلعہ بنا کر اور بہت سی جمعیت فراہم کر کے علم بغاوت اونچا کیا ہے بڑے جوش اور غصہ کے ساتھ دوبارہ سکہ پر چڑھائی کی ادھر عالمگیری جھنڈے قلعہ واکنکیرا کی طرف اٹھے اور ادھر ملک کے بڑے بڑے فوجداروں اور ممتاز افسروں کی طلبی میں فرامین روانہ کئے گئے۔ فیروز جنگ کے فرزند رشید قلیچ خاں بہادر کو جو ان دنوں بیجاپور کی صوبداری پر متعین تھا اور نواح واکنکیرا کے پرگنات پر حکومت کر چکا تھا بایں مضمون فرمان لکھا گیا۔ "اپنی تمام فوجی طاقت اور جنگی ساز و سامان کے ساتھ حاضر خدمت ہو اور ما بدولت کے جلوہ آرا ہونے سے پیشتر قلعہ واکنکیرا کی نواح میں پہنچ جاؤ" ساتھ ہی بخشی الملک ذوالفقار خاں بہادر نصرت جنگ کو شقہ روانہ کیا گیا جس کا مضمون یہ تھا "ما بدولت قلعہ واکنکیرا کی تسخیر کے عزم سے اس طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ تمہیں مناسب ہے کہ اپنی تمام فوج و حشم کے ساتھ نہایت عجلت اور تیزی کے ساتھ قلعہ واکنکیرا کو روانہ ہو جاؤ۔ اسی طرح دیگر فوجداران عمدہ اور نامی گرامی افسروں کے نام فرامین جاری کئے گئے اور شوال ۱۱۱۶ھ ہجری کی

اخیر تاریخوں میں خود شہنشاہ عالمگیر بڑے سازوسامان اور فوجی تزک و احتشام کے ساتھ قلعہ ندکی کی طرف بڑھا۔ قلیچ خاں بہادر اور دیگر فوجی افسر بادشاہ سے دو روز پیشتر ہی مقام متعینہ پر پہنچ گئے تھے۔ سب نے ملکر بادشاہ کا بڑے جوش مسرت کے ساتھ خیر مقدم ادا کیا اور بڑی عجلت کے ساتھ جنگ کی تیاریاں کرنے لگے۔

شہنشاہ عالمگیر نے اپنے نامور فرزند محمد اعظم شاہ اور بیدار بخت اپنے پوتے سے کہا کہ آج تمہارے حوصلوں اور بہادریوں کے لیے دشمن کا وسیع ملک جولانگاہ ہے فتوحات کے لیے جس قدر ملک چاہو تمہاری نظروں کے سامنے ہیں دونوں نے نہایت ادب کے ساتھ سر جھکا لیا اور تلوار کا قبضہ پکڑے ہوئے لشکرگاہ میں چلے گئے۔ دوسرے روز قلیچ خاں کو حکم ہوا کہ اپنی فوج کو کمال ترتیب اور آراستگی کے ساتھ آگے بڑھائے اور ترتیب خاں محمد امین خاں اور دیگر جنگ آزما اور تجربہ کار بہادروں کی نسبت ارشاد ہوا کہ قلیچ خاں کی رفاقت میں رہیں اور جو کچھ وہ حکم دے سر مو انحراف نہ کریں اور قبل اسکے کہ ظالم وغدار پریا نانک کو کہیں سے مدد پہنچے قلعہ واکنکیرا کا فوراً محاصرہ کر لیں جہاں آشوب توپخانے مناسب موقعوں پر لگائیں اور مورچال اچھی طرح درست کریں پریا نانک کو شاہی فوج کے بڑھنے کی خبر ہوئی تو اُس نے قلعہ کی استحکامی اور مضبوطی میں انتہا درجہ کی کوشش کی اور غلہ کی فراہمی میں کوشش کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا متفرق اور پھیلی ہوئی فوج کو جمع ہو جانے کا حکم دیا اور تمام لوگ سب طرف سے سمٹ سمٹا کر قلعہ میں آ جمع ہوئے۔

رانی تارا بائی اور دیگر سرداران مرہٹہ کو اطلاع ہوئی تو وہ فوراً پریا نانک کی کمک میں بڑی سرگرمی ظاہر کی رانی تارا بائی نے اپنی تمام فوج میں سے دس ہزار سوار منتخب کئے جو سفاکی و خونریزی میں مشہور ہونے کے علاوہ بہت سے موقعوں پر فتح کا فخر حاصل کر چکے تھے بابنین میں صلح کے پیغام وسلام جاری ہی تھے کہ رانی تارا بائی دس ہزار

خونخوار سواروں کو ساتھ لیے ہوئے آموجود ہوئی اور آتے ہی آتشبار توپخانوں سے شاہی افواج پہ آگ کے گولے برسانے لگی یہ دیکھکر شاہی فوج جو ابھی تک بالکل ناسلح اور جنگ کے لئے ناتیار تھی حیرت زدہ ہوگئی۔ مگر ذوالفقار خاں بہادر کی فوج مسلح تھی۔ جسنے نہایت ثابت قدمی اور استقلال کے ساتھ دشمنوں کو کلے بکلے جواب دیئے۔ اتنی فرصت پاکر باقی فوج بھی درست ہوگئی اور قلعہ شکن توپوں کے فیر سے اہل قلعہ کے دل ہلا دیئے۔

دوسرے روز خود رانی تارا بائی اپنے خونریز اور سفاک سواروں کو ساتھ لیکر قلعہ سے باہر آئی اور ایک وسیع میدان میں دونوں فوجیں صف آرا ہوئیں جانبین کے بہادروں اور جانبازوں نے اپنی بیمثل اور لاثانی شجاعت کے خوب جوہر دکھائے اور تقریباً دو گھنٹے تک فوجی دریا بڑے زور شور سے لہریں لیتا رہا۔ یہ ایسا سخت معرکہ تھا جسے بڑے بڑے مسن اور تجربہ کاروں نے کبھی نہ دیکھا ہوگا۔ ہر طرف سے تلواروں کی شائیں شائیں کی آوازیں اور تیر و تفنگ کی سن سن کی صدائیں چلی آتی تھیں۔ اور بہادروں کے خون سے وہ لکھیرا کا سارا جنگل غرق سمندر بنگیا تھا۔ اس جنگ میں شاہی افواج کے بہت سے لوگ درجۂ شہادت کو پہنچے اور بیشمار فوج مجروح و زخمی ہوئی افواج مرہٹہ کو گو فوجی نقصان پہنچا مگر وہ فوج شاہی کے مقابلہ میں بہت کم تھا۔ اس لئے اپنی کامیابی کا پورا یقین تھا اور مغلوب ہونے کا خیال تک نہ تھا اسی بنا پر اُنہوں نے آج کی لڑائی کو کل کے لئے اُٹھا رکھا اور خوشی کے نعرے بلند کرتے ہوئے قلعہ میں واپس چلے گئے۔

اس لڑائی کا سلسلہ ایک عرصہ تک چلا گیا اور رانی تارا بائی کی کمک میں کامل ایک مہینے تک فوجی تانتا برابر بندھا رہا۔ روزانہ دونوں فوجیں نہایت جوش کے ساتھ ایک دوسرے پر حملہ آور ہوتی تھیں اور ہزاروں بہادروں کے خون سے زمین سرخ ہوتی تھی یہاں تک کہ ایک روز محمد امین خاں اور تربیت خاں اور قلیچ خاں بہادر اور عزیز خاں روہیلہ قلعہ کے گرداگرد گھومتے ہوئے ایک بڑی اونچے پشتہ پر پہنچے جو لال ٹیکری کے ساتھ

شہرت رکھتا تھا۔ یہاں برقنداز وں کی ایک کثیر جماعت سے سخت معرکہ ہوا جو اس جگہ کی
نگاہبانی پر تعینات تھی اہل قلعہ نے یہ خبر پاکر بڑے جوش سے لال ٹیکری کی طرف رخ کیا
اور دفعۃً تمام میدان میں فوجیں پھیلا دیں عین موقع پر شاہی لشکر بھی پہنچ گیا اور قریب
تھا کہ لال ٹیکری پر اسلامی پھریرا اڑایا جائے۔ لیکن رانی تارا بائی ایک فوج کثیر کے ساتھ
آپہنچی اور قلعہ کے اندر و باہر لوہر طرف سے دشمن سیلاب بلا کی طرح ٹوٹ پڑے
شاہی فوج خود محاصرہ میں آگئی۔ عزیز خاں روہیلہ جو شاہی فوج کے پیش پیش تھا
بڑا مدبر اور بے مثل بہادر تھا۔ اُسنے نہایت عجلت کے ساتھ اپنی فوج کی حفاظت کیلئے
ایک بڑی خندق طیار کرائی۔ اور اُس سے کچھ فاصلہ پر بہت سے عمیق گڑھے کھدوائے
اور اُنپر گھاس پھونس بچھوا دی رانی تارا بائی کی فوج نے بڑے جوش سے حملہ کیا۔ اور
نہایت تیزی کے ساتھ آگے بڑھی مگر جس قدر آگے بڑھی اپنی ہی لاشوں سے گڑھوں کو
بھرتی گئی۔ یہ مہم تو سر ہو گئی مگر دوسرے ہی روز پھیا نانانک ایک بڑی سنگین فوج لیکر
رانی کی مدد میں آپہنچا اور شاہی افواج کی پشت پر سے حملہ آور ہوا محمد امین خاں۔ اور
تربیت خاں وغیرہ نے مجبور ہو کر لال ٹیکری سے ہاتھ اُٹھایا اور چاہا کہ اپنے قیام گاہ
میں واپس چلے آئیں۔ لیکن مرہٹہ فوجوں نے تمام رستے روک لئے باوجودیکہ شہنشاہ عالمگیر
نے شہزادہ محمد کام بخش کو مع امیر الامرا اسد خاں اور دیگر نامور افسروں کے محمد امین خاں
اور تربیت خاں وغیرہ کی کمک کے لیے روانہ کیا اور ان لوگوں نے پہنچکر رستانہ جنگ کی
لیکن دشمنوں نے ان کے قدم جمنے نہیں دیے۔ جانستاں گولوں کے متواتر اور پے
در پے برسنے سے شاہی فوج کے بہت لوگ ضائع ہوئے اور بان کے صدمے سے
محمد امین خاں اور تربیت خاں کے گھوڑے ہلاک ہو گئے اِن دونوں بہادروں نے
پاپیادہ حملہ کیا اور بڑی جانبازی کے ساتھ دشمنوں کی فوج میں تہلکہ ڈالدیا اور تین روز
میں بڑے کشت و خون کے بعد لال ٹیکری کو چھین لیا۔ تیسرے روز حمید الدین خاں

یہاں جانباز دلاوروں کی ایک جماعت لیکر دوسرے پشتہ پر جو پینٹھہ بازار کے مقابل واقع تھا جا پہنچا اور بہادرانہ تردد کے ساتھ ایک کثیر جماعت کو خون میں نہلا کر قابض ہوگیا۔ مفسدوں کی جماعت جو پشتہ لال ٹیکڑی پر پھیلی ہوئی تھی سب طرف سے سمٹ کر حمید الدین خاں کے مقابلہ میں آگئی اور جانبین سے تیر و تفنگ کا مینھہ برسنے لگا۔ اسی اثنار میں سلطان حسین عرف میر ملنگ محمد کام بخش کی فوج کو ہمراہ لیکر حمید الدین خاں کی مدد کو آپہنچا۔ اور بڑے معرکہ کی لڑائی ہوئی۔ مسلمانوں کی جانبازیوں اور رستمانہ حملوں نے کفار کو پریشان کردیا اور قریب تھا کہ قلعہ واکنکیرا پر اسلامی جھنڈا گڑ جائے لیکن اس خبر کی اشاعت نے شاہی فوج کے حوصلے پست کر دیے کہ بداندیش مرہٹوں کی فوج سنگین رانی تارا بائی کی امداد میں آپہونچی ہے۔

دوسرے روز دہنا جادو اور ہندو راؤ جن کے اکثر رشتہ دار اور زن و فرزند قلعہ واکنکیرا میں محصور تھے نو ہزار سوار اور بے شمار پیادوں کی جمعیت کے ساتھ دور سے نمودار ہوئے اور فوج کے برابر کے دو حصے کرکے ایک حصہ شاہی لشکر کے مقابلہ میں لا کھڑا کیا۔ اور دوسرا حصہ قلعہ واکنکیرا کی طرف متوجہ ہوا جو نہایت چستی اور چالاکی کے ساتھ محصورین کو باہر نکال لایا اس وقت شاہی افسروں کو سخت مشکل درپیش تھی اور لڑائی کا یہی موقعہ نہایت اندیشناک اور پرخطر تھا۔ افواج مرہٹہ چاروں طرف مور و ملخ کی طرح پھیلی ہوئی تھی اور ہر جانب سے گولوں اور تیروں کا مینھہ برس رہا تھا۔ خود عالمگیر اور اُس کے افسروں نے اس جنگ میں وہ دقتیں اُٹھائیں جو بڑے بڑے معرکوں میں نہیں اُٹھائی تھیں۔ محصورین کے لیجاتے وقت اُن لوگوں نے اس دلیری سے مقابلہ کیا کہ شاہی فوج کے بے شمار لوگ ضایع ہوئے۔ اور چند مشہور اور نامور افسر مارے گئے۔ مورخین کا بیان ہے کہ دکن کی مہموں سے لیکر آجتک عالمگیر کو کبھی ایسی سخت لڑائی کا سامنا نہیں ہوا تھا مگر پھر بھی قلیچ خاں بہادر اور حمید الدین خاں کی جانبازیوں نے دم

کارنمایاں کئے اور فطری شجاعت کے جوہر دکھائے کہ آجتک تاریخی صفحات میں جلی حرفوں سے نظر آتے ہیں۔

وہ تین روز تک جانبین سے متواتر اور پے در پے حملے ہوتے رہے آخرکار راجہ وہناجادو اور ہندوراؤ نے رانی تارابائی کو پیغام دیا کہ ہم اور تم باہمی رفاقت واعانت سے چاہے کتنی ہی کوشش کریں اور بادشاہی فوج کے مقابل میں انتہا سے زیادہ ہاتھ پاؤں ماریں لیکن میدان جنگ سے جانبر ہونا مشکل اور سخت مشکل ہے بہتر یہ ہے کہ بادشاہ کی اطاعت قبول کریں اور اپنے موروثی ملک عجز اور فرمانبرداری سے محفوظ رکھیں یہ ظاہر امر ہے کہ ہماری فوجی قوت اور مالی طاقت کسی طرح بادشاہ کے ہمسنگ نہیں ہوسکتی۔ اور ہمارے فوجی سردار اُن کے ہم نبرد ہونے کا بوتا نہیں رکھتے۔ اور جب یہ ہے تو بجز لوگوں کی خونریزی اور خلق اللہ کی ناحق جانستانی کے اور کچھ فائدہ نہیں۔ مغرور رانی اور اسکے بد اصل سرداروں نے راجہ وہناجادو اور ہندوراؤ کی یہ نصیحت آمیز باتیں رغبت کے کانوں سے نہیں سنیں بلکہ فوراً کچھ نقد وجنس اور کہانے پینے کا ساز وسامان بطریق ضیافت ان کے پاس روانہ کیا اور سرداروں کے لئے روزانہ رقم مقرر کرکے بصاحبت تمام جواب میں کہلا بھیجا کہ تاوقتیکہ محاصرہ اٹھے ہماری رفاقت واعانت سے پہلو تہی نہ کرو اور سامان جنگ وغیرہ کی جس قدر ضرورت ہو فوراً طلب کرلو۔ سرداران مرہٹہ نے زرمفت کو غنیمت جان کر لنگراقامت ڈالدیا۔ اور طرح طرح کی شوخیاں اور گستاخیاں کرنی شروع کیں۔

شہنشاہ عالمگیر نے جب مرہٹوں کی حد سے بڑھی ہوئی گستاخیاں دیکھیں تو وہ غصہ سے بیتاب ہوگیا اور انتقام کے فراموش شدہ حوصلے از سر نو تازہ ہوگئے۔ خود مقصد جہاد اور آرزوئے شہادت کے ارادہ سے جبکی تمناؤں سے بادشاہ کو گدگدا رہی تھی اور وہ غازی بادشاہوں کی فہرست میں اپنا نام داخل کرانیکی خواہش کرتا تھا

سوار ہوا اور بڑی تزک و احتشام کے ساتھ میدان کارزار میں جلوہ فرما ہوا ذوالفقار
خاں بہادر جو ابھی کوہستان سے فتوحات نمایاں حاصل کر کے آیا تھا اپنے ممتاز اور
مشہور سرداروں کو ساتھ لیکر بادشاہ کے میمنہ پر متعین ہوا اور تربیت خاں اور
حمید الدین خاں اور یکہ تاز خاں اپنی اپنی فوجوں کو مرتب اور آراستہ کر کے میسرہ
پر قایم ہوتے۔ نظر علی خاں اور دیگر رزم جو افسروں نے نہایت ترتیب اور آراستگی
کے ساتھ بادشاہ کی پشت پر جگہ لی اور بڑی آن بان کے ساتھ قلعہ واکنکیرا کی جانب
بڑھے۔ مخالفوں نے یہ دیکھکر اپنی تمام فوج کو سمٹ جانے کا حکم دیا اور سب ملکر دفعتہً
شاہی لشکر پر ٹوٹ پڑے جلادت پیشہ مبارزوں اور جانباز بہادروں نے سینہ
سپر ہوکر کلہ بکلہ جواب دیا۔ اور توکل کی ڈھالیں منہ پر رکھکر پیادہ ہو گئے اور مخالفوں
کے حملے کے مقابلہ میں شعلہ وار اندر گھسے چلے گئے۔ ہرطرف سے مقتولوں کی جانخراش
صدائیں بلند ہوئیں۔ اور زخمیوں کے جانگزا نعروں نے بہادروں کے دلوں میں ہلچل
ڈالدی قیامت زا ہنگامہ برپا ہوا اور دونوں طرف مقتولوں اور زخمیوں کے پشتے
لگ گئے۔ بیت ز بس کشتہ افتاد در کوہ و دشت ؎ جہاں گفت بس بس کہ از حد گذشت
آخر کار کفار مغلوب ہوئے اور شاہی فوج کے دو تین ہی حملوں میں لال ٹیکری وغیرہ
کے پشتے فتح ہو گئے۔ پریا نائک اور رانی تارا بائی کے لشکر شکست کھاکر بھاگے اور
تہور پیشہ جانبازوں نے پاپیادہ ایک میل تک تعاقب کیا اسمیں بہت سے کوتاہ
اندیش مرہٹے قتل ہوئے۔ اور بقیۃ السیف اسلامی فوج کے ہاتھوں میں گرفتار
ہو کر آئے اہل قلعہ سراسیمہ وار زن و فرزند اور زر و زیور میں سے جو کچھ ساتھ
لیجا سکے قلعہ کے چور دروازہ سے لیکر نکل گئے اور چلتے وقت معبد خانوں اور تمام مکانات
میں آگ لگا گئے آتش فشاں آلات کی شرر باری کم ہوئی اور قلعہ میں جو آگ بھڑک
رہی تھی اسمیں کچھ سکون واقع ہوا۔ تو داؤد خاں۔ اور منصور خاں جو حملہ آور فوج

کے پیش پیش تھے دلاوروں کی ایک کثیر جماعت کے ساتھ داخل قلعہ ہوئے دیکھا تو بجز چند زخمیوں اور بے دست و پا عورتوں کے اور کوئی شخص قلعہ میں نہ تھا۔ چودھویں محرم الحرام کو قلعہ واکنکیر شہنشاہ عالمگیر کے تصرف میں آیا اور اسلامی پھریرے قلعہ کے شاندار برجیوں پر بڑے زور شور سے اُڑنے لگے۔

۱۱۱۹ھ ہجری کا آغاز ہے۔ شہنشاہ عالمگیر کو انتقال کئے ہوئے ایک سال کا عرصہ گزر چکا ہے۔ اور اب سلطنت تیموریہ کا بارھواں تاجدار شاہ عالم بہادر تخت حکومت پر جلوہ آرا ہے۔ رانی تارا بائی ہنوز زندہ ہے۔ اور ناعاقبت اندیش مرہٹوں کے جرگہ میں دیکھی جاتی ہے۔ مگر چونکہ یہاں سے اس کے تاریخی حالات پر تاریکی چھائی ہوئی ہے۔ اس لئے ہم بھی اسکی لائف یہیں ختم کئے دیتے ہیں۔

تلسی بائی

یہ حسین و جمیل عورت ایک نامور اور مشہور صوبدار مرہٹہ کی رانی تھی جسکی دلگیر صورت اور زاہد فریب حسن و خوبی کے ڈنکے تمام عالم میں بجگئے تھے اور بیدار مغزی اور پختہ کاری کی حیرتناک دھوم دنیا میں مچگئی تھی۔ یہ پری تمثال اور حسن کی دیوی جیسے ظاہری خوبصورتی میں لاثانی تھی ویسے ہی شجاعت و بہادری میں بے نظیر تھی اور اگرچہ اسکا شوہر اسکی کمسنی اور نوعمری کی حالت میں مرگیا تھا اور اس کے حسن کی شہرت عام نے بڑے بڑے متمول اور صاحب حکومت لوگوں کے دلوں کو اپنا گرویدہ کر لیا تھا۔ لیکن اسکی شجاعت و بہادری نے حسن فروشی کو گوارا نہیں کیا اور شوہر کے مرنے کے بعد ہمیشہ آزادانہ زندگی بسر کیا کی۔ اسکی بہادری اور شجاعت کی حکایتیں بڑی دلچسپی کے ساتھ تواریخ میں دیکھی جاتی ہیں۔ چنانچہ میں اس مقام پر ایک تمثیلی واقعہ بیان کرتا ہوں جس سے اسکی شجاعت کے نمونے ظاہر ہو سکیں گے۔

برہان پور اور اُسکے مضافات جنپر تلسی بائی کا شوہر اور قوم مرہٹہ ایک عرصہ تک قابض رہ چکی تھی شہنشاہ عالمگیر کے زمانۂ زندگی میں فتح ہو چکے تھے اور قوم مرہٹہ بڑی ذلت و خواری کے ساتھ بیدخل کر دیئے گئے تھے لیکن جب ۱۱۱۸ھ ہجری میں عالمگیر کا انتقال ہوا اور شہزادہ شاہ عالم بہادر انتہا درجہ کی باہمی خانہ جنگیوں اور خانگی بغاوتوں اور خرخشوں سے نجات پاکر تخت حکومت پر جلوہ آرا ہوا تو مرہٹہ افسروں اور تلسی بائی کے خیالات انتقام تازہ ہو گئے اور قصاص کے فراموش شدہ حوصلوں میں نیا جوش پیدا ہوا چنانچہ اسنے اپنے شوہر کے انتقام اور برہانپور کو قبضۂ شاہی سے نکال لینے کے مقصد سے کچھ فوج جمع کی اور ۱۱۲۰ھ ہجری میں سولہ ہزار جرار سواروں اور بے شمار پیادوں کو ہمراہ لیکر دکن پر چڑھ گئی اور تاخت و تاراج کرتی ہوئی قصبۂ انویر کے متصل پہنچ گئی جو برہان پور سے سات میل کے فاصلہ پر واقع تھا یہاں پہنچکر اُسنے اپنی فوج کو آراستہ کیا اور نہایت ترتیب کے ساتھ آگے بڑھی۔ سرائے رانویر پر حملہ کیا اور تھوڑے سے کشت و خون کے بعد اُسکا محاصرہ کر لیا۔ اور فوراً میر احمد خاں کو جو اندنوں برہان پور کی صوبہ داری پر متعین تھا اور جوانمردی و بہادری میں اپنا نظیر نہیں رکھتا تھا یہ مضمون پیغام دیا " کہ میں سولہ ہزار خونریز اور سفاک سوار اور بے انتہا جانباز پیادے ساتھ لیکر اس غرض سے آئی ہوں کہ تم یا تو برہانپور اور اُس کے اطراف و جوانب سے اپنا قبضہ اٹھا کر ہمارے حوالہ کر دو یا گیارہ لاکھ روپیہ برہان پور کے معاوضہ میں جسے چوتھ کہنا چاہیئے سال بسال دینے کا اقرار کرو اور چڑھی ہوئی رقم حسابی قاعدہ سے فوراً ادا کرو۔

تلسی بائی کے اس خط کے پہنچنے سے پیشتر ہی میر احمد خاں کو اسکی بغاوت اور گستاخی کی خبر لگ چکی تھی اور اُسے یقین ہو گیا تھا کہ یہ فساد ایک نہ ایک دن ضرور ہو کے رہیگا۔ مگر چونکہ وہ ایک بے وقوف اور ناتجربہ کار عورت کے مقابلہ میں معرکہ آرا ہوتا

پسند نکرتا تھا اور اسکی فطری شجاعت اس بات کی اجازت نہ دیتی تھی کہ ایک کمزور ناقص العقل عورت پر حملہ آور ہو اس لیئے وہ اسکی شوخیوں اور بیجا گستاخیوں سے ہمیشہ طرح دیتا رہا۔ لیکن جب یہ معلوم ہوا کہ گستاخ و دلیر تلسی بائی سر پر چڑھ آئی اب بجز مقابلہ کے مفر کی کوئی صورت باقی نہیں رہی تو فوراً اطراف و نواح کے فوجداروں کو جمع ہونے اور لشکر کو مسلح و مرتب کرنے کا حکم دیا۔ اتفاق سے اسوقت برہانپور کی فوج کا ایک بڑا حصہ دہلی میں تھا اور کسی دوسری مہم کے سر کرنے کی غرض سے بلایا گیا تھا۔ میر احمد خاں نے جو فوج کا شمار کیا تو کل آٹھ سو سوار نکلے۔ جنمیں اکثر منصبدار اور متصدی لوگ تھے۔ ہر چند کہ فوج کی یہ تعداد تلسی بائی کے مقابلہ میں بالکل ناکافی تھی اور کسیطرح اسکے حملہ سے برہانپور کو بچا نہ سکتی تھی مگر میر احمد خاں نے اپنی قلت اور دشمن کی کثرت کی بالکل پروا نہیں کی اور پرگنہ جامود کے فوجدار کو جو ظفر خاں کے نام سے شہرت رکھتا تھا اور مشہور شجاعوں میں ایک بڑا جانباز اور رہتیل شجاع تھا فوجی کمانڈر انچیف مقرر کر کے نویں محرم کو کوچ کا حکم دیا۔ اور پھر خود بھی چند نامور افسروں کو ساتھ لیکر برہانپور سے نکلا مغرور اور ناعاقبت تلسی بائی نے جب یہ خبر سُنی کہ میر احمد خاں مقابلہ کے ارادے سے برہانپور کو چھوڑ کر باہر آیا ہے تو اُسنے اپنی فوج کے تین حصے کئے۔ چار ہزار سوار اپنے ساز و سامان کی حفاظت اور محصورین کی نگرانی پر متعین کئے اور پانچ ہزار تجربہ کار اور جنگ آزما سوار انکو ساتھ لیکر بڑی کر و فر اور تزک و احتشام سے میر احمد خاں کے مقابلہ میں بڑھی اور بڑی تیزی کے ساتھ بڑھی اور باقی فوج برہانپور کے اطراف جانب کے تاخت و تاراج کرنے اور محاصرہ کرنے کی غرض سے بڑی خونخواری اور سفاکی کے ساتھ اِدھر اُدھر پھیل گئی۔

میر احمد خاں اپنی قلیل مگر بہادر فوج کو لیکر بڑھا اور ایک وسیع میدان میں صف آرا ہوا دو تین روز تک جانبین سے پرزور حملے ہوتے رہے اور برہانپور کی فوج میں سے اکثر جانبازوں نے دادِ شجاعت دیکر جامِ شہادت منہ سے لگایا۔ میر احمد خاں کے جسم پر بھی اکثر جگہ زخم کاری لگے اور اسکے متعلقین میں سے کچھ لوگ شہید ہوئے اور کچھ مجروح تیسرے روز جب اسے خبر ہوئی کہ

فوج غنیم نے برہان پور کا محاصرہ کر لیا ہے تو وہ اسی حالت میں نظفر خاں کو معرکہ جنگ میں چھوڑ کر محصورین کی امداد اور کمک کے مقصد سے شہر کی طرف رجوع ہوا۔ یہاں دیکھتا کیا ہے کہ دشمنوں نے چاروں طرف سے برہانپور کا محاصرہ کر رکھا ہے اور آتشبار آلات سے محصورین کو بہت نقصان پہنچا چکے اور پہنچا رہے ہیں یہ دیکھکر میر احمد خاں غصہ سے بیتاب ہو گیا اور اپنی فطری شجاعت کو ضبط نہ کر سکا فوراً فوج کو ترتیب دیکر دشمنوں میں گھس گیا اور لڑتا بھڑتا شہر میں جا پہنچا۔ میر احمد خاں کے چلے جانے کے بعد نظفر خاں بہت دیر تک لڑتا رہا اور جب وہ بہت زخمی ہو چکا اور آخر شب کو کفار کا غلبہ زیادہ دیکھا تو اُسنے تقاضائے مصلحت اسی میں دیکھی کہ میر احمد خاں کے نامور اور بہادر فرزند کو ساتھ لیکر شہر میں پہنچ جائے مگر افسوس کہ اسکی یہ آرزو پوری نہیں ہوئی اور اثناء راہ میں دشمنوں کے ہاتھ سے شہید ہو گیا۔ تلسی بائی نے جب میدان صاف پایا تو وہ تمام لشکر کو ہمراہ لیکر شہر کی طرف بڑھی اور ہر طرف سے برہان پور کو گھیر لیا۔ میر احمد خاں نے قلعہ بند ہو کر لڑنا پسند نہیں کیا اور شہامت خاں چیلا اول کو بقیہ فوج کا گورنر مقرر کر کے بڑی زور سے فوج غنیم پر حملہ آور ہوا اس حملہ میں مرہٹوں کے قدم اکھڑ گئے اور اُنہیں مجبوراً پیچھے ہٹنا پڑا مسلمانوں نے مرہٹوں کے پسپا ہوتے وقت آگے قدم رکھا اور تقریباً ایک میل تک تعاقب کیا۔ اس اثناء میں دوسری طرف سے چار ہزار سوار عقب پر پل پڑے اور سخت معرکہ ہوا۔ شہامت خاں کے اکثر ساتھی شہید ہوئے اور بعض زخمی ہو کر جان سلامت لیگئے۔ اور کفار کے ہاتھوں میں گرفتار ہوئے۔ میر احمد خاں باوجودیکہ زخموں سے چور رتھا تنہا فوج کفار پر تابڑ توڑ حملے کر رہا تھا اور ہر حملے میں دس پانچ مرہٹوں کو خون میں نہلاتا تھا آخر کار جب اسکو زخموں نے بالکل نڈھال کر دیا اور ضعف کیوجہ سے گھوڑے کی پیٹھ پر ٹھیر نہ سکا تو حالت نیم جانی میں گھوڑے سے اُتر کر ایک درخت کے سایہ میں بیٹھ گیا اور وہیں بیٹھے بیٹھے جام شہادت نوش کر کے ابدی عیش و آرام کے مقام میں روانہ ہوا۔

میر احمد خاں کے شہید ہونے کے بعد حملہ آور فوج شہر میں دُرانہ گھس گئی اور بڑی

بیرحمی اور سفاکی سے غارتگری کرنی شروع کی۔ میر علی رضا جو بُرہانپور کا مشہور منصبدار اور ساداتِ سبزوار کا ایک نہایت شجاع آدمی تھا جانبازی اور بہادری کے عمدہ جوہر دکھا کر شہید ہوا اسیطرح شہر کے تمام نامی گرامی منصبدار ستمگار مرہٹوں کے ظلم بھرے ہاتھوں سے درجہ شہادت کو پہنچے اور جو باقی رہ گئے تھے طرح طرح کی مصیبتوں میں گرفتار رہے چنانچہ شرف الدین نامی جو شہر کے معزز و ممتاز لوگوں میں شمار کیا جاتا اور فن موسیقی میں بڑا پایہ رکھتا تھا جب دشمنوں کے ہاتھوں میں گرفتار رہا تو اُسے اپنی مخلصی کی تدبیر بجز اسکے اور کچھ بن ہی نہیں پڑی کہ قوالوں کا روپ بھر کر اپنے تئیں مغنی ظاہر کرے چنانچہ اسنے ایسا ہی کیا۔ اور فارسی و ہندی اور مرہٹہ زبان کے اشعار سُنا سنا کر لوگوں کو اپنا گرویدہ کر لیا سرداران مرہٹہ کو جب معلوم ہوا کہ شرف الدین شہر والوں سے کسی قسم کی سازش نہیں رکھتا بلکہ ایک معمولی قوال ہے تو انہوں نے ایکدن سامنے بلاکر کہا کہ گو ہمیں معلوم ہو گیا ہے کہ تو امیروں کی مجلس کا قوال اور نغمہ سنج ہے اور ارکین شہر سے کسی طرح کا تعلق نہیں رکھتا مگر اسکے ساتھ ہی ہمیں اس بات کا بھی یقین دلایا گیا ہے کہ تو متمول اور عزت طلب آدمی ہے لہذا تیری نسبت قطعی فیصلہ کیا گیا ہے کہ تو دو ہزار روپیہ نقد داخل کر کے اپنی جان قید سے چھڑا سکتا ہے۔ چنانچہ شرف الدین نے بہت ردوکد کے بعد ایکہزار دوسو روپیہ پر رضامند کر کے سلامتی جان کی چٹھی حاصل کر لی اور قرار داد روپیہ مرہٹوں کے حوالہ کیا۔

علےٰ ہذالقیاس جب محمد تقی جو شہر کی معزز پارٹی کا ایک بڑا معزز و ممتاز ممبر اور امانت خاں بخشی کا پوتا برہانپور کا واقعہ نگار تھا مرہٹوں کے ہاتھوں میں گرفتار ہوا تو اگرچہ بہت سے ہوا خواہوں نے زبان فارسی اور نیز اشاروں اشاروں میں اُسے سمجھایا کہ اپنے تئیں شہر کا منصبدار ظاہر کرے مگر اُسنے حالت گرفتاری میں بھی بڑے غیظ کے لہجہ میں کہا کہ میں اپنی قومیت اور منصب سے انکار کر کے حسب و نسب کے مخفی کرنے میں کوشش کرنی بیفائدہ اور لغو سمجھتا ہوں بلکہ اظہار نسب و منصب کو قتل پر ترجیح اور فضیلت دیتا ہوں چنانچہ جب اس سے دریافت

کیا گیا تو بڑی آزادی اور دلیری سے بیان کیا کہ میں اس شہر کا بخشی اور امانت خاں دیوان دکن کا پوتا ہوں سرداران مرہٹہ محمد تقی کا یہ دلیرانہ اور بیباکانہ کلام سُنکر حیرت میں رہ گئے اور نہایت عزت و توقیر سے پیش آکر بڑے عمدہ اور مزیدار کھانے اس کے دسترخوان پر چنے ضرورت کی سب چیزیں لا حاضر کیں اور اکثر سرداروں کے مشورہ سے یہ امر طے ہو گیا کہ اگر محمد تقی تیس ہزار روپیہ نقد اپنا فدیہ دے تو اسکی مخلصی کر دیجائے چنانچہ اُسنے فوراً تیس ہزار روپیہ دیکر اپنی جان بچائی

الغرض جب تلسی بائی باطمینان تمام شہر میں داخل ہوئی تو اپنے قاعدہ و قانون کے مطابق شہر کا بند و بست کیا اور فوجی افسروں کو زر نقد سے مالا مال کر دیا جس زمانہ میں برہانپور میں یہ ہنگامہ برپا تھا۔ شاہ عالم بہادر ایک بڑی خطرناک اور عظیم الشان مہم کے سر کرنے میں مصروف تھا اور اُسے بالکل اطلاع نہ تھی کہ برہانپور کے صوبہ دار پر کیا گذر رہی ہے۔ اور شہر برہانپور کس طرح پامال ہو رہا ہے۔ مگر جب وہ اس مہم کو سر کر کے اپنے دار الخلافہ کی طرف لوٹا تو لوٹتے ہوں کو اس حادثہ زا واقعہ کی خبر ہوئی میر احمد خاں کے شہید ہونے اور لشکر شاہی کے تباہ و برباد ہونیکا اُسے بہت افسوس ہوا اور اثنار راہ ہی میں سے برہان پور کیطرف ایک فوج عظیم کے ساتھ متوجہ ہو گیا اور اس جوش و تیزی کے ساتھ چلا کہ بہت جلد برہانپور کے حدود میں پہنچ گیا۔ تلسی بائی اور ناعاقبت اندیش مرہٹوں کو خبر ہوئی تو وہ بڑی مستعدی اور سرگرمی کے ساتھ جنگ کی تیاریوں میں مصروف ہوئے اور جب فوج شاہی لڑائی کے ساز و سامان سے آگے بڑھی تو تلسی بائی نے شہر سے باہر نکلکر لشکر کی کمان اپنے ہاتھ میں لی اور شاہی فوج کے مقابلہ میں سیدھی بڑھی چلی گئی۔ عین سرائے دانوپر کے میدان میں دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا اور تین روز تک بڑے گھمسان کی لڑائی رہی۔ آخر کار افواج مرہٹہ نے شکست کھائی اور تلسی بائی شاہی فوج کے ہاتھوں زندہ گرفتار ہوئی ✦

المشتہر ۔ سید ظہور الحسن قومی پریس دہلی ۔ کٹرہ نظام الملک

مختصر فہرست کتب سیر تاریخ و ناول قدیم وجدید قابل دید

نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت
الفاروق قیمت	۳	فیضان سنوسی	۶/	غیب دان دلہن	عه/	مالن کی بیٹی	۸/
جلوہ طور قیمت	۱۲/	کارنامہ ترک	۱۴/	قیس ولبنی	۸	جانکی	۱۲/
الصدیق قیمت	۶/	محاربہ مصر وسوڈان	عه	فلپانا	عه/	بہشت بریں	/
شیخ سنوسی "	۴/	محاربات فرانس	۸	فتح اندلس	عه	کرشمہ الفت	۱/
احسن المواعظ "	عه/	مرآۃ السلاطین	۱۲	شوقین ملکہ	۸	پارک کا پھول	عه/
تاریخ مکہ معظمہ "	۴/	یادگار دہلی	عه/	یوسف ونجمہ کامل	۸	وفا کی دیبی	۱۲/
تاریخ الخلفا اردو "	للعه	کتاب الامر	۴/	فسانہ قیس	۳/	سفید جھوٹ	۱۲/
تاریخ بنی اسرائیل "	۶/	سکینہ بنت حسین	۶/	محبوبہ لندن	۸	جادوگر	عه/
تاریخ مدینہ منورہ "	۸/	حروف صلیبیہ	۸	کیفر کردار	۸	ہان کا نہلا	۸/
تفریح الاحباب "	عه	تاریخ سندھ دو جلد	۱۲	اسلم اور حبیبہ	۱۰/	ٹھگ بدیا	۱۰/
حیات اعظم "	عه/	اردوئے معلیٰ غالب	۸	ہیرے کی کنی	۸/	بنگالی مینا	۱۲/
سوانح بندہ نواز "	۶/	الجواب الکافی	۸	ہر دل عزیز	۸/	محبت کی پتلی	عه/
سوانح بو علی قلندر "	۴/	دولت درانیہ	عه/	ناخواندہ مہمان	۸	الف لیلہ	عه/
سیرۃ النعمان "	۸	تذکرہ خواتین تیموریہ	عه	مریم	عه/	اتالیق نسوان	۲/
عجائب القصص "	۸	سوانحعمری نورجہان	۴/	خوبی قسمت	۸	آرائش محفل	۵/
فردوس آسیہ "	۸	سفرنامہ محمد ابن جبیر	عه	نشتر	عه/	باغ بہار	۴/
قصص الانبیاء	۸	تاریخ جنگ سوڈان	۳	الیضاً نسخہ ثانی	عه/	انوار سہیلی	۱۴/
مجموعہ واقدی	۳	شہنشاہ جرمنی کا سفر	۶/	فلورا فلورنڈا	۸	جام سرشار	عه
افسانۂ مغرب "	۸	فتوحات بہنسا	۸	فردوس بریں	عه	جادۂ تسخیر	۸
آثار الصنادید "	۱۲	اخبار الاولیا	۸	مقدس نازنین	۸	چراغ حسن	۴/
تاریخ اسپین "	۸	حیات ولی	عه	پارس کا ٹکڑا	۶/	داستان امیر حمزہ	۱۲/
ایضاً	۱۲	حکایات الصالحین	۵	خون دل	۴/	قصہ ممتاز	عه/
رکن دین	۸/	بڑی سوانحعمری	۸/	وفائے دلبر	عه/	طلسم الفت	۸/
تاریخ دلچسپ	۶/	تذکرہ صابریہ	۴/	سپاہی کی دلہن	عه	فسانہ عجائب	۷/
دبدبہ امیری	۱۲	تحفہ سبحانی	۸	یوسف دل آرا	۱۲/	قصہ ٹھگ	۶/
تاریخ ابلیس	۴/	سراج المجالس	۸	نئی دلہن	۸/	الیضاً چہارم	۶/
سفرنامہ مخدوم	۳/	سیر الاولیاء	۳	ایران کا شہزادہ	۸/	قصہ حضرت موسیٰ	۲/